Marfat.com

عدن

اسلامیات (لازمی)

برائے ڈگری کلاسز

پروفیسر خان محمد چاولہ
گورنمنٹ کالج، لاہور

عدن پبلیکیشنز چوک اردو بازار لاہور

Marfat.com

جملہ حقوق بحقِ مصنّف محفوظ ہیں

نام کتاب ——— عدن اسلامیات لازمی

سرورق ——— ریاض قدیر

اشاعتِ اوّل ——— ۱۹۹۴ء

تعداد ——— ۱۰۰۰

مطبع ——— ندیم یونس پرنٹرز لاہور

طابع ——— عدن پبلیکیشنز چوک اردو بازار لاہور

قیمت ——— ۴۵/- روپے

اسٹاکسٹ ——— علمی بک ہاؤس چوک اردو بازار لاہور

Marfat.com

پیش لفظ

شکر گزار ہوں اللہ تبارک وتعالیٰ کا کہ جس نے اپنے اس عاجز بندے کو ڈگری کلاسز کے لیے علوم اسلامیہ (لازمی) کی یہ کتاب لکھنے کی توفیق بخشی۔ علوم اسلامیہ کے اساتذہ کرام کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جو خاکسار کی تحریر کردہ کتابوں کو پذیرائی بخشتے ہیں، جس سے مجھے مزید لکھنے کا حوصلہ ملتا ہے۔

حسب معمول اس کتاب کی تالیف میں بھی عزیز طلبہ کے مفاد اور ان کی ضروریات کو ملحوظ رکھا گیا ہے، جس کا اندازہ کتاب پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے ہو جائے گا۔ نصاب سے متعلق قرآن حکیم اور حدیث شریف کے حصوں کی تشریح کو نسبتاً زیادہ اہمیت دی گئی ہے، کیونکہ دین کا ماخذ یہی ہیں، نیز امتحان میں طلبہ بھی بالعموم انہیں سے متعلق سوالات کو منتخب کرتے ہیں۔

ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ ڈگری کلاسز کے لیے پنجاب یونیورسٹی کے لیے اور ملتان وبہاولپور یونیورسٹی کے لیے جداگانہ طور پر کتاب مرتب کرنے کا اہتمام کیا ہے، کیونکہ ان تینوں یونیورسٹیوں کا احادیث مبارکہ کا انتخاب مختلف ہے۔ اگر تمام یونیورسٹیوں کے نصاب کے مطابق کتاب کی تالیف ہو اور احادیث نبویہ کی خاطر خواہ تشریح دی جائے تو کتاب کی ضخامت بہت بڑھ جائے گی جس کا بار طلبہ پر پڑے گا اور اگر ایک یونیورسٹی کے نصاب کی احادیث مبارکہ کی تشریح خاطر خواہ کی جائے اور دیگر یونیورسٹیوں کے نصاب کی احادیث کی تشریح برائے نام ہو تو یہ ان کے طلبہ کے ساتھ بے انصافی ہے۔ اُمید ہے یہ نقطۂ نظر پسند کیا جائے گا۔

رب العزت سے دُعا ہے کہ اس کوشش کو شرف قبول بخشے۔

احقر

خان محمد

Marfat.com

نصاب

کل نمبر ۶۰

اسلامیات لازمی برائے ڈگری کلاسز

۱۔ کتاب و سنّت

(الف) قرآن مجید

۱۔ فضائل قرآن
۲۔ سورہ الحجرات، متن اور ترجمہ کے ساتھ
۳۔ سورہ الفرقان، وعباد الرحمٰن ..... إلی آخر السورۃ آیات ۶۳ تا ۷۷
۴۔ مندرجہ ذیل پانچ سورتیں، ترجمہ کے ساتھ
الحٰذیٰت، التکاثر، العصر، الفیل، قریش

(ب) سُنّت

۱۔ سنت کی اہمیت
۲۔ بیس منتخب احادیث، ترجمہ کے ساتھ

۲۔ دینِ اسلام: آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبویہ کی روشنی میں

۱۔ توحید ۲۔ رسالت ۳۔ آخرت ۴۔ نماز
۵۔ روزہ ۶۔ زکوٰۃ ۷۔ حج ۸۔ جہاد

Marfat.com

۳۔ اُسوۂ حسنہ : حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا مطالعہ

(الف) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی ، ولادت تا بعثت تا ہجرت ، طریقۂ تبلیغ
(ب) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی ، مواخات ، میثاق مدینہ ، فتح مکہ ، حجۃ الوداع۔
(ج) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت تاجر ، معلم ، مبلغ و داعی ، سربراہِ خاندان ، سپہ سالار۔

۴۔ اسلام کی اخلاقی اقدار اور اسلامی معاشرے کے بنیادی اوصاف

(الف) تعمیر کردار۔ بلند اخلاق کا مفہوم۔ اخلاق فاضلہ مثلاً :
صدق ، توکل ، تقویٰ ، ایفائے عہد ، سادگی ، والدین اور بزرگوں کا احترام ، رواداری اور وسعت نظر۔
(ب) اسلامی معاشرہ ، کسبِ حلال ، انسانی وقار ، اجتماعی عدل ، شوریٰ

۵۔ تہذیب انسانی کی تعمیر میں اسلام کا حصہ :

۶۔ عالمِ اسلام کے مسائل اور ان کا حل :

ہمارا مستقبل ، ملتِ اسلامیہ کی وحدت ، بیسویں صدی میں احیائے اسلام کی کوششیں۔
دنیائے اسلام کا سیاسی استحکام اور مستقبل۔

نوٹ :

(۱) اسلام کی اخلاقی اقدار اور اسلامی معاشرے کے بنیادی اوصاف کے ضمن میں کسبِ حلال ، تعمیرِ کردار ، انسانی احترام و وقار ، سادگی ، رواداری اور وسعتِ نظر کے ساتھ اپنے اپنے خصوصی علمی و فنی مسائل کی مناسبت سے اسلام کی اخلاقی ، تعمیری نیز اصلاحی اقدار کی طرف رہنمائی کی جائے۔

(۲) فنی و پیشہ ورانہ ادارے اپنے خصوصی علمی و فنی مسائل کی مناسبت سے اسلام کی اخلاقی ، تعمیری نیز اصلاحی اقدار کی طرف رہنمائی کریں مثلاً میڈیکل تعلیمی ادارے ، طبی ضابطے MEDICAL ETHICS ڈاکٹر اور مریض کے تعلقات ، انسانیت کے تقاضے ، بالخصوص اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ، وغیرہ وغیرہ

Marfat.com

فہرست مضامین

Marfat.com

Marfat.com

بابِ اوّل

کتاب و سُنّت

(الف) قرآن مجید

۱۔ فضائل قرآن
۲۔ سورۃ الحجرات، متن مع ترجمہ وتشریح
۳۔ سورۃ الفرقان، آخری پندرہ آیات (۶۳تا۷۷) متن مع ترجمہ وتشریح
۴۔ سورۃ العٰدیٰت، التکاثر، العصر، الفیل، قریش۔ متن مع ترجمہ

(ب) سُنّت

۱۔ سُنّت کی اہمیت
۲۔ بیس منتخب احادیث مع ترجمہ وتشریح

Marfat.com

تعارفِ قرآنِ حکیم

لفظ قرآن کا معنی و مفہوم

قرآن کا لفظی معنی ہے (۱) پڑھنا (۲) جمع کرنا۔ یہ دونوں معانی قرآن حکیم پر صادق آتے ہیں۔ دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ اور اس میں انسانی زندگی کے تمام شعبوں کے متعلق بنیادی اصول جمع کر دیے گئے ہیں۔ سابقہ الہامی کتابوں اور صحیفوں کی بنیادی تعلیمات اور خوبیاں بھی اس میں یکجا ہیں۔

قرآن کریم کے دیگر اسماء

خود قرآن حکیم میں ہی اس کے کئی اور اسماء (کل پچپن) مذکور ہیں۔ مثلاً: الکتاب۔ اَلْفُرْقَانَ (حق اور باطل میں فرق کرنے والی)، نور، تَذْکِرَۃ (نصیحت)، اَلْھُدٰی (ہدایت)، ذِکْرٰی اَلْحَقّ۔ اَلْبَیَان (وضاحت۔ یعنی اس میں ہر بات وضاحت کے ساتھ بتائی گئی ہے) العلم۔ شفاء (یہ جسم و روح دونوں کے لیے شفا ہے) قرآن مجید میں ہی اس کی چند صفات کا بھی اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے مثلاً: مجید (بزرگی والا)، حکیم (حکمت والا)، کریم (کرامت والا)، اَلْعَزِیْز (بہت عزت والا) مبارک (بابرکت)

قرآن سے متعلق بعض اصطلاحات

۱۔ آیت: لفظ آیت کا معنی ہے نشانی۔ قرآن مجید کے ایک فقرے یا جملے کو آیت کہتے ہیں، کیونکہ ہر جملہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک نشانی ہے۔ قرآنِ کریم کی آیات کی کل تعداد ۶۶۶۶ ہے۔

۲۔ سورت: سورت کے لغوی معنی ہیں شرف، بلندی، چار دیواری، قرآن مجید کی سورت سے مراد ایک الگ اور مستقل باب ہے۔ قرآن مجید کی سورتوں کی کل تعداد ایک سو چودہ (۱۱۴) ہے۔ سوائے سورہ توبہ کے ہر سورت کے شروع میں بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھا ہے۔

۳۔ رکوع: جس طرح چند جملوں کے ملنے سے ایک پیراگراف بنتا ہے اسی طرح چند آیات کے ملنے سے ایک رکوع بنتا ہے۔ بعض رکوع چھوٹے اور بعض بڑے ہیں۔ کل رکوع ۵۴۰ ہیں۔ کل سات منازل اور تیس پارے ہیں۔

Marfat.com

نُزولِ قرآن

نُزول کی ابتداء

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام مکہ سے تین میل دُور غارِ حرا میں عبادت اور غور و فکر فرمایا کرتے تھے۔ عمر مبارک کے اکتالیسویں برس آپؐ غارِ حرا میں حسبِ معمول عبادت میں مصروف تھے کہ حضرت جبرائیل امینؑ تشریف لائے اور سورہ علق کی یہ آیات آپؐ کو پہنچائیں۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۗ

ترجمہ: پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا انسان کو جمے ہوئے خون (لوتھڑے) سے۔ پڑھ اور تیرا پروردگار سب سے بڑھ کر عزت والا ہے جس نے قلم سے سکھایا۔ اس نے انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا۔

یہ سب سے پہلی وحی تھی۔ ان آیات کے پہنچانے سے پہلے جب جبرائیلؑ نے آپؐ سے کہا: پڑھ (اِقْرَاْ)، تو آپؐ نے فرمایا: میں پڑھنا نہیں جانتا۔ (مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ)، فرشتے نے دو بار یہی الفاظ کہے اور دونوں دفعہ آپؐ کا جواب بھی یہی تھا۔ ہر بار آپؐ کا جواب سن کر حضرت جبرائیلؑ آپؐ کو بھینچتے۔ تیسری بار جبرائیلؑ نے مذکورہ بالا آیات پڑھیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ کی بعثت کا اعلان تھا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کانپتے ہوئے گھر تشریف لائے اور اپنی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہ طاہرہؓ سے فرمایا کہ مجھے کپڑا اوڑھا دو۔ طبیعت سنبھلنے پر سارا ماجرا انہیں سنایا۔ حضرت خدیجہؓ نے ان الفاظ میں آپؐ کو تسلی دی کہ اللہ تعالیٰ ہر حال میں آپؐ کا نگہبان ہوگا، کیونکہ آپؐ رشتہ داروں سے حسنِ سلوک کرتے ہیں۔ صادق اور امین ہیں۔ ناداروں کی دستگیری کرتے ہیں۔ مہمانوں کی خاطرداری کرتے ہیں، راہِ حق میں مدد کرتے ہیں۔

حضرت خدیجہؓ اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں جو انجیل کے بہت بڑے عالم تھے۔ ورقہ نے سارا واقعہ سن کر کہا کہ یہ وہی فرشتہ ہے جو موسیٰؑ کے پاس آتا تھا۔ آپؐ اس امت کے نبی ہیں۔ پھر حضرت خدیجہؓ حضور کو ورقہ کے پاس لے گئیں۔ ورقہ نے حضورؐ سے پورا واقعہ سن کر اپنی پہلی بات کو دہرایا۔ نیز بتایا کہ اہلِ مکہ آپؐ کو شہر سے نکال دیں گے، کیونکہ پہلے بھی ہر نبی سے لوگوں نے ایسا ہی سلوک کیا ہے۔

Marfat.com

نجماً نجماً نزول

اس کے بعد وقتاً فوقتاً وحی کا نزول ہوتا رہا، جب اور جیسے حالات کا تقاضا ہوتا، وحی نازل ہو جاتی۔ اس طرح قرآن حکیم جو رمضان المبارک میں ساتویں آسمان سے آسمانِ دنیا پر یکبارگی نازل کر دیا گیا تھا (انزال) آسمانِ دنیا سے حضورؐ پر نجماً نجماً یعنی ٹکڑوں میں نازل ہوا۔ یوں نزول میں یہ حکمتیں بھی تھیں :

۱۔ حضورؐ کے قلبِ مبارک پر ناقابلِ برداشت بوجھ نہ پڑ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے خود اسے قولِ ثقیل یعنی وزنی کلام قرار دیا ہے، چنانچہ سخت سردی میں بھی وحی کے نزول سے حضورؐ کی پیشانی مبارک پر پسینہ نمودار ہو جاتا تھا۔

۲۔ احکام میں تدریج مقصود تھی کہ بندوں کو ناقابلِ برداشت تکلیف نہ ہو۔ آہستہ آہستہ اپنی زندگیوں کو سنوارتے چلے جائیں۔

مدتِ نزول اور آخری آیت

قرآن مجید کے نزول کا سلسلہ حضورؐ کی زندگی کے آخری ایام تک چلتا رہا۔ کبھی کبھی وقفہ بھی آیا جسے فترۃ الوحی کہتے ہیں۔ قرآن حکیم کا نزول ۲۲ سال ۲ ماہ اور ۲۲ دن میں مکمل ہوا۔ آپؐ نے ۹ ذی الحجہ ۱۰ھ کو حجۃ الوداع کا خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس کے بعد وہیں عرفات میں یہ آیت نازل ہوئی :

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (المائدہ ۵ : ۳)

ترجمہ: آج کے روز میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کیا۔

اس آیت کے نزول کے چند ماہ بعد ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ کو حضورؐ وصال فرما گئے۔

وحی قرآنی کے طریقے

وحی کے لفظی معنی ہیں لطیف اشارے سے کوئی بات سمجھا دینا۔ دینی اصطلاح میں اس سے مراد ہے انبیاء تک پیغامِ الٰہی کا پہنچنا، وحی کی کئی صورتیں ہیں۔ قرآن حکیم وحی کی مندرجہ ذیل صورتوں میں آپؐ پر نازل ہوا :

۱۔ فرشتے کا اصلی شکل میں آنا

حضرت جبرائیلؑ کبھی اپنی اصلی شکل میں آکر آپؐ کو آیاتِ قرآنی پہنچاتے تھے۔ جیسے غارِ حرا میں پہلی وحی میں سورۂ علق کی ابتدائی پانچ آیات آپؐ تک اصلی شکل میں آکر پہنچائی تھیں۔

Marfat.com

۲۔ فرشتے کا انسانی شکل میں آنا

کبھی حضرت جبرائیل انسانی شکل میں وحی لاتے ۔ روایت کیا گیا ہے کہ حضرت جبرائیل اکثر حضرت دحیہ کلبیؓ کی شکل میں آتے تھے جو ایک بہت خوبصورت صحابی تھے۔

۳۔ صَلْصَلَۃُ الْجَرَس

(گھنٹی بجنے کی آواز) بعض دفعہ حضرت جبرائیل گھنٹی کی آواز کے ساتھ بھی آتے تھے۔ صحابہؓ کا بیان ہے کہ گھنٹی کی آواز کی صورت میں وحی کا نزول آپؐ پر اس قدر سخت ہوتا تھا کہ نہ صرف آپؐ کا جسم مبارک بوجھل ہو جاتا بلکہ آپؐ کی سواری (اونٹنی وغیرہ) بھی اس بوجھ سے بیٹھ جاتی تھی۔

قرآنِ حکیم کی وحی (وَحیِ مَتلُوّ ، یعنی جس کی تلاوت کی جائے) کی یہ صورتیں تھیں۔ ان کے علاوہ آپؐ کو بعض دوسری صورتوں مثلاً رؤیائے صادقہ (سچے خواب) اور دل میں الہام سے وحیٔ الٰہی آتی تھی۔ اس کو وحی غیر متلو کہتے ہیں۔ یعنی اس کی تلاوت نہیں کی جاتی اور یہ قرآن پاک کا حصہ نہیں۔

نزول کے دو ادوار

تاریخی اعتبار سے نزولِ قرآن کے دو ادوار ہیں۔ مکی دور اور مدنی دور۔ جو آیات اور سورتیں ہجرت مدینہ سے پہلے نازل ہوئیں (خواہ مکہ میں یا مکہ سے باہر) وہ مکی اور جو ہجرت مدینہ کے بعد نازل ہوئیں (خواہ مدینہ میں یا مکہ میں یا کسی اور مقام پر) وہ مدنی آیات اور سورتیں کہلاتی ہیں۔ قرآن پاک کی کل ۱۱۴ سورتوں میں سے ۸۶ سورتیں مکی ہیں اور ۲۸ سورتیں مدنی۔

مکی سورتوں کی امتیازی خصوصیات

۱۔ مکی سورتیں نسبتاً مختصر اور کم طویل ہیں۔

۲۔ مکی سورتوں میں یٰاَیُّھَا النَّاسُ کے الفاظ سے خطاب کیا گیا ہے (صرف ایک مدنی سورت الحج میں ان الفاظ سے بھی خطاب کیا گیا ہے)

۳۔ مکی سورتوں میں حروف مقطعات کا استعمال ہوا ہے۔ (صرف دو مدنی سورتوں البقرہ اور آل عمران میں حروف مقطعات استعمال ہوئے ہیں)

۴۔ جن سورتوں میں لفظ کَلَّا (یعنی ہرگز نہیں) آتا ہے وہ مکی ہیں۔

۵۔ سجدۂ تلاوت والی سورتیں مکی ہیں۔

۶۔ مکی سورتوں کے مضامین زیادہ تر عقائد و ایمانیات سے متعلق ہیں۔

۷۔ مکی سورتوں میں اکثر کفار و مشرکین کو سخت عذاب کی وعیدیں اور اہلِ ایمان کو جنت کی بشارتیں دی گئی ہیں۔

۸۔ مکی سورتوں میں سابقہ انبیاء و رسل کے قصے بیان کیے گئے ہیں۔

Marfat.com

مدنی سورتوں کی امتیازی خصوصیات

۱۔ عموماً زیادہ طویل ہیں۔
۲۔ مدنی سورتوں میں خطاب یَآیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ سے کیا گیا ہے۔
۳۔ مدنی سورتوں میں جہاد کا حکم دیا گیا ہے۔
۴۔ مدنی سورتوں میں اہلِ کتاب کا ذکر اکثر ملتا ہے۔
۵۔ مدنی سورتوں میں شرعی احکام، مثلاً حدود، قصاص، نکاح، طلاق اور تجارتی لین دین وغیرہ سے متعلق احکام کا ذکر ملتا ہے۔
۶۔ مدنی سورتوں میں روزہ، زکوٰۃ کے احکام و مسائل اور مناسکِ حج مذکور ہوتے ہیں۔

قرآن حکیم کی ترتیب توقیفی ہے

قرآن حکیم میں آیات اور سورتوں کی جو موجودہ ترتیب ہے یہ نزولی نہیں۔ یعنی یہ نہیں کہ جو آیت یا سورت سب سے پہلے نازل ہوئی وہ سب سے پہلے ہو۔ اور سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت سب سے آخر میں ہو بلکہ یہ ترتیب توقیفی ہے۔ توقیف کا معنی ہے واقف کرنا آگاہ کرنا۔ یہ ترتیب حکم الٰہی کے تحت خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمائی۔ اس لیے اسے ترتیب توقیفی کہتے ہیں۔ جب بھی کوئی آیت یا سورت نازل ہوتی تو آپؐ کاتبانِ وحی کو فرما دیتے کہ اس کو فلاں آیت کے بعد یا فلاں سورت کے بعد یا اس سے پہلے لکھو۔ چنانچہ سب سے پہلے نازل ہونے والی آیات (سورہ علق کی) موجودہ ترتیب میں سورت نمبر ۹۶ میں ہیں جبکہ آخر میں نازل ہونے والی آیت (اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ) پانچویں سورت النساء میں ہے۔ قرآن مجید کی ابتدا مکی سورت فاتحہ سے ہوتی ہے۔ اس کے بعد چار طویل سورتیں مدنی ہیں۔ آخری چار سورتیں بھی مکی ہیں۔

جمع و تدوینِ قرآن

عہدِ نبوی میں قرآن حکیم کی صورت

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے وقت پورا قرآن مجید تحریری شکل میں موجود تھا لیکن اس کے اجزا منتشر تھے۔ آیات اور سورتوں کی ترتیب آپؐ نے حکم الٰہی کے تحت خود بتا دی تھی۔
حضور علیہ الصلوٰۃ نے بعض صحابہؓ کو کتابتِ وحی پر مامور کر رکھا تھا۔ انہیں کاتبینِ وحی کہتے ہیں۔ کاتبینِ وحی کی کل تعداد بعض کے نزدیک ۲۶ اور بعض کے نزدیک ۴۲ ہے۔ سب سے پہلے کاتبِ وحی حضرت شرجیل بن حسنہ کندی تھے جو بعد میں اسلام میں سب سے پہلے قاضی بھی بنے۔ اہل مدینہ میں سے

Marfat.com

سب سے پہلے کاتب حضرت ابی بن کعبؓ تھے اور قریش میں سے اولیت کا شرف حضرت عبداللہ بن ابی سرحؓ کو حاصل ہوا۔ ان کے علاوہ کاتبین وحی میں مندرجہ ذیل اصحاب کے نام زیادہ مشہور ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ۔ حضرت عمرؓ۔ حضرت عثمانؓ۔ حضرت علیؓ۔ حضرت زبیرؓ۔ حضرت امیر معاویہؓ۔ حضرت زید بن ثابتؓ۔ حضرت عمرو بن العاصؓ۔

جب بھی وحی نازل ہوتی آپؐ کاتبین وحی کو لکھوا دیتے۔ اس زمانے میں کاغذ کیاب اور مہنگا تھا۔ بعض صحابہؓ نے کاغذ پر بھی قرآن مجید کے کچھ حصے لکھے۔ لیکن کتابت کا زیادہ کام کھجور کی چھال، اونٹ کے شانہ کی چوڑی ہڈیوں، چمڑے کے ٹکڑوں اور پتھر کی تختیوں وغیرہ پر ہوا۔ اس لیے مجلد کتاب کی صورت میں قرآن مجید کا کوئی نسخہ موجود نہ تھا۔ اکثر صحابہ کرامؓ قرآن مجید کو زبانی یاد کر لیتے تھے، کیونکہ ایک تو عربوں کا حافظہ بہت تیز اور مضبوط تھا۔ دوسرے قرآن حکیم کا اسلوب ہی ایسا ہے کہ آسانی کے ساتھ یاد ہو جاتا ہے۔

جمع و تدوین میں حضرت ابوبکرؓ کا کردار

جنگوں میں حفاظ کی شہادت

حضرت ابوبکر صدیقؓ کو خلیفہ بنتے ہی جھوٹے مدعیان نبوت (مسیلمہ کذاب وغیرہ) اور منکرین زکوٰۃ وغیرہ کے خلاف متعدد جنگیں لڑنا پڑیں۔ مسیلمہ کذاب کے خلاف لڑی جانے والی جنگ یمامہ میں بہت سے صحابہؓ شہید ہوئے جن میں ستر حافظ قرآن بھی شامل تھے جن کے پاس قرآن حکیم کے تحریری اجزا بھی تھے۔

حضرت عمرؓ کا مشورہ

حضرت عمرؓ کو اس صورت حال سے بہت تشویش ہوئی۔ انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کو مشورہ دیا کہ قرآن حکیم کو جمع کرنے کا انتظام کیا جائے کیونکہ اگر جنگوں میں اسی طرح حفاظ قرآن کریم شہید ہوتے رہے تو اندیشہ ہے کہ کہیں قرآن کریم کا ایک کثیر حصہ کھو نہ جائے۔ حضرت ابوبکرؓ نے پہلے تو اس تجویز سے اتفاق نہ کیا اور کہا کہ جو کام رسول اکرمؐ نے خود نہیں کیا میں اسے کیونکر کر سکتا ہوں۔ حضرت عمرؓ برابر اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ حضرت ابوبکرؓ قائل ہو گئے۔

حضرت زید بن ثابتؓ کا تقرر

حضرت زید بن ثابتؓ ایک ذہین اور قوی حافظے والے جواں سال صحابی تھے۔ حضورؐ کے زمانے میں وحی اور حضورؐ کے فرامین و مراسلات کے کاتب رہ چکے تھے۔ ان کی قرات بھی قریشی تھی۔

Marfat.com

چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت زیدؓ کو اس اہم کام کے لیے منتخب کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت زیدؓ کو بلوا کر کہا کہ قرآن مجید کے اجزاء کو تلاش کر کے جمع کرو اور قرآن مجید کا ایک نسخہ لکھ دو۔ حضرت زیدؓ نے پہلے تو اس بارِ عظیم کو اٹھانے سے پس و پیش کیا لیکن حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے اصرار کیا تو مان گئے۔ حضرت زیدؓ کا قول ہے کہ اگر جمع قرآن کے فرض کے بجائے مجھے پہاڑ اٹھا کر منتقل کرنے کا حکم ہوتا تو میں اسے آسان تر سمجھتا۔

حضرت زیدؓ کا طریق کار

صحابہؓ میں اعلان کر دیا گیا کہ جس کسی کے پاس بھی براہِ راست نبی کریمؐ سے سن کر لکھا ہوا قرآن حکیم کا کوئی جزء ہو، وہ اسے لا کر پیش کرے۔ لوگوں نے حکم کی تعمیل کی۔ جب کوئی صحابیؓ قرآن حکیم کا نوشتہ لاتے۔ کم از کم دو حافظوں کی گواہی لی جاتی کہ یہ نوشتہ حضورؐ سے براہِ راست سن کر لکھا گیا ہے۔ حضرت زیدؓ نے بڑی محنت اور احتیاط و تحقیق سے کام لے کر پورے قرآن مجید کو کاغذ پر نقل کیا، تاہم قرآن حکیم کو ایک مجلد کتاب (مصحف) کی صورت اب بھی نہ دی گئی۔ بلکہ قرآن مجید کی یہ نقل الگ الگ اوراق (صحیفوں) کی شکل میں تھی۔ اس لیے اسے صحف کہا جاتا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں قرآن حکیم کی جمع و تدوین کا کام اسی قدر ہوا کہ اس کے منتشر اجزاء کو کاغذ پر لکھ کر جمع اور محفوظ کر لیا گیا۔ اسے باقاعدہ ایک کتاب (مصحف) کی شکل نہ دی گئی یہ کام حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں انجام پایا۔

جامع القرآن حضرت عثمانؓ کا کارنامہ

عرب میں سات قرأتیں

عرب میں سات قرأتیں یا بولیاں مروج تھیں۔ سب کو اپنی اپنی قراءت کے مطابق قرآن پڑھنے کی اجازت تھی۔ کیونکہ اختلافِ قراءت سے معنی میں تو کوئی فرق نہیں آتا۔ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت تک اسلامی مملکت کی جغرافیائی حدود میں بہت توسیع ہو چکی تھی۔ بہت سے غیر عرب بھی حلقہ بگوش اسلام ہو چکے تھے۔ غیر عربوں نے قرآن حکیم کو عربوں سے ہی سیکھنا تھا۔ ظاہر ہے کہ ہر عرب معلم نے اپنی قراءت کے مطابق ہی قرآن سکھانا تھا۔ عرب تو قراءتوں میں اختلاف کی حقیقت سے واقف تھے لیکن غیر عرب تو واقف نہ تھے۔ ہر غیر عرب جس قراءت کے مطابق قرآن سیکھتا اسی نے اسی کو صحیح اور مستند قرار دینا تھا۔ اور دوسری قراءت کے مطابق قرآن پڑھنے والے عرب اور غیر عرب کو غلط قرار دینا تھا۔ اس سے فتنہ و فساد اور لڑائی جھگڑوں کا دروازہ کھل جانا یقینی تھا۔

Marfat.com

حضرت حذیفہؓ کی اطلاع اور تجویز

حضرت حذیفہؓ عراق اور ایران کی شمالی سرحدوں پر جہاد کے لیے گئے ہوئے تھے۔ وہاں انہوں نے بعض لوگوں کو اپنی قراءت کے صحیح ہونے پر اصرار کرتے ہوئے دیکھا۔ انہیں خدشہ ہوا کہ نوبت کہیں لڑائی جھگڑے تک نہ پہنچ جائے، چنانچہ جب وہ مدینہ واپس آئے تو حضرت عثمانؓ کو یہ سارا واقعہ سنایا اور گذارش کی کہ امت کو متوقع افتراق و انتشار سے بچانے کا کوئی بندوبست کیا جائے۔

حضرت زیدؓ کی سربراہی میں بورڈ کی تشکیل

حضرت عثمانؓ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا تو سب نے اس تجویز پر اتفاق کیا کہ امت کو ایک قراءت پر جمع کرنا چاہیے۔

حضرت عثمانؓ نے زیدؓ بن ثابت کی سربراہی میں ایک بورڈ تشکیل دیا۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں تیار کیے ہوئے صحیفے (مصحف) اُمّ المؤمنین حضرت حفصہؓ کے پاس رکھے ہوئے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے وہ صحیفے وہاں سے منگوا کر حضرت زیدؓ کے حوالے کیے اور حکم دیا کہ ان کی نقلیں تیار کی جائیں۔ چنانچہ قریشی قرأت کے مطابق ان کی نقلیں تیار کی گئیں۔ ہر نسخے کو ایک مجلد کتاب یا مُصحف (بَیْنَ الدَّفَّتَین) کی شکل دی گئی۔ ایک مصحف مدینہ میں رکھ لیا گیا اور ایک ایک مصحف ہر صوبے کے مرکز میں بھجوا دیا گیا۔ ان نسخوں کو دیکھ کر اور ان کے مطابق آئندہ نسخے تیار کیے جانے تھے اس لیے حضرت عثمانؓ کے تیار کرائے ہوئے ان قرآنی نسخوں یعنی مصاحف کو اَلمَصَاحِفُ الاَئِمَّہ (ماڈل نسخے) کہا جاتا ہے۔

عثمانی کارنامہ

حضرت عثمانؓ کا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے قرآن مجید کے اوراق یا صحیفوں کو ایک قراءت پر نقل کروا کر ایک مجلد کتاب یا مصحف کی شکل دی۔ آج تک قرآن حکیم اسی شکل میں دنیا بھر میں موجود ہے۔ اس کارنامہ کی وجہ سے حضرت عثمانؓ کو جامع القرآن کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

نقطے، حرکات اور اعراب

ابتدائے اسلام میں عرب میں نقطے اور حرکات (زبر، زیر، پیش، تنوین) لگانے کا رواج نہ تھا۔ قرآنِ مجید پر نقطے اور اعراب لگانے کا کام ۵۰ھ کے بعد ہوا اور اغلب یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے شاگرد ابوالاسود دُؤلی اور پھر اس کے شاگرد یحییٰ بن یَعمُر نے یہ کارنامہ انجام دیا۔

Marfat.com

فضائلِ قرآن

اسلوب اور معنی ہر پہلو سے قرآن مجید کے اتنے فضائل ہیں کہ ان کو شمار کرنا بنی نوع انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ ذیل میں مثال کے طور پر قرآن حکیم کے چند فضائل کا مختصر ذکر کیا جائے گا۔

۱۔ اللہ کا کلام

قرآنِ عظیم اللہ تبارک وتعالیٰ کا کلام ہے اور اللہ کی کتاب ہے جس کو اس نے اپنے الصادق والامین رسول کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بذریعہ وحی، بواسطہ روح القدس حضرت جبرائیل امینؑ نازل فرمایا۔ قرآنِ کریم میں یہ بات وضاحت وصراحت کے ساتھ بہت سے مقامات پر بتائی گئی ہے، مثلاً:

(۱) وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ط (التوبہ، ۹:۶)

ترجمہ: "اور اگر کوئی مشرک آپؐ سے پناہ مانگے تو اُس کو پناہ دے دیجیے تاکہ وہ اللہ کا کلام سن لے پھر اسے پہنچا دیجیے اس کی امن کی جگہ۔"

(۲) هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ (آل عمران، ۳:۷)

ترجمہ: "وہی ہے جس نے آپؐ پر کتاب اتاری۔"

(۳) يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ (آل عمران، ۳:۲۳)

ترجمہ: ان کو بلایا جاتا ہے اللہ کی کتاب کی طرف تاکہ وہ (کتاب) ان میں فیصلہ کر دے۔"

قرآن مجید کی سب سے بڑی فضیلت یہی ہے کہ یہ اللہ ربّ العالمین کا کلام ہے اس کی کتاب ہے۔

۲۔ واحد محفوظ الہامی کتاب

اس میں کچھ شک نہیں کہ قرآن سے پہلے بھی بنی نوعِ انسان تک اس کے رسولوں کے ذریعے اللہ کا کلام پہنچا، قرآن مجید سے پہلے بھی کئی الہامی کتابیں، مثلاً تورات، زبور، انجیل اللہ نے نازل فرمائیں لیکن وہ محفوظ نہیں رہ سکیں۔ آج ان ناموں سے جو کتابیں دنیا میں موجود ہیں تحقیق کر کے ان میں سے کلامِ الٰہی کے ترجمہ کو داصل توبالکل نہیں کیونکہ یہ کتابیں اپنے نزول کے صدیوں

Marfat.com

بعد مرتب و مدون کی گئیں اور ان میں تاریخ انسانی کو بھی شامل کر دیا گیا) شناخت کرنا بھی دشوار ہے۔ موجودہ شکل میں ان سابقہ آسمانی کتابوں کا اپنا بھی یہ دعویٰ نہیں ہے کہ وہ اللہ کا کلام ہیں۔ لہٰذا اس وقت بنی نوع انسان کے پاس قرآنِ حکیم واحد الہامی کتاب ہے جو بعینہٖ اس حالت میں موجود ہے جس حالت میں اللہ تعالیٰ نے اسے نازل فرمایا تھا، اس میں ذرا سی بھی تبدیلی، زیر اور زبر کا فرق بھی رُونما نہیں ہوا۔ اور یہ اس لیے ہے کہ اس کی حفاظت کا کام خود اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ٥ (الحجر، ۱۵: ۹)

ترجمہ: بے شک ہم نے ہی ذکر (یعنی قرآن مجید) کو نازل کیا اور بے شک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔"

یہ قرآنِ حکیم کی ہی فضیلت ہے کہ اس کی حفاظت کا کام خود اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہوا ہے۔ قرآن کے سوا دنیا میں کوئی اور کتاب ایسی نہیں جس کی حفاظت کو اللہ نے اپنی ذمہ داری بنایا ہو لہٰذا قرآنِ حکیم اپنے نزول کے چودہ سو سال بعد آج بھی مکمل طور پر محفوظ ہے۔ دنیا میں جتنی بھی کتابیں ہیں وہ سب تلف ہو سکتی ہیں، ضائع ہو سکتی ہیں، ناقابلِ فہم ہو کر متروک ہو سکتی ہیں لیکن قرآنِ عظیم ہمیشہ ہمیشہ اسی طرح بالکل محفوظ رہے گا جیسے پچھلے چودہ سو برسوں سے ہے۔

۳۔ سابقہ کتب سماویہ کا مصدِّق اور نگران

سابقہ کتب سماویہ میں اس قدر ترمیمیں اضافے، تبدیلیاں اور تحریفیں ہو چکی ہیں کہ ان پر اعتماد کر کے ان سے استفادہ کرنا ناممکن ہو گیا تھا کہ یہ کتب سماویہ ہیں قرآنِ حکیم نے ان کی تصدیق و تصحیح کر کے انہیں تلف اور ضائع ہونے سے محفوظ کر لیا۔ ان کے اندر اصل کلامِ الٰہی کے جو مطالب تھے وہ قرآن مجید نے اپنے اندر سمو لیے اور ان میں سنگین قسم کی جو غلط باتیں شامل کر دی گئی تھیں ان کی تصحیح کر دی۔ قرآنِ حکیم کی اس فضیلت کا ذکر اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ (المائدہ، ۵: ۴۸)

ترجمہ: "اور آپ پر ہم نے اتاری کتاب سچی تصدیق کرنے والی سابقہ کتابوں کی اور ان کے مضامین پر نگران۔"

اب انسان سابقہ کتب سماویہ سے بے نیاز ہو گیا ہے، صرف قرآن مجید ہی کافی ہے اور

Marfat.com

صرف یہی سچی کتاب ہے جس میں سابقہ کتب سماویہ کے اصل مضامین بھی شامل ہیں۔

۴۔ سب سے افضل کلام

قرآن مجید سب سے افضل کلام ہے، یقیناً، بلاشبہ، کیونکہ یہ اللہ کا کلام ہے اور باقی سب بندوں کے کلام ہیں۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

وَفَضْلُ كَلَامِ اللّٰهِ عَلٰى سَائِرِ الْكَلَامِ كَفَضْلِ اللّٰهِ عَلٰى خَلْقِهٖ[1]

ترجمہ: "اور اللہ کے کلام کی فضیلت باقی سب کلاموں پر اس طرح ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی فضیلت ہے اپنی مخلوق پر۔"

اللہ تعالیٰ اتنی وسیع و عریض اور حیران کن کائنات کا خالق، مالک اور مدبّر ہے اس کی زمینی مخلوقات میں سے ادنیٰ مخلوق اپنے اندر اتنی حیرت ناکیاں اور اسرار لیے ہوئے ہے کہ انسان دیکھ کر اور سوچ کر دنگ رہ جاتا ہے اس عظیم و اکبر ذاتِ سبّوح و قدوس کے کلام کی کیا شان ہوگی، اس کا اندازہ لگانا کسی مخلوق کے لیے مشکل ہے۔ بعض جنّات نے قرآنِ حکیم کی چند آیات سُنیں تو حیران ہو گئے۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر اس طرح آیا ہے:

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۙ يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ۭ (الجن ۷۲: ۱ تا ۲)

ترجمہ: (اے نبیؐ!) فرما دیجیے کہ مجھے وحی ہوئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے سُنا تو وہ کہنے لگے یقیناً ہم نے ایک عجیب قرآن سُنا ہے کہ وہ سجھاتا ہے نیک راہ سو ہم اس پر ایمان لائے۔"

واقعہ یوں ہوا کہ حضور اکرمؐ صبح کی نماز میں قرآن پڑھ رہے تھے، کئی جن اتفاقاً ادھر سے گزرے اور قرآن کی آیات سن کر فریفتہ ہو گئے اور ایمان لے آئے۔ پھر واپس اپنی قوم کے پاس گئے تو انہیں یہ سارا واقعہ سنایا کہ آج ہم نے ایک واقعہ سُنا ہے جو اپنی فصاحت و بلاغت، حُسنِ اسلوب، قوتِ تاثیر، شیریں بیانی، وعظ و نصیحت کے انداز اور مضامین کے اعتبار سے عجیب و غریب ہے، اللہ کی معرفت اور رشد و فلاح کی طرف راہنمائی کرتا ہے، اس لیے ہم تو سنتے ہی اس پر ایمان لے آئے کہ ایسا کلام اللہ کے سوا کسی اور کا نہیں ہو سکتا۔ ہم اس قرآن کی تعلیم کے موافق عہد کرتے ہیں کہ آئندہ ہم کسی چیز کو اللہ کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔[2]

کفارِ مکہ نے حضورؐ کی دعوت کے مخالف بڑی رکاوٹیں پیدا کیں لیکن وہ اسلام کی اشاعت کو روکنے میں ناکام ہو رہے تھے، جو شخص بھی آپؐ سے قرآنی آیات سنتا فریفتہ ہو جاتا۔ اس

---

[1] ترمذی، ابواب فضائل القرآن، باب ۲۷۔ [2] تفسیر عثمانی۔

Marfat.com

سے کفّار کو سخت پریشانی تھی۔ اس کا حل انہوں نے یہ نکالا کہ انہوں نے لوگوں کو قرآن سُننے سے منع کر دیا اور حکم دیا کہ آپؐ جب بھی قرآن پڑھیں اتنا شور و غل مچا دو کہ کوئی قرآن کی آواز سُن ہی نہ سکے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ٥ (حٰمٓ السجدہ ۴۱: ۲۶)۔

ترجمہ: "اور کہنے لگے کافر، اس قرآن کو مت سُنو اور بک بک کرو اس کے پڑھنے میں شاید تم غالب ہو۔"

قرآن نے دعویٰ کیا، جو آج تک سچا ثابت ہے اور بلاشبہ قیامت تک سچا ثابت رہے گا کہ تمام جن و انس مل کر بھی اس کے مثل کلام نہیں لا سکتے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ٥ (بنی اسرائیل، ۱۷: ۸۸)

ترجمہ: "(اے نبیؐ!) فرما دیجیے، اگر تمام انسان اور تمام جنات اس کے لیے اکٹھے ہو جائیں کہ اس قرآن کے مثل لائیں تو وہ اس کے مثل نہ لا سکیں اور خواہ وہ ایک دوسرے کی مدد بھی کر لیں۔"

قرآنِ حکیم اسلوب کے لحاظ سے ایک معجزہ ہے اور معانی و مطالب کا بحرِ بے کراں ہے (اسلوب کے اعجاز اور معانی و مطالب کے بعض فضائل کا کچھ ذکر آئندہ سطور میں کیا جائے گا)۔ تمام مخلوقات عاجز رہیں گی اس کے مثل ایک سورت بھی لانے سے۔ قرآنِ حکیم نے ایک مقام پر صرف ایک سورت قرآن کے مثل لانے کا چیلنج بھی کیا ہے اور ساتھ پیشین گوئی بھی کر دی کہ تم ایک سورت بھی اس کے مثل ہرگز نہ لا سکو گے۔[1]

۵۔ تمام لوگوں کے لیے ہدایت

دنیا میں موجود کتابوں میں سے کسی کتاب کا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ وہ تمام لوگوں کے لیے ہدایت ہے۔ اچھی سے اچھی کتابیں موجود ہیں، ان میں حکمت اور دانائی، نیکی اور راستی کی باتیں بھی موجود ہوں گی، ممکن ہے کہ وہ اعلیٰ افکار و نظریات بھی پیش کریں یا ان میں طبیعیاتی حقائق بیان کیے گئے ہوں لیکن یہ دعویٰ کوئی کتاب نہیں کرتی کہ وہ لوگوں کے لیے ہدایت ہے۔ قرآن حکیم کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ لوگوں کے لیے ہدایت ہے۔ مثلاً ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

---

[1] دیکھیے سورہ البقرہ، ۲: ۲۳ تا ۲۴

Marfat.com

شَهۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ فِیۡهِ الۡقُرۡاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ
مِّنَ الۡهُدٰی وَ الۡفُرۡقَانِ (البقرہ، ۲: ۱۸۵)

ترجمہ: مہینہ رمضان کا وہ ہے کہ جس میں اتارا گیا قرآن ہدایت ہے لوگوں کے لیے اور روشن دلیلیں راہ پانے کی اور حق کو باطل سے جدا کرنے کی۔

پس قرآنِ حکیم سب لوگوں کے لیے ہدایت ہے، ان میں عوام و خواص، ان پڑھ اور تعلیم یافتہ بڑے سے بڑے مفکرین، علماء، سکالرز، علوم و فنون کے ماہرین سب شامل ہیں۔ ہر زمانے، ہر علاقے کے لوگوں کے لیے، خواہ وہ گورے ہوں یا کالے، عربی ہوں یا عجمی، قرآن ہدایت ہے اور قیامت تک اب ہدایت صرف اسی کتاب سے مل سکتی ہے۔

قرآنِ حکیم دو بڑے شعبوں میں ہدایت ہے: (۱) اللہ اور انسان کا تعلق۔ (۲) انسان کا انسان سے تعلق۔ غیب کے حقائق کی بابت مستند اور قطعی معلومات وہی ہیں جو قرآنِ حکیم نے فراہم کی ہیں، یعنی ذاتِ الٰہیہ، اس کی توحید و صفات کا تصور، ملائکہ، جنت، دوزخ، آخرت کا تصور، وہی درست ہے جو قرآنِ حکیم نے دیا ہے، ان سب حقائقِ غائب کا صحیح تصور صرف قرآن مجید میں مل سکتا ہے۔ اللہ اور انسان کا تعلق کیا ہے، اس کی بابت صحیح راہنمائی قرآنِ کریم سے ہی مل سکتی ہے۔ انسانوں کے باہمی تعلقات، یعنی حقوق العباد، لوگوں کے معاشرتی، معاشی، سیاسی زندگی وغیرہ کے تمام معاملات کے بارے میں صحیح رشد و ہدایت صرف قرآن حکیم سے مل سکتی ہے۔ قرآن مجید ان تمام امورِ مذکورہ میں تمام لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور اس کے سوا کوئی اور کتاب ان امور کے بارے میں جامع اور درست راہنمائی نہیں دے سکتی۔ قرآنِ حکیم نے مذکورہ بالا امور کے بارے میں جو راہنمائی فراہم کی ہے اس کے چند اہم نکات درج ذیل ہیں:

(۱) خالص توحید کا تصور: نزولِ قرآن سے پہلے دنیا میں خالص توحید کا تصور ناپید ہو چکا تھا، یہودی عزیرؑ کو خدا کا بیٹا مانتے تھے، عیسائی تین خداؤں (تثلیث) کے قائل تھے یہ تو اہل کتاب کا حال تھا۔ باقی بت پرست اقوام میں خالص توحید کا تصور کے ملنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ قرآنِ حکیم نے ذاتِ الٰہیہ کا تصور ایسا دیا ہے جو خدا کے شایانِ شان ہے، یعنی غیر مرئی، غیر مادی اور لطیف ہے، ہر قسم کی تشبیہ و تجسیم اور عیب و نقص سے پاک ہے۔ اس کی صفات بھی اس کے شایان بیان کی ہیں۔

نوٹ: تفصیل کے لیے دیکھیے دینِ اسلام کے باب میں عنوان "توحید"

(۲) دیگر غیبی حقائق کا صحیح تصور: قرآن نے ملائکہ، آخرت، جزا و سزا، جنت اور دوزخ کا بڑا جامع اور صحیح تصور دیا ہے۔ ملائکہ کے بارے میں تمام اقوام میں پھیلے ہوئے باطل عقائد

Marfat.com

کی تصحیح کی ہے، کہ وہ نہ تو اللہ کے بیٹے یا بیٹیاں ہیں، نہ ان میں سے کوئی اللہ کی نافرمانی کر سکتا ہے، نہ کوئی اللہ کے اختیارات میں شریک ہے، بلکہ وہ تو اللہ کی نورانی مخلوق ہیں اور اس کے احکام بجالانے پر مامور ہیں۔ آخرت کا بڑا مفصل اور جامع تصور دیا ہے جس سے انسان کو نیکی کی ترغیب ملتی ہے اور برائی سے دور رہنے اور اس سے نفرت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے باب دوم، دینِ اسلام میں 'آخرت' کا عنوان)۔ اسی طرح رسالت کے تصور کی تصحیح کی ہے، اہلِ کتاب نے رسولوں کے ساتھ اوصاف وابستہ کرنے میں جس افراط و تفریط کا مظاہرہ کر رکھا تھا اس کو درست کر کے صحیح اور جامع تصور پیش کیا ہے۔ ایک طرف تو انہوں نے بعض رسولوں اور انبیاء کو اُلوہیت کا درجہ دے رکھا تھا دوسری طرف ان سے ایسے گناہ اور قبیح افعال منسوب کر دیے تھے جن کا ذکر کرنا بھی ان انبیاء کی شان میں گستاخی ہے۔ قرآن نے ان سب کی تصحیح کر دی۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے باب دوم، 'دینِ اسلام' میں عنوان 'رسالت')۔

(۳) وحدتِ انسانی کا نظریہ: قرآنِ حکیم کے نزول سے قبل انسان کی ابتدا سے متعلق مختلف قوموں میں مختلف نظریات پائے جاتے تھے، جن کی بناء انسانوں کے بحیثیت انسان طبقات بنے ہوئے تھے، ایک طبقے سے تعلق رکھنے والا انسان پیدائشی اور موروثی طور پر معزز اور واجب الاحترام ہوتا جبکہ دوسرے طبقے کا حقیر، نیچ اور ذلیل۔ قرآن نے وحدتِ انسانی کا نظریہ پیش کر کے معاشرتی طور پر ان تمام امتیازات کو ختم کر دیا اور اعلان کر دیا کہ تمام انسان ایک ماں باپ کی اولاد ہیں، قومیں، قبیلے اور ذات برادریاں صرف باہمی پہچان اور شناسائی کے لیے اللہ نے بنائی ہیں اور فضیلت کی بنیاد صرف اور صرف تقویٰ ہے، کوئی بھی شخص تقویٰ پیدا کر کے اللہ کے ہاں عزت پا سکتا ہے۔ عزت کسب سے حاصل ہوتی ہے پیدائش اور وراثت سے نہیں۔

نوٹ: تفصیل کے لیے دیکھیے باب چہارم میں عنوان 'انسانی وقار'

(۴) عبادت کا صحیح تصور: قرآن حکیم نے انسان کو اللہ کے سوا کائنات کی ہر چیز کی پوجا کرنے سے نجات دلادی اور یہ تصور دیا ہے کہ ساری کائنات تو انسان کے لیے پیدا کی گئی ہے، لہٰذا کوئی چیز اس کا معبود بننے کے لائق نہیں۔ عبادت صرف اللہ کی جائے اور عبادت کے جو طریقے قرآن نے بتائے ہیں وہ انسان کی دنیوی اور اُخروی دونوں زندگیوں کی فلاح کے ضامن ہیں۔ ہم خرما و ہم ثواب والی بات ہے۔ جان کو جوکھوں میں ڈالنے، جان کو ہلاک کرنے، جان کو بھینٹ چڑھانے والی عبادات سے نجات دلادی۔ دنیا کو ترک کر کے نہیں بلکہ

Marfat.com

دنیا میں رہتے ہوئے، دنیا کی نعمتوں سے لطف اٹھاتے ہوئے ایسے طریقے سے عبادت کرنی ہے جو اس کے جسم و روح دونوں کی صحت کے لیے مفید ہیں، جس سے اسے بے شمار اور بیش بہا معاشرتی و معاشی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ جانور کی قربانی کرنی ہے تو اس کے گوشت کو، بعض دوسرے مذاہب کی طرح جلانے کا حکم نہیں دیا بلکہ خود اور دوسروں کو کھلانے کی تعلیم دی ہے۔ یہی حال نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کا ہے۔ غرض انسان کو کسی ایسی عبادت کی تکلیف نہیں دی کہ جو اس کی استطاعت اور مقدور سے زیادہ ہو اور جس سے اسے کوئی بے فائدہ تکلیف اور اذیت پہنچے۔

(۵) لوگوں کے باہمی تعلقات کو استوار کرنے کے لیے جو احکام و تعلیمات دی ہیں وہ ایسی ہیں کہ اس سے ہر فرد کو بلا امتیازِ جنس وغیرہ، برابر کا حق اور فائدہ پہنچتا ہے۔ نکاح و طلاق کے احکام ہوں یا تجارت و معیشت کے، ہر ایک میں اس امر کا پورا اہتمام کیا ہے کہ کسی پر ظلم نہ ہو، کسی کا استحصال نہ ہونے پائے۔ لوگوں کے باہمی تعلقات میں اخلاقِ فاضلہ کو بھی دخل انداز اور مؤثر بنایا ہے، صرف قوانین پر اکتفا نہیں کیا۔ انسانی فطرت سے ہم آہنگ اور قابلِ عمل اخلاقِ حسنہ کو اپنانے کی تعلیم دی ہے اور اخلاقِ رذیلہ سے اجتناب کرنے کا حکم دیا ہے۔

غرض، انسانی زندگی سے متعلق تمام امور میں قرآنِ حکیم تمام انسانوں کے لیے بہترین ہدایت کہلانے کی مستحق ہے۔ یہ فضیلت صرف اور صرف قرآنِ حکیم کو حاصل ہے جو قوم جس قدر اس سے راہنمائی حاصل کر کے عمل کرے گی اسی قدر وہ کامیاب ہوگی۔

۶۔ عقل کو استعمال کرنے کی تعلیم: نزولِ قرآن سے پہلے مسخ شدہ مذاہبِ عالم نے انسانی عقل پر سخت پہرے بٹھا رکھے تھے اور اسے شجرِ ممنوع قرار دے رکھا تھا کہ اس کو استعمال نہیں کرنا، مبادا ان کے بیہودہ فرسودہ عقائد و نظریات کا بھید کھل جائے۔ قرآن نے انسان کو عقل پر عاید کردہ ان بندشوں سے نجات دلائی۔ عقلِ انسانی کو مذہب والوں کی طرف سے پہنائی گئی بیڑیاں اور زنجیریں توڑ ڈالیں اور انسان کو دعوت دی کہ وہ کائنات میں غور و فکر کرے، اس کے اسرار و رموز کو جاننے کی کوشش کرے۔ قرآن انسان کو عقل استعمال کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ قرآن سے پہلے خالق کی ذات کی بابت تو اہلِ مذاہب اور فلاسفر نے غور و فکر کر کے گمراہی کی وادیوں میں بھٹکتے تھے، حضرت عیسیٰؑ کی اُلوہیت کو ثابت کرنے کے لیے تو فکری کاوشیں کرتے تھے لیکن کائنات میں غور و فکر کی اجازت نہ تھی۔ حالانکہ ذاتِ الٰہیہ میں غور و فکر کرنے سے انسان کو کچھ حاصل نہیں ہو سکتا کہ وہ لطیف ہے، اس کے مثل کوئی چیز نہیں ہے (لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ) کہ جس کی مدد سے وہ اسے سمجھ سکے، اسے

Marfat.com

نگاہیں نہیں پا سکتیں (لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ) ، اس کا ادراک انسان کے بس کی بات نہیں ہے تو پھر اس کی بابت غور و فکر کرنے ، بے بنیاد قیاس آرائیاں کرنے سے کیا حاصل ؛ کائنات میں غور و فکر کرنے سے انسان کو بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں تو اس پر غور کرنا چاہیے۔ قرآن نے انسان کو بار بار دعوت دی ہے کہ مخلوق میں غور و فکر کرو ، عقل سے کام لو۔

قرآنِ حکیم نے انسان کو عقل استعمال کرنے کی جو آزادی اور ترغیب دی یہ اسی کا ثمر اور نتیجہ ہے کہ آج سمندروں ، دریاؤں ، پہاڑوں اور فضاؤں پر انسان کی حکمرانی قائم ہے ، ورنہ یورپ میں تو عقل سے کام لینے والے سائنسدانوں کو تو نہایت سخت ایذاؤں اور عقوبتوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا مثلاً انگلستان کے مشہور سائنسدان راجر بیکن اور اٹلی کے مشہور سائنسدان گلیلیو کو نئے سائنسی نظریات پیش کرنے کے "جرم" کی پاداش میں قید و بند کی صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ ایسے کتب خانے جلا دیے جاتے تھے جہاں عقلی استدلال والی کتابیں ہوں ، یہ قرآنِ حکیم کی فضیلت ہے۔

۷۔ معانی و مطالب کا بحرِ بیکراں : قرآنِ حکیم کے ہر فقرے یا جملے کو آیت (یعنی نشانی) کہتے ہیں ۔ یہ اللہ کی قدرت ، حکمت ، علم کی نشانیاں ہیں اور ہر آیت علم و حکمت کا خزانہ ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر قرآنِ حکیم کی آیات پر غور و فکر کرنے کی دعوت دی ہے تاکہ لوگوں کو علم و حکمت حاصل ہو۔ قرآن مجید معانی و مطالب کا بحرِ بیکراں ہے ، کوئی جتنی جستجو کرے گا اسے معانی کے اتنے ہی موتی حاصل ہو جائیں گے۔ طلب رکھنے والوں کے لیے اس میں معانی کے گراں بہا موتی پوشیدہ پڑے ہیں ۔ اس کا اندازہ اس امر سے کسی قدر لگایا جاسکتا ہے کہ جتنی تفسیریں اور شرحیں اس کتابِ مقدس کی لکھی گئی ہیں آج تک کسی اور کتاب کی نہیں لکھی گئیں ۔ شاید کسی کتاب کی دو چار شرحیں لکھی گئی ہوں مگر قرآنِ حکیم کی تفسیروں کا تو کوئی شمار ہی نہیں ہے ۔ ہزارہا علماء و حکماء نے اس کی تفسیر لکھی ہے اور ابھی یہ سلسلہ جاری ہے (اس وقت نجانے دنیا بھر میں کتنی نئی تفسیریں لکھی جا رہی ہوں) اور قیامت تک جاری رہے گا ۔ ظاہر ہے کہ ہر نئے مفسّر کو قرآنِ حکیم میں کچھ نئے معانی و مطالب سوجھتے ہیں تبھی وہ نئی تفسیر لکھنے کی ضرورت محسوس کرتا ہے ۔ بلا شبہ قرآنِ حکیم ہدایت کی کتاب ہے ، یہ فزکس ، کیمسٹری ، باٹنی ، زوآلوجی ، ریاضی ، جغرافیہ ، تاریخ ، عمرانیات ، معاشیات ، فلکیات ، طب ، انجینئرنگ ، فلسفہ وغیرہ کی کتاب نہیں ہے لیکن ہر علم کے ماہر کو غور و فکر کرنے سے قرآنِ حکیم سے مزید سوچنے کے لیے غذا (FOOD FOR THOUGHT) اور تفکر و تخیل کو مہمیز ضرور ملتی ہے ۔

۸۔ بے مثال اسلوبِ بیان : قرآنِ حکیم کا اسلوبِ بیان ایسا انوکھا اور بے مثال ہے کہ

Marfat.com

اس کا تجزیہ کرنا محال ہے۔ نہ یہ نظم میں ہے اور نہ نثر میں۔ نہایت دلکش اور پُرتاثیر اسلوبِ بیان ہے۔ اس کا صوتی تاثر دل کو موہ لینے والا ہے۔ پڑھنے والا اور سننے والا (خواہ مفہوم سمجھ میں آئے یا نہ آئے) مسحور ہو کر رہ جاتا ہے۔ اسے بار بار پڑھنے سے بھی دل نہیں بھرتا، جب بھی پڑھو نیا کیف اور لطف حاصل ہوتا ہے۔ آٹھ دس سال کی عمر کا بچہ پورے قرآن کو زبانی یاد کر لیتا ہے۔ اتنی ضخامت کی کسی اور کتاب کو چھوٹا سا بچہ زبانی یاد نہیں کر سکتا۔ اس کے اسلوبِ بیان کے اعجاز کے سامنے تو عرب کے بڑے بڑے فصیح و بلیغ شاعر اور خطیب عاجز رہ گئے تھے اور آج تک کوئی اس کے مثل کوئی چھوٹا سا قطعہ عبارت پیش نہیں کر سکا۔

۹۔ فضائلِ قرآن کی بابت ارشاداتِ ربانی: قرآنِ حکیم میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے اس عالی شان والے کلام کے بعض فضائل بیان فرمائے ہیں، مثلاً:

(۱) بڑی عظمت والا ہے (القرآن العظیم۔ الحجر، ۱۵: ۸۷)۔
(۲) بڑی حکمت والا ہے (القرآن الحکیم۔ یٰسٓ، ۳۶: ۲)۔
(۳) بڑی بزرگی والا ہے (القرآن المجید۔ قٓ، ۵۰: ۱)۔
(۴) بات کو بڑی وضاحت سے بیان کرنے والا ہے (قرآنِ مبین، الحجر، ۱۵: ۱)
(۵) اہلِ ایمان کے لیے شفاء اور رحمت ہے (بنی اسرائیل، ۱۷: ۸۲)
(۶) ایسی کتاب ہے کہ اس کی آیات کو بہت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے (حٰم السجدہ، ۴۱: ۳)۔

۱۰۔ فضائلِ قرآن کی بابت ارشاداتِ نبوی: کتبِ حدیث میں فضائلِ قرآن کی بابت حضور اکرمؐ کے کئی ارشاداتِ گرامی روایت کیے گئے ہیں، مثال کے طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات درج کیے جاتے ہیں:

(۱) خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ[1]

ترجمہ: "تم میں سے سب سے اچھا وہ ہے جو قرآن سیکھے اور اس کی تعلیم دے۔"

(۲) "قرآن مجید کی تلاوت کیا کرو کیونکہ قیامت کے روز یہ تلاوت کرنے والوں کی سفارش کرے گا۔[2]"

(۳) "جو شخص روانی سے قرآن پڑھتا ہے اسے معزز اور نیک فرشتوں کی معیت حاصل ہوتی ہے اور جو شخص اٹک اٹک کر قرآن پڑھتا ہے اور اسے پڑھنے میں مشقت اٹھانی پڑتی

---

[1] امام نووی: ریاض الصالحین، باب ۳۰، بحوالہ بخاری۔ [2] ریاض الصالحین، باب ۳۰، بحوالہ مسلم

Marfat.com

ہے دِقّت کی وجہ سے) اسے دوگنا اجر ملتا ہے۔[1]

(۴) اللہ تعالیٰ اس کتاب (یعنی قرآن مجید) کے سبب کئی قوموں کو بلندی عطا فرماتا ہے اور کئی قوموں کو ذلّت و پستی۔[2] یعنی جو قومیں قرآنِ حکیم کی تعلیمات پر عمل کریں گی وہ کامیاب ہوں گی، انہیں عروج حاصل ہوگا اور جو قومیں عمل نہیں کریں گی وہ زوال پذیر ہوں گی اور ذِلّت و خواری ان کا مقدّر ہوگی۔

(۵) "جو شخص قرآن مجید کا ایک حرف پڑھتا ہے اسے ایک نیکی ملتی ہے جو دس نیکیوں کے برابر ہوتی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا الٓمٓ ایک حرف ہے، بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے"۔[3] یعنی لفظ الٓمٓ پڑھنے سے تیس نیکیاں ملیں گی (کہ یہ تین حروف کا مجموعہ ہے) اور پھر ہر نیکی دس نیکیوں کے برابر ہوگی، یعنی الٓمٓ پڑھنے سے تین سو نیکیاں ملیں گی۔

---

[1] ریاض الصالحین، بحوالہ بخاری و مسلم [2] ایضاً، بحوالہ مسلم [3] ایضاً، بحوالہ ترمذی۔

Marfat.com

سُوْرَةُ الْحُجُرَات

تعارف

یہ مدنی سورت ہے، اس میں دو رکوع، اٹھارہ آیات اور تین سو سینتیس الفاظ ہیں۔ اس کی چوتھی آیت میں لفظ الحجرات آیا ہے، اس پر اس سورت کا نام رکھا گیا ہے۔ اس میں اہلِ ایمان کو بارگاہِ رسالت کے آداب کی بابت احکام دیئے گئے ہیں، معاشرتی آداب کی تعلیم دی گئی ہے اور بعض معاشرتی برائیوں سے اجتناب کی ہدایت کی گئی ہے۔ (تفصیل آگے بیان کی جائے گی)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان سدا رحم کرنے والا ہے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اے — جو — ایمان لائے

اے ایمان والو!

لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

نہ آگے بڑھاؤ (قول یا فعل کو) — سامنے۔ آگے — اللہ — اور رسول اس (کا)

آگے نہ بڑھا کرو اللہ اور اس کے رسول سے

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ①

اور ڈرو — اللہ — یقیناً — اللہ — سننے والا جاننے والا ہے

اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے، یقیناً اللہ سننے والا جاننے والا ہے

Marfat.com

الفاظ کی تشریح

لَا تُقَدِّمُوا : آگے نہ بڑھاؤ۔ مراد ہے اپنے قول یا فعل کو آگے نہ بڑھاؤ[1]۔ جب کوئی شخص اپنے امام یا پیشوا کے فرمان کے بغیر خود ہی جلدی سے امر و نہی کا نفاذ کرے تو ایسے موقع پر عرب کہتے ہیں، فُلَانٌ يُقَدِّمُ بَيْنَ يَدَيْ اِمَامِهٖ، یعنی فلاں شخص اپنے امام کے آگے آگے چلتا ہے۔

بَيْنَ يَدَيْ : آگے۔ سامنے۔

تشریح

شانِ نزول

اس آیتِ مبارکہ کے شانِ نزول (اُترنے کی وجہ) کے بارے میں مختلف اقوال و روایات ملتی ہیں[2]:

۱۔ بعض لوگوں نے قربانی کے جانور ذبح کر دیے جبکہ ابھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدالاضحیٰ کی نماز نہ پڑھی تھی۔ تو ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں دوبارہ قربانی دینے کا حکم دیا۔

۲۔ بعض لوگ اس طرح کی باتیں کیا کرتے تھے کہ کاش میرے بارے میں اس طرح کلامِ الٰہی نازل ہو، کاش یوں کوئی آیت میرے متعلق نازل ہو جاتی۔ تو ان لوگوں کو ایسی باتوں سے باز کرنے کے لیے یہ آیت نازل ہوئی۔

۳۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرامؓ میں سے چوبیس آدمی بنی عامر کی طرف مامور فرمائے۔ بنی عامر نے ان کو شہید کر دیا سوائے تین کے، جو اس لیے بچ گئے کہ وہ ذرا پیچھے رہ گئے تھے۔ یہ تین حضرات مدینہ منورہ کو لوٹ آئے۔ راستے میں انہیں بنی سلیم کے دو آدمی ملے، انہوں نے ان دو سے ان کا نسب پوچھا، تو انہوں نے جواب میں کہا کہ ہم بنی عامر سے ہیں، کیونکہ بنو عامر زیادہ معزز تھے۔ ان تین حضرات نے ان

---

[1] لَا تُقَدِّمُوْا (آگے نہ بڑھاؤ) فعل متعدی ہے اس کا مفعول قَوْلًا وَّ لَا فِعْلًا محذوف ہے مفعول کو حذف کرنے سے یہ فائدہ حاصل ہوا ہے کہ سننے والے کی تمام تر توجہ سبقت کی نہی پر مرکوز رہتی ہے۔ الضحاک اور یعقوب حضرمی کی قراءت میں لَا تَقَدَّمُوْا (آگے نہ بڑھو) ہے۔ [2] یہ اقوال بروایات بخاری، فتح الباری، ابن کثیر، القرطبی (الجامع لاحکام القرآن) سے ماخوذ ہیں۔

Marfat.com

دونوں کو قتل کر دیا۔ بنی سلیم کو اس کا پتہ چلا تو ان کی ایک جماعت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئی اور کہا: ہمارے اور آپؐ کے درمیان معاہدہ ہے، اور ہمارے دو آدمی قتل کر دیے گئے ہیں۔ حضورؐ نے ان کو ایک سو اونٹ مرحمت فرمادیے۔ تو ان تین حضرات کی طرف سے ان دو آدمیوں کے قتل پر یہ آیت نازل ہوئی۔

۴۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب خیبر تشریف لے جانے لگے تو آپؐ نے مدینہ کے لیے ایک شخص کو جانشین بنانے کا ارادہ فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے اس کے بجائے کسی اور شخص کو جانشین بنانے کا مشورہ دیا، تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

۵۔ بنو تمیم کے گھڑسواروں[1] کی ایک جماعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضور اکرم کو مشورہ دیا کہ قعقاع بن معبد[2] کو امیر (حاکم) بنا دیجیے۔ حضرت عمرؓ نے کہا، بلکہ اقرع[2] بن حابس کو امیر بنا دیجیے۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ سے مخاطب ہو کر کہا، آپ تو بس میری مخالفت چاہتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا، میرا ارادہ آپ کی مخالفت کرنے کا نہ تھا۔ دونوں ہم کلام رہے یہاں تک کہ ان دونوں کی آوازیں اونچی ہو گئیں تو اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی[3]

ممکن ہے یہ سبھی واقعات اس آیت کا شانِ نزول ہوں، یہ بھی ممکن ہے ان میں سے کوئی واقعہ اس آیت کے نزول کا سبب نہ ہو[4] اور اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کے لیے ایک اصولی حکم نازل فرمایا ہو۔

آیت کی توضیح

اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو حکم دیا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ سے آگے نہ بڑھیں۔ آگے نہ بڑھنے سے کیا مراد ہے، اس کی بابت مفسرین کے اقوال درج ذیل ہیں:

(۱) کتاب و سنت کے خلاف نہ کہو (حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما)

(۲) حضورؐ کے کلام کے سامنے مت بولو (عوفیؒ)

(۳) جب تک کسی امر کی بابت اللہ کے رسولؐ کچھ نہ فرمائیں تم خاموش رہو (مجاہدؒ)

---

[1] یہ امام بخاری کی روایت میں ہے۔ امام احمد کی روایت میں بنو تمیم کا ایک وفد، کے الفاظ ہیں (فتح الباری)۔ [2] یہ صحابہ کرامؓ میں شامل ہیں (دیکھیے فتح الباری، تفسیر سورہ الحجرات)۔ [3] بخاری میں یہ واقعہ آیت ۲ (لا ترفعوا اصواتکم...) کے شانِ نزول کے طور پر بھی روایت کیا گیا ہے۔ شاید امیر مقرر کرنے کی بابت شیخینؓ کا مشورہ پہلی آیت کا اور ان کی آوازوں کا اونچا ہو جانا دوسری آیت کا شانِ نزول ہو۔ [4] القرطبی۔

Marfat.com

(۴) امورِ دینیہ میں کتاب وسنت کے سوا تم کسی اور چیز سے فیصلہ نہ کرو (ضحاکؒ)

(۵) کسی قول وفعل میں اللہ کے کلام اور اس کے رسولؐ کی حدیث کے سوا تم کسی اور چیز سے فیصلہ نہ کرو۔

(۶) کسی قول وفعل میں اللہ اور اس کے رسولؐ پر سبقت نہ کرو (سفیان ثوریؒ)۔

(۷) امام سے پہلے دعا نہ کرو (حسن بصریؒ)[1]

(۸) اعمالِ اطاعت (عبادات وغیرہ) کے انجام دینے کے لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اوقات مقرر فرمائے ہیں ان کو ان مقررہ اوقات سے پہلے انجام نہ دو (ابن جریجؒ)[2]

اسلام کا معنی ومطلب ہی اطاعت ہے۔ جب اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لے آئے اور ان کی اطاعت قبول کر لی تو پھر ان کے احکام کی خلاف ورزی کرنے یا اپنی من مانی کرنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہ جاتا۔ اطاعت اور من مرضی دونوں اکٹھے نہیں ہو سکتے، لہٰذا اہلِ ایمان پر لازم ہے کہ انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی، اس کے کسی بھی شعبے سے متعلق کسی امر کی بابت کتاب وسنت کے مقابلے میں اپنی رائے کو ترجیح نہیں دینی چاہیے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو فرمایا، کس چیز کے ساتھ فیصلہ کرو گے؟ حضرت معاذؓ نے عرض کیا، کتاب اللہ کے ساتھ۔ حضورؐ نے فرمایا، اگر اس میں نہ پاؤ تو؟ جواب دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے ساتھ۔ آپؐ نے فرمایا، اگر اس میں بھی نہ پاؤ تو؟ جواب دیا، اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ حضورؐ نے یہ جواب سن کر حضرت معاذؓ کے سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا، اللہ کا شکر ہے جس نے رسول اللہ کے قاصد کو ایسی توفیق دی، جس سے اللہ کا رسولؐ خوش ہو[3] پس حضرت معاذؓ نے اپنی رائے اور اجتہاد کو کتاب وسنت سے مؤخر رکھا اور حضورؐ نے اسے پسند فرمایا۔ کتاب وسنت سے اپنی رائے کو مقدم کرنے کی اس آیت میں ممانعت کر دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اللہ کے رسولؐ کی اطاعت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا مطلب ہی یہ ہے کہ اہلِ ایمان انفرادی اور اجتماعی ہر سطح کے فیصلے کتاب وسنت کی موافقت میں کریں۔ ان کے کسی فیصلہ میں کتاب وسنت کی خلاف ورزی نہ پائی جائے، خواہ یہ فیصلہ کسی نزاع کی بابت عدالت کی طرف سے ہو یا قانون سازی سے متعلق مجلس قانون ساز (پارلیمنٹ وغیرہ) کی طرف سے ہو۔ اور اپنی رائے

---

[1] ابن کثیر [2] القرطبی [3] ابن کثیر، بحوالہ ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ۔

Marfat.com

اور اجتہاد کو ہر امر میں کتاب و سنت سے مؤخر رکھیں، ان پر مقدم نہ رکھیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ

اے جو ایمان لائے وہ نہ بلند کرو آوازیں اپنی بالا۔اوپر آواز نبی (کی)

اے ایمان والو! نہ اونچی کیا کرو اپنی آوازوں کو نبیؐ کی آواز سے

وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ

اور نہ آواز اونچی کرو لیے اس (کے) ساتھ بات مانند اونچا بولنا بعض تمہارے لیے بعض

اور آپؐ سے ترش کر نہ بولو جیسے تم ایک دوسرے پر ترشتے ہو[1]

أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ②

کہ رائیگاں نہ ہو جائیں اعمال تمہارے اور تم نہیں شعور رکھتے ہو تم

ایسا نہ ہو کہ تمہارے سارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں اس کی خبر تک نہ ہو۔

الفاظ کی تشریح

اَصْوَات: آوازیں۔ جمع ہے صَوْتٌ (آواز) کی

جَهْر: کسی چیز کا ایسے ظہور ہونا کہ وہ بہت ہی نمایاں طور پر دکھائی دے یا سنائی دے[2]۔ آیت میں لَا تَجْهَرُوا سے مراد ہے کہ تم زور سے، چلّا کر، بلند آواز میں نہ بولو۔

كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ: جس طرح تم آپس میں زور سے چلا کر، بلند آواز میں بولتے ہو۔

اَنْ تَحْبَطَ: حبط کا معنیٰ ہے کسی چیز کا حد سے بڑھنے کی بنا پر ضائع یا برباد ہو جانا۔ اَن تحبط اصل میں لِاَنْ تَحْبَطَ ہے (شروع میں لام محذوف ہے) اور یہ لام انجام یا نتیجہ CONSEQUENCE بتانے کے لیے ہے۔ معنی ہوگا: حضورؐ کے سامنے بلند آواز میں بولنے کا انجام یہ ہوگا کہ تمہارے سارے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ یا پھر یہ اصل میں لِئَلَّا (لِ + اَنْ + لَا) تَحْبَطَ ہے، معنی ہوگا: تاکہ ایسا نہ ہو کہ تمہارے سارے اعمال برباد نہ ہوں۔

---

[1] ترجمہ محمود الحسن۔ [2] مفردات

Marfat.com

لَا تَشْعُرُوْنَ ۔ تم شعور نہیں رکھتے ۔ تم احساس نہیں رکھتے ۔ تم سمجھتے بوجھتے نہیں ۔

شانِ نزول

اس آیت قرآنیہ کے شانِ نزول کی بابت درج ذیل روایات و اقوال ملتے ہیں:

(۱) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ دیا کہ بنی تمیم پر اس شخص کو عامل مقرر فرما دیجیے ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دوسرے شخص کی بابت مشورہ دیا ۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا ، آپ تو بس میری مخالفت کرنا چاہتے ہیں ۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ میرا مقصود آپ کی مخالفت کرنا نہیں تھا ۔ دونوں حضرات باہم کلام کرتے رہے یہاں تک کہ ان دونوں کی آواز اونچی ہو گئی ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی [۱]

ایک روایت میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ دو بہترین اشخاص حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ ہلاک ہوا چاہتے تھے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی آوازیں اونچی کرلیں جب آپؐ کے پاس بنو تمیم کے گھڑسواروں کی ایک جماعت آئی (اس کے بعد مذکورہ بالا واقعہ بیان کیا گیا ہے)[۲]

(۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا: "لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ" ہمارے بارے میں نازل ہوئی جب میری، جعفرؓ اور زیدؓ بن حارثہ کی آوازیں بلند ہو گئیں جب حضرت حمزہؓ کی صاحبزادی کو زیدؓ بن حارثہ مکہ سے لائے تو ہم اس کی بابت آپس میں تنازع کر رہے تھے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جعفرؓ کے حق میں فیصلہ فرمایا کیونکہ حضرت حمزہؓ کی صاحبزادی کی خالہ ان کے ہاں تھیں [۳]

(۳) منافقین بارگاہِ رسالت میں اونچی آواز میں بات کیا کرتے تھے تاکہ کمزور مسلمان بھی ان کی پیروی کرتے ہوئے اونچی آواز میں بولیں لہٰذا اس آیت مبارکہ میں اہلِ ایمان کو ایسا کرنے سے منع کر دیا گیا ۔

نزولِ آیت پر صحابہ کرامؓ کا ردِ عمل

اس آیت مبارکہ کے نازل ہونے کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ، جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار پیروکار تھے اور آپؐ سے والہانہ عقیدت و محبت رکھتے تھے ، اور بھی محتاط اور با ادب ہو گئے ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے بعد حضور کے سامنے اتنی دھیمی آواز میں بولتے کہ حضورؐ کو بات دوبارہ پوچھنا پڑتی تھی [۴] حضرت ابوبکر صدیق

۱۔ بخاری ، کتاب التفسیر ۔ ترمذی ، کتاب التفسیر ۔ ۲۔ بخاری ۔ ۳۔ القرطبی ۔ ۴۔ بخاری کتاب التفسیر ۔ ترمذی ، کتاب التفسیر ۔

Marfat.com

رضی اللہ عنہ نے حضورؐ سے عرض کیا، یارسول اللہ، بخدا! اب تو میں آپؐ سے اس طرح بات کیا کروں گا جس طرح کوئی سرگوشی کرتا ہے[1] حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ دربارِ رسالت کے خطیب تھے جس طرح حضرت حسانؓ بن ثابت دربار رسالت کے شاعر تھے۔ مخالفین کا مقابلہ شاعری میں حضرت حسانؓ فرمایا کرتے تھے اور خطابت میں حضرت ثابتؓ۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد کئی دن بارگاہِ رسالت میں حاضر نہ ہوئے تو ایک روز حضورؐ نے ان کی بابت صحابہؓ سے دریافت فرمایا کہ ثابتؓ نظر نہیں آرہے۔ اس پر ایک شخص نے عرض کیا، یارسول اللہ اس کی بابت میں آپؐ کو بتلاؤں گا، چنانچہ وہ حضرت ثابت کے گھر آئے۔ دیکھا کہ وہ سر جھکائے بیٹھے ہوتے ہیں۔ پوچھا کیا حال ہے؟ جواب دیا بُرا حال ہے، میں تو حضورؐ کی آواز پر اپنی آواز کو بلند کیا کرتا تھا، میرے سارے اعمال ضائع ہو گئے اور میں جہنمی بن گیا۔ یہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپؐ کو ثابتؓ کا سارا ماجرا سُنایا۔ پھر وہ حضورؐ کے فرمان سے زبردست بشارت لے کر حضرت ثابتؓ کے پاس دوبارہ گئے۔ حضورؐ نے فرمایا تھا کہ تم جاؤ اور اس سے کہو کہ تو جہنمی نہیں جنتی ہے[2]

آیت کی توضیح

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بے حد حلم و تحمل اور تواضع و انکسار سے کام لیتے تھے۔ آپؐ صحابہ کرام کی مجلس میں اپنے لیے کسی قسم کا امتیاز روا نہ فرماتے تھے اور نہ ہی کبھی آپؐ نے اپنے لیے یا اپنے اہلِ خانہ کے لیے کسی بھی معاملے میں کسی ترجیحی سلوک کی اجازت دی۔ آپؐ پورے عرب کے حکمران بن گئے تب بھی انتہائی فقر و فاقہ کی زندگی بسر فرماتے تھے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم بھی شمعِ نبوت کے پروانے تھے، حضورؐ سے والہانہ محبت رکھتے تھے۔ ۹ھ میں عرب کے بہت سے قبائل حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ ان میں سے بیشتر لوگ تہذیب اور شائستگی سے ناآشنا تھے۔ سورہ حجرات میں درحقیقت انہیں آدابِ رسالت کی تعلیم دی گئی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضورؐ کے مقرب ترین صحابہؓ میں سے تھے۔ آپؐ کے جاں نثار تھے۔ ان دونوں کی آواز کا بارگاہِ رسالت میں بلند ہو جانا محض ایک اتفاق ہو گا، یقیناً بے دھیانی میں ان کی آواز اونچی ہوئی۔ ان کے اس واقعے کے سبب یہ آیت نازل ہوئی لیکن مقصود غالباً عام اہلِ ایمان، بالخصوص حلقۂ اسلام میں نئے داخل ہونے والوں کو بارگاہِ رسالت کے آداب کی تعلیم دینا تھا، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[1] ابنِ کثیر، بحوالہ مسند بزار۔ [2] بخاری، کتاب التفسیر۔

Marfat.com

ماللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو واضح طور پر حکم دیا ہے کہ وہ نبی کریمؐ کی آواز سے اپنی آواز کو اس طرح بلند نہ کریں جس طرح وہ ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہوئے کرتے ہیں خود اللہ تبارک و تعالیٰ اہلِ ایمان کو حضورؐ کے ادب و احترام اور تعظیم کی ہدایت فرما رہے ہیں اور بارگاہِ رسالت میں سوءِ ادب سے منع فرما رہے ہیں۔ رسولِ اکرمؐ امام الانبیاء، سید المرسلین، خاتم النبیین، اور اللہ تعالیٰ کے حبیب ہیں۔ آپ کی شانِ اقدس میں ذرا سی نادانستہ گستاخی بھی اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے اور ذرا سی گستاخی سارے اعمال کی بربادی کا باعث بن سکتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو رحمۃ للعالمین ہیں، آپ نے صحابہؓ تو کیا کفار و مشرکین کے ساتھ بھی ہمیشہ انتہائی تحمل، تواضع اور انکسار سے کام لیا۔ آپؐ نے خود تو ذرا بھی ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا لیکن اللہ تعالیٰ کو حضورؐ کی شانِ اقدس میں یہ بھول گوارا نہیں ہوئی۔ اسی طرح ایک اور جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ

ترجمہ: تم رسولؐ کو ایسے نہ پکارو جیسے تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ (النور ۲۴: ۶۳)

علمائے کرام نے اس آیت سے یہ احکام و مسائل اخذ کیے ہیں:

(۱) حضورؐ کی توقیر و تعظیم ہر مسلمان پر لازم ہے اور حضورؐ کی شانِ اقدس میں ہر طرح کے سوءِ ادب سے بچنے کے لیے سخت احتیاط کرنی چاہیے۔

(۲) وصال کے بعد بھی حضورؐ کی تعظیم و توقیر اور عزت و احترام اسی طرح لازم ہے جیسے وصال سے قبل تھا۔ پس روضۂ مبارک پر حاضری کے وقت بھی مؤدب ہو کر نرم اور دھیما لہجہ اختیار کرنا چاہیے۔ ایک دفعہ امیر المومنین حضرت عمرؓ بن خطاب نے مسجدِ نبوی میں دو شخصوں کی اونچی آوازیں سنیں تو آپؓ ان کے پاس آئے اور ان سے فرمایا، تمہیں معلوم بھی ہے کہ تم کہاں ہو؟ پھر ان سے پوچھا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ انہوں نے بتایا، طائف کے رہنے والے ہیں۔ آپؓ نے فرمایا، اگر تم مدینہ کے ہوتے تو میں تمہیں پوری سزا دیتا۔[1]

(۳) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی احادیث مبارکہ پڑھی جائیں تب بھی ان آداب کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ حضورؐ کے کلام کی جیسی عظمت و رفعت آپؐ کے وصال سے پہلے تھی ویسی ہی وصال کے بعد ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝

(الاعراف ۷: ۲۰۴)

---

[1] ابن کثیر۔

Marfat.com

ترجمہ: "اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے دھیان سے سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔"

وحی الٰہی کی بابت یہ حکم الٰہی دائمی ہے۔ حضورؐ کا کلام بھی وحی الٰہی کی ہی ایک قسم ہے اور اس میں بھی ویسی ہی حکمت اور دانائی ہے جیسی قرآنِ حکیم میں ہے۔[۱]

(۴) حضورؐ کے خلفائے راشدین، علمائے حق اور اولوالامر کے ساتھ درجہ بدرجہ اسی ادب سے پیش آنا چاہیے تاکہ جماعتی نظام قائم رہے۔ فرقِ مراتب نہ کرنے سے بہت سے فتنوں اور فسادوں کا دروازہ کھلتا ہے۔[۲]

(۵) اپنے والدین، اساتذہ اور بزرگوں کے سامنے بھی اونچے لہجے میں یا چلّا کر نہیں بولنا چاہیے۔ اسلام اپنے سے بڑے کا ادب و احترام کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ حضورؐ کا فرمان ہے:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَلَمْ يَعْرِفْ شَرَفَ كَبِيْرِنَا[۳]

ترجمہ: "وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی عزت نہ پہچانے۔"

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ

یقیناً | جو | پست رکھتے ہیں وہ | آوازیں | ان کی | پاس | رسول | (اللہ کے)

یقیناً جو پست رکھتے ہیں اپنی آوازوں کو رسول اللہ کے پاس

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى

وہ | جو | جانچ لیا۔ خالص کر لیا | اللہ | دل | (ان کے) | لیے تقویٰ

وہی ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لیے جانچ لیا ہے

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۳﴾

لیے ان (کے) | بخشش | اور | اجر | بڑا

ان کے لیے بخشش اور بڑا اجر ہے

الفاظ کی تشریح

يَغُضُّوْنَ : وہ پست کرتے ہیں۔ غَضِّ بَصَر : نگاہ نیچی کرنا۔ غَضِّ صَوْت : آواز کو پست

[۱] القرطبی۔ [۲] تفسیر عثمانی۔ [۳] ترمذی، ابواب البر والصلہ، باب ماجاء فی رحمۃ الصبیان۔

Marfat.com

کرنا، آواز دھیمی کرنا۔

اِمْتَحَنَ: (۱) خالص کر لیا، کندن بنا دیا۔ (۲) مختص کر لیا۔ (۳) ہر برائی سے پاک کر دیا۔ (۴) ان کے دلوں سے خواہشات کو دور کر دیا۔ (۵) فراخ اور کشادہ کر دیا[1]

شانِ نزول

سورہ الحجرات کی دوسری آیت (لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ..... الآیۃ) کا شانِ نزول بتایا جا چکا ہے۔ یعنی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کا بارگاہِ رسالت میں باہم کلام کرتے ہوئے اپنی آوازوں کو بلند کرنا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ والی آیت نازل ہوئی تو حضرت عمرؓ حضورؐ کی بارگاہ میں اتنی پست اور دھیمی آواز سے بات کرنے لگے کہ حضورؐ کو ان کی بات سُنائی نہ دیتی اور آپ کو دوبارہ پوچھنا پڑتا، تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی: اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ... الآیۃ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت ثابتؓ بن قیس پر آیت لَا تَرْفَعُوْٓا... الآیۃ کا جو اثر ہوا تھا وہ بھی پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ ان نفوسِ قدسیہ، یعنی حضور اکرمؐ کے صحابہ کرامؓ نے حکمِ خداوندی کا جس تقویٰ کے ساتھ اثر لیا اور اس کی جس طرح اطاعت کی اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ ادا بہت پسند آئی۔ ان کے لیے یہ آیت نازل ہوئی۔

آیت کی توضیح

بعض عظیم المرتبت صحابہ کرامؓ سے بارگاہِ رسالت میں اپنی آوازوں کو اونچی کرنے کی نادانستہ طور پر بھول ہو گئی تھی جس پر اللہ تعالیٰ نے حکم نازل فرمایا کہ رسولِ کریمؐ کی آواز سے اپنی آوازوں کو اونچا نہ کرو اور حضورؐ کے ساتھ اس طرح زور سے نہ بولا کرو جس طرح تم ایک دوسرے کے ساتھ بولتے ہو۔ جاں نثار اور اطاعت شعار صحابہ کرامؓ نے اس حکمِ خداوندی کی تعمیل میں اپنی آوازوں کو اتنا پست کر لیا کہ ان کی بات اچھی طرح سنائی بھی نہ دیتی تھی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کو ان نفوسِ قدسیہ کا یہ اندازِ اطاعت بہت پسند آیا اور اپنی پسندیدگی کا اظہار فرماتے ہوئے تین انعامات کا اعلان فرمایا:

(۱) اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو نفسانی خواہشات سے پاک کر کے، ان کے دلوں سے ہر طرح کے میل اور خرابی کو دور کر کے ان کو تقویٰ کے لیے خالص اور کندن بنا دیا، صرف تقویٰ کے لیے مختص کر دیا، اور ان میں تقویٰ کے لیے وسعت اور کشادگی پیدا کر دی، تاکہ تقویٰ کے تمام

---

[1] القرطبی۔ یہ معانی بالترتیب ان حضرات کے ہیں: (۱) الفراء۔ (۲) الاخفش۔ (۳) حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ۔ (۴) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔ (۵) لغوی معنی از القرطبی۔

Marfat.com

تقاضوں کو وہ احسن و اکمل طریقے سے پورا کر سکیں - اب ان کے دلوں میں سوائے تقویٰ کے اور کچھ نہ تھا۔ کتنی بلند شان ہے سید المرسلینؐ کے عظیم صحابہ کرامؓ کی کہ خود اللہ تبارک و تعالیٰ ان کی بابت خود ارشاد فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو تقویٰ کے لیے خالص اور مختص کر لیا ہے!

(۲) ان کے لیے مغفرت ہے۔ یعنی صحابہ کرام سے نادانستہ طور پر جو بھول چوک ہوئی اللہ تعالیٰ نے اسے معاف فرما دیا۔ کتنے خوش نصیب تھے ہمارے یہ عظیم الشان اسلاف جن کی مغفرت کا اعلان اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کی زندگی ہی میں فرما دیا۔

(۳) ان کے لیے اجر عظیم کی بشارت سنائی گئی ہے۔ جس اجر کو اس ساری کائنات کا خالق و مالک عظیم بتا رہا ہے اس کی عظمت کا اندازہ کر لیجیے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ان تین انعامات سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس لیے نوازا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و تعظیم میں اپنی آوازوں کو پست رکھتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیر و تعظیم اور محبت ہر مسلمان پر لازم ہے اور جو مسلمان صدقِ دل سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ادب و احترام کرے گا اور آپؐ سے محبت و عقیدت رکھے گا اللہ تعالیٰ اس پر اپنا فضل و کرم فرمائے گا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ

یقیناً | جو | پکارتے ہیں وہ | تجھے | سے | ورے | حجرے

(اے نبیؐ!) یقیناً جو آپؐ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں

اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا

اکثر ان کے | نہیں عقل رکھتے وہ | اور اگر | کہ یقیناً وہ | صبر کیا انہوں نے

ان میں سے اکثر عقل نہیں رکھتے ہیں۔ اور اگر وہ صبر کرتے

حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ

یہاں تک کہ | تو باہر آئے | طرف اُن (کے) | ضرور ہوتا | بھلا | لیے اُن (کے)

حتیٰ کہ آپؐ ان کی طرف باہر تشریف لاتے تو ضرور یہ ان کے حق میں بہتر ہوتا

Marfat.com

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵﴾

اور اللہ بخشنے والا سدا رحم کرنے والا ہے

اور اللہ بخشنے والا ہے، ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔

الفاظ کی تشریح

یُنَادُوْنَ: وہ پکارتے ہیں۔ یُنَادِیْ وہ پکارتا ہے۔ نَادٰی اس نے پکارا۔

مِنْ وَّرَآءِ: پیچھے سے۔ دوسری طرف سے۔ باہر سے۔ وَرَاءٌ ہے مُوَاوَات سے، جس کا معنی ہے چھُپنا، اوجھل ہونا، پوشیدہ ہونا۔ جو چیز آپ کی آنکھوں سے اوجھل ہو گی چاہے وہ آگے ہو یا پیچھے اس کو وَرَاءَكَ کہیں گے۔

اَلْحُجُرَات: یہ جمع ہے حُجْرَۃٌ کی۔ ایک قول یہ ہے کہ حُجْرَۃ کی جمع حُجَرٌ ہے اور حُجُرَات جمع الجمع ہے۔ الحجرات میں جیم پر پیش، زبر اور سکون تینوں درست ہیں۔ حُجْرَہ محجورہ کے معنی میں ہے، زمین کا ایک ٹکڑا جس کے گرد دیوار کی اوٹ کر دی گئی ہو تاکہ ہر کوئی اس کے اندر نہ جا سکے، یعنی دوسروں کے لیے اس کے اندر بلا اجازت اندر جانا ممنوع ہو۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسجد نبوی سے ملحق چند چھوٹے چھوٹے کمرے بنوائے ہوئے تھے ان کو حجرات کہا گیا ہے۔ ان حجروں میں آپؐ کی ازواج مطہرات قیام پذیر تھیں۔ حضورؐ کی رہائش بھی انہیں حجروں میں تھی۔

شانِ نزول یہ دو آیات بنو تمیم کے بدوؤں کے بارے میں نازل ہوئیں۔ بنو تمیم کے بدوؤں کا ایک وفد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، وہ مسجد میں داخل ہوئے اور آپؐ کے حجرہ کے باہر سے آپؐ کا نام نامی لے کر آپؐ کو ندا دی کہ آپؐ باہر ان کے پاس آئیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت قیلولہ (دوپہر کا آرام) فرما رہے تھے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ہمارا تعریف کرنا عزت اور ہمارا مذمت کرنا ذلت ہے۔ حضورؐ نے جواب دیا یہ شان تو اللہ کی ہے (کہ جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کرے)۔ کہا جاتا ہے کہ جس شخص نے حضورؐ کو ندا دی اور "تعریف کرنا عزت۔۔" والی بات کی وہ اقرعؓ بن حابس تھے[1]۔

---

[1] القرطبی، ابن کثیر۔ نیز دیکھیے ترمذی۔

Marfat.com

حضرت زیدؓ بن ارقم روایت کرتے ہیں کہ کچھ لوگ (مقاتلؒ نے ان کی تعداد سترہ بتائی ہے اور اوران کے نام بھی بتائے ہیں اور یہ بنوتمیم سے تھے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے انہوں نے ایک دوسرے سے کہا، آؤ اس شخص (حضور اکرمؐ) کے پاس چلیں، اگر یہ نبی ہوا تو ہم اس کی اتباع کرکے سب لوگوں سے زیادہ خوش بخت ہوں گے اور اگر بادشاہ ہوا تو ہم اس کے زیرسایہ مزے سے زندگی بسر کریں گے۔ پس وہ آئے اور آپؐ کو آپؐ کے حجرے کے باہر سے آپؐ کا نام نامی لے کر پکارنے لگے تو ان کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں۔[1]

آیت کی توضیح

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ زندگی فقیرانہ تھا۔ آپؐ نے لوگوں سے کسی قسم کا کوئی حجاب روا نہ فرمایا تھا۔ لوگوں کے بیچ میں رہتے، ان کا تعلیم و تزکیہ فرماتے رہتے، دین اور ریاست سے متعلق ضروری امور سرانجام دیتے۔ آپؐ نے کوئی دربان نہیں رکھا ہوا تھا۔ ہر وقت لوگوں کے درمیان میں رہتے تھے، ان میں گھل مل کر، اپنے لیے بغیر کسی امتیاز کے۔ صرف نجی ضروریات کے لیے اپنے حجرے میں تشریف لے جاتے تھے۔ جب صورتِ واقعہ یہ تھی تو لوگوں پہ لازم تھا کہ جب حضورؐ کسی نجی ضروری کام کے سلسلے میں اپنے حجرے میں تشریف لے گئے ہوں تو وہ آپؐ کے باہر تشریف لانے کا انتظار کریں۔

عرب کے دیہاتی لوگ ایک تو غیر مہذب، گنوار اور اکھڑ تھے دوسرے اپنے آپ کو باقی سب سے زیادہ معزز اور افضل بھی سمجھتے تھے۔ برتری کا احساس ہر قبیلے میں تھا۔ یہی حال بنو تمیم کے ان دیہاتی لوگوں کا تھا، گنوار تھے اور نسب کی برتری کے گھمنڈ میں بھی مبتلا تھے۔ اس لیے انتظار کرنے کے بجائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی لے کر آپؐ کو اپنے پاس باہر آنے کے لیے ندا دینے لگے اور ساتھ ہی اپنی برتری کا بھی اعلان کر دیا۔ ان دو آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے انہیں آداب سکھائے ہیں کہ اس طرح حجرے کے باہر سے نہ پکارا کرو بلکہ باہر بیٹھ کر حضورؐ کے از خود باہر تشریف لانے کا انتظار کیا کریں۔ ان کے ندا دینے کو اللہ تعالیٰ نے بے عقلی اور ناسمجھی بتایا ہے۔ اس میں ایک طرف حضور اکرمؐ کے لیے تسلی کی بات ہے کہ آپؐ ان کی اس بے ادبی کو محسوس نہ فرمائیں یہ بے عقل لوگ ہیں، ایسی حرکت انہوں نے ناسمجھی اور بے عقلی کی وجہ سے کی ہے۔ دوسری طرف انہیں سرزنش کی گئی ہے کہ ان کی یہ حرکت بے عقلی ہے لہٰذا آئندہ ایسی حرکت نہ کریں۔ یہ لوگ اپنے تئیں بڑے معزز اور دوسروں سے افضل سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بے عقل کہہ کر ان کا سارا غرور اور گھمنڈ دور کر دیا۔

---

[1] ابن کثیر و القرطبی، بحوالہ ابن جریر۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے یہ فرما کر کہ اللہ غفور رحیم ہے۔ گویا بنو تمیم کے بدوؤں کو حکم دیا ہے کہ وہ معافی مانگیں تو اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ ان کو معاف کر دے گا۔ اس میں حضورؐ کے لیے بھی اشارہ ہے کہ اگر وہ معافی مانگیں تو آپؐ معاف فرما دیں۔ بنو تمیم کے یہ لوگ مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے۔

ان آیاتِ مبارکہ میں مسلمانوں کے لیے بھی معاشرتی آداب کی تعلیم موجود ہے کہ واجب الاحترام اور اپنے سے بڑے شخص سے ملنے اس کے گھر جانا ہو تو اس کے آرام کا خیال رکھنا چاہیے، یعنی بے وقت اس کے گھر نہیں جانا چاہیے، گھر کے باہر کھڑے ہو کر بے ادبی سے اس کا نام لے لے کر نہیں پکارنا چاہیے۔ اگر وہ محترم شخص عالم دین یا استاد ہو پھر تو بہت ہی احتیاط اور ادب سے کام لینا چاہیے۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ

اے | جو | ایمان لائے وہ | اگر | آیا تمہارے پاس | عہد شکن گنہگار۔ نافرمان | ساتھ خبر

اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر لائے

فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَهَالَةٍ

تو تحقیق کر لو | کہ | تم ضرر پہنچاؤ | قوم | ساتھ بے علمی

تو تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ تم بے علمی میں کسی قوم کو ضرر پہنچا بیٹھو

فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ﴿۶﴾

پھر تم ہو جاؤ | پر | جو | کیا تم نے | پچھتانے والے

پھر تم اپنے کیے پر پچھتانے لگو

الفاظ کی تشریح

فَاسِقٌ: (۱) جھوٹا۔ (۲) بہت جھوٹا، کذاب۔ (۳) علانیہ گناہ کرنے والا۔ (۴) جو اللہ سے حیا نہیں کرتا۔[1]

---

[1] القرطبی نے یہ معانی ان حوالوں سے دیے ہیں: (۱) حوالہ مذکور نہیں۔ (۲) ابن زید و مقاتل و سہل بن عبداللہ۔ (۳) ابوالحسن الوراق۔ (۴) ابن طاہر۔

Marfat.com

فَاسِقٌ اسم فاعل ہے، فَسَقَ فعل ماضی اور فِسْق اور فُسُوْق مصدر ہیں۔ اس کے مصدر کا معنی ہے چھلکے سے باہر نکل آنا، چوہے کا بِل سے باہر نکل آنا۔ فَسَقَ فُلَانٌ کا معنی ہے کہ فلاں شخص شریعت کی حدود سے باہر نکل گیا۔ اس نے نافرمانی کی۔ فَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ[1]، وہ اپنے رب کی اطاعت سے باہر نکل گیا۔

نَبَاٍ : عظیم فائدے والی خبر، جس سے علم یا غالب گمان حاصل ہو۔ جس خبر میں یہ تینوں چیزیں نہ ہوں اسے نبأ نہیں کہتے۔ نبأ کا جھوٹ سے پاک ہونا ضروری ہے۔ آیت میں نَبَاٍ سے مراد ہے بڑی عظیم اور اہمیت والی خبر[2]

تَبَيَّنُوْا : تحقیق کرلو۔ تَبَيَّنَ (لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے): واضح ہوا، واضح کیا، تحقیق کی۔

تُصِيْبُوْا : اصل میں تُصِيْبُوْنَ تھا، اَنْ کی وجہ سے تُصِيْبُوْا ہو گیا۔ اَصَابَ: اس نے پایا، اس نے جا لیا، آ پڑا، ٹوٹ پڑا، حملہ آور ہوا، نقصان یا ضرر پہنچایا، تُصِيْبُوْا تم ضرر پہنچاؤ۔

فَتُصْبِحُوْا : فَ پس۔ نتیجہ اور انجام کے لیے ہے۔ تُصْبِحُوْا اصل میں تُصْبِحُوْنَ تھا، تم ہو جاؤ۔ اَنْ تُصِيْبُوْا اصل میں لِئَلَّا (لِ اَنْ لَا) تُصِيْبُوْا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تم ضرر پہنچا بیٹھو۔

نٰدِمِيْنَ : جمع ہے نَادِم کی۔ نادم اسم فاعل ہے ندامت سے۔ ندامت کا معنی ہے پچھتاوا، کیے پر شرمندگی۔

شانِ نزول

اکثر مفسرینِ کرام کا قول ہے کہ یہ آیت ولید بن عقبہ بن ابی مُعیط کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں قبیلہ بنو مصطلق سے زکوٰۃ لینے کے لیے بھیجا تھا۔ حضرت حارث بن ضرار خزاعی رضی اللہ عنہ، جو ام المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے والد ہیں فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے مجھے اسلام کی دعوت دی، میں اسلام لے آیا، پھر آپ نے زکوٰۃ کی فرضیت بتائی، میں نے اس کا بھی اقرار کیا اور کہا کہ میں اپنی قوم کے پاس جاتا ہوں، ان میں سے جو ایمان لے آئیں اور زکوٰۃ ادا کریں گے میں ان سے زکوٰۃ لے کر جمع کروں گا۔ آپ اتنے دنوں کے بعد میری

---

[1] سورہ الکہف، ۱۸ : ۵۰۔ [2] المفردات

طرف کسی آدمی کو بھیج دیجیے میں جمع کی ہوئی زکوٰۃ اس کے حوالے کر دوں گا۔ حضرت حارثؓ نے واپس آکر ویسے ہی کیا جیسا کہ کہا تھا۔ جب وقت مقررہ گزر گیا اور حضورؐ کا قاصد نہ آیا تو انہوں نے اپنی قوم کے سرداروں کے ساتھ مشورہ کیا اور یہ طے پایا کہ وہ خود ہی مدینہ منورہ آکر مالِ زکوٰۃ حضورؐ کی خدمت میں پیش کر دیں، چنانچہ یہ لوگ چل پڑے۔ حضورؐ ولید بن عُقبہ کو بھیج چکے تھے مگر یہ ڈر کے مارے راستے سے ہی لوٹ آئے اور یہاں آکر کہہ دیا کہ حارثؓ نے زکوٰۃ بھی روک لی اور مجھے قتل بھی کرنا چاہتے تھے۔ حضور اکرمؐ ناراض ہوئے اور کچھ آدمی حارثؓ کو تنبیہہ کرنے کے لیے روانہ فرما دیے۔ مدینہ منورہ کے قریب راستے ہی میں حضورؐ کے بھیجے ہوئے دستے کو حضرت حارثؓ مل گئے۔ حضرت حارثؓ نے ان سے پوچھا کس کے پاس جا رہے ہو تو انہوں نے بتایا ہمیں تمہاری طرف بھیجا گیا ہے۔ پوچھا کس لیے؟ کہا اس لیے کہ تم نے حضورؐ کے قاصد کو نہ صرف مالِ زکوٰۃ ادا نہیں کیا بلکہ اس کے قتل کے درپے بھی ہو گئے۔ حضرت حارثؓ نے قسم کھا کر بتایا کہ انہوں نے ولید کو تو دیکھا بھی نہیں۔ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو حضورؐ سے بھی یہی بات کہی اور عرض کیا کہ آپؐ کا قاصد نہ پہنچنے پر میں اس خوف سے خود چلا آیا کہ کہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ مجھ سے ناراض نہ ہو گئے ہوں۔ اور اسی وجہ سے قاصد نہ بھیجا ہو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

دوسری روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ولید بن عُقبہ نے واپس آکر یہ بھی کہا تھا کہ وہ لوگ مُرتد ہو گئے ہیں اور آپؐ سے لڑنے کے لیے انہوں نے لشکر جمع کر لیا ہے۔ حضورؐ نے حضرت خالدؓ بن ولید کی قیادت میں ایک دستہ ان کی طرف روانہ فرمایا لیکن انہیں یہ ہدایت فرمائی کہ پہلے خوب تحقیق کر لینا، حملہ کرنے میں جلدی نہ کرنا۔ چنانچہ حضرت خالدؓ نے حضورؐ کی ہدایات پر عمل کرتے ہوتے وہاں پہنچ کر اپنے جاسوس شہر میں بھیجے۔ انہوں نے آکر خبر دی کہ وہ لوگ اسلام پر قائم ہیں، ہم نے اپنے کانوں سے مسجد میں اذانیں سنیں اور لوگوں کو نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ اگلی صبح حضرت خالدؓ خود گئے اور جاسوسوں کی خبر کی تصدیق ہو گئی۔ واپس آکر حضورؐ کو ساری خبر دی تو اس پر یہ آیت اتری[۱]۔ ایک روایت میں یہ بتایا گیا ہے کہ ولید بن عُقبہ اور بنو مصطلق میں پہلے سے عداوت تھی[۲]۔

آیت کی توضیح اس آیت مبارکہ میں مسلمانوں کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ اگر کوئی فاسق شخص کوئی ایسی خبر لائے جس کی کچھ قدر و اہمیت ہو تو اس کو سچا مان کر کوئی عملی اقدام کرنے سے پہلے اس کی اچھی طرح تحقیق اور چھان پھٹک کر لیا کرو، ایسا نہ ہو کہ تم بغیر

---

[۱] ابن کثیر نے یہ روایات مسند احمد کے حوالے سے دی ہیں۔ [۲] القرطبی۔

Marfat.com

تحقیق کیے جلد بازی میں کوئی عمل اس کے مطابق کر بیٹھو بعد میں پتا چلے کہ خبر جھوٹ تھی پھر شرمندگی اور پچھتاوا ہو۔ ایک فاسق شخص (یعنی جس کی بابت عام شہرت یہ ہو کہ وہ جھوٹا ہے، بدکردار ہے، بداعمال ہے، علانیہ گناہ یا گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے، اللہ کی نافرمانی کرتا ہے) سے کچھ بعید نہیں کہ وہ کسی معمولی فائدے کے لیے بے پر کی اڑا دے۔ لہٰذا اسے فوراً قبول نہیں کر لینا چاہیے۔ جلد بازی تو کسی بھی کام میں نہیں کرنی چاہیے۔ ہر کام سوچ سمجھ کر کرنا چاہیے۔ حضور اکرمؐ کا ارشاد ہے:

اَلتَّانِیْ مِنَ اللّٰہِ وَالْعُجْلَۃُ مِنَ الشَّیْطَانِ

ترجمہ: سوچ سمجھ کر کام کرنا اللہ کی توفیق سے ہے اور جلدبازی شیطان کی طرف سے ہے۔

جھوٹی خبر پر فوراً یقین کر کے اور اشتعال میں آ کر اس سلسلے میں جلدی سے کوئی عملی قدم اٹھانا بعض اوقات انفرادی اور اجتماعی سطح پر زبردست تباہی و بربادی کا باعث بن جاتا ہے۔ معاشرے میں افراد، خاندانوں، قبیلوں، جماعتوں اور قوموں کے باہمی خوشگوار تعلقات کو برقرار رکھنے کے لیے نہایت ضروری ہے کہ افواہوں اور جھوٹی خبروں پر بلاتحقیق یقین نہ کیا جائے اور نہ ہی یہ درست ہے کہ ایسی خبر سنتے ہی مشتعل ہو کر کوئی اقدام کیا جائے، کیونکہ ایسا کرنے سے بسا اوقات ایسا نقصان ہو جاتا ہے جس کی کبھی تلافی نہیں ہو سکتی اور آدمی ساری زندگی دکھ اور رنج کے ساتھ کفِ افسوس ملتا رہتا ہے کہ کاش میں نے ایسا نہ کیا ہوتا۔

اس آیت سے علمائے کرام نے درج ذیل مسائل اخذ کیے ہیں۔

(۱) فاسق کی خبر کی خوب تحقیق کرنا واجب ہے اور جب تک حقیقت حال اچھی طرح آشکارا اور واضح نہ ہو جائے اسے قبول کرنا ممنوع ہے۔

(۲) جن امور کا تعلق حقوق العباد سے ہے ان میں فاسق کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

(۳) اگر وہ کوئی حدیث روایت کرے تو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

(۴) کسی شرعی حکم اور کسی انسان کے حق کو ثابت کرنے کے لیے اس کی خبر کو قبول نہیں کیا جائے گا۔[1]

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِیْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ

اور جان لو	کہ یقیناً	فی (میں) کم (تم)	رسول	اللہ (کا)

اور جان لو کہ یقیناً تم میں رسول اللہ ہیں

---

[1] ابوبکر الجصاص، احکام القرآن۔ القرطبی

Marfat.com

لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ

اگر وہ اطاعت کرے تمہاری میں بہت سے امر ل دمزور مشقت میں پڑ گئے تم

اگر آپؐ بہت کاموں میں تمہاری بات مان لیا کریں تو تم مشقت میں پڑ جاؤ

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ

اور لیکن اللہ پیارا کر دیا طرف تمہارے ایمان اور آراستہ کیا اس کو میں دل تمہارے

لیکن اللہ نے محبوب بنا دیا ہے تمہارے نزدیک ایمان کو اور اسے آراستہ کر دیا ہے تمہارے دلوں میں

وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۚ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۙ ﴿٧﴾

اور قابل نفرت بنایا طرف تمہارے کفر اور فسق اور نافرمانی وہ وہ ثابت قدم راست رَو

اور قابل نفرت بنا دیا ہے تمہارے نزدیک کفر اور فسق اور نافرمانی کو یہی لوگ راہِ حق پر ثابت قدم ہیں

فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٨﴾

فضل سے اللہ اور نعمت اور اللہ جاننے والا حکمت والا

اللہ کی طرف سے فضل اور نعمت کی بدولت اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے

الفاظ کی تشریح

يُطِيعُ : اطاعت کرتا ہے۔ اس آیت میں اطاعت سے مراد ہے حضورؐ کا ان اُمور کے فیصلہ کی بابت صحابہ کرامؓ سے مشورہ کرنا اور ان سے مشورہ سننا اور قبول کرنا جو وہ آپؐ تک پہنچاتے ہیں اور جن کا تعلق لوگوں سے ہے۔ (القرطبی)

لَعَنِتُّمْ : ل تاکید کے لیے ہے۔ عَنِتُّمْ تم تنگی میں پڑ گئے۔ مشقت میں پڑ گئے تم نے گناہ کمایا۔

الْفُسُوْقُ : ہر وہ قول و فعل جو اطاعت سے خارج ہو۔ جھوٹ۔ نافرمانی۔ گناہ۔ حد شکنی۔ (اس کی تشریح پہلے گزر چکی ہے)۔

الرّٰشِدُوْنَ : جمع ہے الرّاشد کی۔ ثابت قدمی سے سیدھی راہ پر چلنے والے۔ راشد میں راست روی کے ساتھ ساتھ اس پر پختہ رہنے کا مفہوم بھی شامل ہے۔ اس کی اصل

Marfat.com

کشادہ ہے جس کا معنی ہے چٹان۔

شانِ نزول

ولید بن عُقبہ نے جب بنو مصطلق کے بارے میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر یہ جھوٹی خبر دی کہ انہوں نے حضورؐ کے قاصد (ولید بن عُقبہ) کو نہ صرف جمع کردہ مالِ زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے بلکہ وہ اسے قتل بھی کرنا چاہتے تھے اور وہ بمشکل جان بچا کر مدینہ پہنچا ہے۔ اس پر بعض اہلِ ایمان حمیتِ دینی کی وجہ سے مشتعل ہو گئے اور فوراً بنو مصطلق پر لشکر کشی کرنے کے مشورے دینے لگے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہایت احتیاط و حکمت سے کام لیتے ہوئے بنو مصطلق کی تنبیہہ کے لیے ایک دستہ روانہ فرمایا لیکن اسے سخت تاکید فرمائی کہ پہلے حقیقتِ حال معلوم کرنا، اچھی طرح تحقیق کرنا اور جلدی میں کوئی اقدام نہ کرنا۔ حضور اکرمؐ کے اس فیصلہ میں بہت سی مصلحتیں اور حکمتیں کارفرما تھیں جن سے اہلِ ایمان واقف نہ تھے۔ تاہم آپؐ کا یہ فیصلہ ان صحابہ کرامؓ کے دینی جوش و خروش سے ہم آہنگ نہ تھا۔ ان کی تربیت کے لیے یہ آیت نازل ہوئی۔

آیت کی توضیح

اس آیت مبارکہ میں درج ذیل اہم نکات بیان کیے گئے ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو متنبہ فرمایا ہے کہ یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھو کہ تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ رسولؐ موجود ہے۔ حضور اکرمؐ کی موجودگی کا احساس دلانے سے مقصود ایک تو یہ ہے کہ اگر تم من گھڑت خبر دو گے، جھوٹ بولو گے تو اس کی حقیقتِ حال ظاہر ہوتے بغیر نہیں رہ سکتی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم میں موجود ہیں۔ دوسرے یہ کہ حضورؐ تم میں موجود ہیں اور آپؐ تمہارے مفادات و مصالح کو بہتر جانتے ہیں، لہٰذا تمام امور کے فیصلے آپؐ پر چھوڑنے چاہئیں، اپنے مشوروں پر عمل کے لیے اصرار نہ کرنا چاہیے۔

(۲) اگر رسول اکرمؐ بیشتر معاملات میں تمہارے مشورے ماننے لگیں تو اس سے تم مشقت اور تنگی میں پڑ جاؤ گے۔ ایک تو ہر شخص کی اپنی الگ رائے ہو گی، تو کس کی رائے مانی جائے اور کس کی نہ مانی جائے۔ اس طرح تو یکجہتی ختم ہو کے رہ جائے گی اور اس کی جگہ افتراق و انتشار لے لے گا۔

دوسرے یہ موقف ہی غلط ہے کہ دین کو اپنی خواہشات کے تابع کیا جائے، صحیح موقف یہ ہے کہ خواہشات کو دین کے تابع کیا جائے۔ دین کو لوگوں کی خواہشات کے تابع کرنے کا نتیجہ یہ ہو گا کہ فتنہ و فساد پھیل جائے گا۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ

(المؤمنون، ۲۳: ۷۱)۔

ترجمہ: "اور اگر سچا رب ان کی خواہشات پر چلے تو آسمان اور زمین اور جو کوئی ان میں ہے سب خراب ہو جائیں۔"

پھر یہ بھی ذہن میں رہے کہ رسول اکرمؐ کو تو مومنوں کا مفاد [illegible]

Marfat.com

عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ○

(التوبہ ۹: ۱۲۸)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گراں گزرتی ہے جو تم کو تکلیف پہنچتی ہے آپؐ تمہاری بھلائی کے بے حد خواہاں ہیں اور ایمان والوں پر نہایت شفیق اور مہربان ہیں۔"

رسولِ کریمؐ اہلِ ایمان پر خود ان کے اپنے نفسوں سے بھی زیادہ مہربان ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ (الاحزاب ۳۳: ۶)

ترجمہ: "نبیؐ کو مومنین سے ان کی جانوں سے بھی زیادہ لگاؤ ہے۔"

آخری بات یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس بصیرت و حکمت کے مالک ہیں تمام اہلِ ایمان کی بصیرت و حکمت مل کر بھی حضورؐ کی بصیرت و حکمت کے مقابلے میں کچھ بھی وزن یا حیثیت نہیں رکھتی۔ تو جب حضورؐ کی مومنین کے لیے خیر خواہی کا یہ عالم ہے جو اوپر بیان ہوا اور آپؐ کی بصیرت و حکمت کا یہ مرتبہ ہے تو پھر اہلِ ایمان پر لازم آتا ہے، ان کے اپنے دینی و دنیوی مفاد میں کہ صرف حضور اکرمؐ کی اطاعت و اتباع کریں اور یہ خواہش ہرگز نہ رکھیں کہ حضورؐ ان کے مشوروں پر عمل کریں۔ ان کے اپنے حق میں یہی بہتر ہے ورنہ وہ مصیبت میں پھنس جائیں گے۔

(۳) بعض صحابہ کرامؓ نے ولید بن عقبہ کے من گھڑت قصّے کو سُن کر بنو مصطلق کے خلاف جس جوش و جذبے کا اظہار کیا تھا اس کا موجب کوئی دنیوی مفاد یا ذاتی غرض نہ تھی بلکہ صرف دینی حمیت و غیرت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت و عقیدت تھی۔ ان سے یہ برداشت نہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کے ساتھ بدسلوکی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کے ایمان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے نزدیک ایمان کو محبوب بنا دیا ہے اور ان کے دلوں میں ایمان کو کھبا دیا ہے نیز کفر، گناہ اور نافرمانی کو ان کے نزدیک قابلِ نفرت بنا دیا ہے۔ اور یہی لوگ ہیں جو ثابت قدمی کے ساتھ راہِ حق پر قائم ہیں۔ کوئی چیز انہیں راہِ حق سے ہٹا نہیں سکتی کیونکہ وہ طبعاً ہی بُرائی سے گریزاں اور نیکی کے خواہاں ہیں۔ انہیں ایمان سے محبت ہے اور ایمان کے حُسن پر دہ فریفتہ ہیں اور کفر اور بدی سے انہیں نفرت ہے۔ ان کے پائے ثبات میں کبھی لغزش نہیں آسکتی۔ حضور اکرمؐ کے صحابہ کرامؓ میں یہ سب خوبیاں اللہ تعالیٰ کے فضل اور احسان کی وجہ سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان خوبیوں کے لیے منتخب کر لیا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ نفوسِ قدسیہ اس فضل و احسان کے مستحق ہیں اور ان پر یہ فضل و احسان کرنے میں اس کی بڑی حکمت کارفرما ہے کہ وہ حکمت والا ہے۔ ایمان اور نیکی سے ان کی محبت اور کفر اور بدی سے ان کی نفرت سے ان کی جو اعلیٰ سیرت تشکیل پائے گی اس اعلیٰ سیرت کی بدولت اللہ کا دین اشاعت پائے گا کیونکہ دین مبلغ کے اعلیٰ کردار سے پھیلتا

Marfat.com

ہے زبانی وعظ و نصیحت سے نہیں۔

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا ۚ

اور اگر دو گروہ سے ایمان والے باہم لڑے وہ تو صلح کرادو درمیان ان دو (کے)

اور اگر اہل ایمان کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرادو

فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى

تو اگر زیادتی کی ایک اُن دو (سے) اوپر دوسری

تو اگر زیادتی کرے ایک گروہ دوسرے پر

فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰى تَفِیْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ

تو جنگ کرو جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ لوٹ آئے وہ طرف حکم اللہ (کے)

تو تم سب لڑو اس سے جو زیادتی کرتا ہے حتیٰ کہ وہ لوٹ آئے اللہ کے حکم کی طرف،

فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ

تو اگر لوٹ آئے تو صلح کرادو درمیان ان دو (کے) ساتھ انصاف

پس اگر وہ لوٹ آئے تو ان دونوں کے درمیان انصاف سے صلح کرادو

وَاَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ۞ ٩

اور انصاف کرو یقیناً اللہ پسند کرتا ہے وہ انصاف کرنے والے

اور انصاف کرو یقیناً اللہ پسند کرتا ہے انصاف کرنے والوں کو

الفاظ کی تشریح

طَآئِفَتٰنِ : یہ تثنیہ (دو کا صیغہ) ہے۔ اس کا واحد، طَآئِفَةٌ ہے اور جمع طَوَآئِفُ ہے۔ طَآئِفَةٌ مِّنَ الشَّیْءِ، چیز کا ٹکڑا، جزو۔ طَآئِفَةٌ مِّنَ النَّاسِ، جماعت ٹولی، گروہ۔ یہ لفظ فردِ واحد اور اس سے زیادہ (یعنی دو، تین ...) کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

Marfat.com

اِقْتَتَلُوْا: وہ آپس میں لڑے۔ اس کا فاعل طائفتان (دو جماعتیں) ہے معنی کے لحاظ سے جمع مذکر غائب کا صیغہ لایا گیا ہے۔

فَاَصْلِحُوْا: فَ پس۔ اَصْلِحُوْا صلح کراؤ۔ سنوارو۔ اصلاح کرو۔

بَغَتْ: یہ واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے۔ بَغٰی واحد مذکر غائب۔ بَغْیٌ مصدر ہے، معنی ہے زیادتی کرنا، سرکشی کرنا، بغاوت کرنا، چڑھائی کرنا۔ اس کا اصل معنی ہے بغیر حق کے برتری چاہنا۔ تَبْغِیْ وہ زیادتی کرتی ہے۔

تَفِیْءَ: واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے فعل مضارع کا۔ اصل میں تَفِیْءُ تھا، حتّٰی کی وجہ سے تَفِیْءَ ہوا: وہ (مؤنث) لوٹے، باز آئے، پلٹ آئے، رجوع کرے۔ فَاءَ وہ لوٹا۔

اَقْسِطُوْا: انصاف کرو۔ مُقْسِطٌ انصاف کرنے والا۔ مُقْسِطِیْنَ انصاف کرنے والے۔

شانِ نزول اس آیتِ مبارکہ کے شانِ نزول کی بابت متعدد واقعات روایت کیے گئے ہیں:

(۱) حضرت انسؓ بن مالک نے حضورؐ سے عرض کیا، یا رسول اللہ، اچھا ہو اگر آپؐ عبداللہ بن اُبی کے ہاں تشریف لے جاتے، چنانچہ گدھے پر سوار ہوئے اور صحابہ کرامؓ کے ہمراہ اُدھر کو تشریف لے گئے۔ زمین شور تھی۔ جب حضورؐ وہاں پہنچے تو عبداللہ بن اُبی نے حضورؐ سے کہا، مجھ سے دُور رہیے، اللہ کی قسم آپؐ کے گدھے کی بدبو نے مجھے بہت کوفت پہنچائی ہے۔ اس پر ایک انصاری نے کہا، اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گدھے کی خوشبو تیری بُو سے کہیں اچھی ہے۔ اس پر دونوں (یعنی عبداللہ بن اُبی اور رسولِ اکرمؐ) کے کچھ حامی ایک دوسرے سے بول پڑے اور معاملہ بڑھنے لگا بلکہ ہاتھا پائی بھی ہو گئی تو ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی[1]

(۲) عمران نامی ایک غیر انصاری آدمی تھے، ان کی زوجہ انصار سے تھیں اور ان کا نام اُمّ زید تھا۔ اس نے اپنے میکے جانا چاہا، خاوند نے روکا بلکہ یہ بھی کہا کہ میکے کا کوئی شخص یہاں بھی نہ آئے۔ اس نے اسے بالاخانے میں بند کر دیا۔ بیوی نے اپنے میکے کو اس کی خبر کہلوا بھیجی، وہ لوگ آئے اور اسے بالاخانے سے نیچے اُتار لائے تاکہ ساتھ لے جائیں۔ شوہر نے اپنے خاندان والوں سے مدد مانگی پس اس کے چچازاد اس کی مدد کے لیے نکل آئے اور فریقین میں کھینچ تان ہونے لگی ان کے بارے میں یہ آیت اُتری۔ حضور اکرمؐ نے دونوں طرف سے کچھ آدمی بلوا کر ان میں صلح کرا دی[2]

---

[1] ابن کثیر، بحوالہ مسند احمد۔ [2] القرطبی۔ ابن کثیر۔

Marfat.com

(۳) حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ اوس اور خزرج کے دو قبیلوں میں لڑائی ہو گئی تھی ان میں صلح کرانے کا اس آیت میں حکم نازل ہوا ہے[1]

(۴) حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت انصار کے دو آدمیوں کے بارے میں اتری۔ ان دونوں کے درمیان کسی حق پر اختلاف تھا۔ ایک نے کہا، میں زورِ بازو سے اپنا حق لے لوں گا۔ یہ بات اُس نے اِس بنا پر کہی کہ اس کا خاندان بڑا تھا۔ دوسرے نے اس سے کہا کہ آؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلتے ہیں اور آپؐ سے فیصلہ کرا لیتے ہیں۔ اس نے انکار کر دیا۔ دونوں میں تنازعہ چلتا رہا حتیٰ کہ ایک دن وہ الجھ پڑے اور ہاتھوں، جوتوں اور تلواروں کا استعمال ہوا۔ تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی[2]

(۵) یہ آیت سمیر و حاطب کی جنگ کے بارے میں نازل ہوئی۔ سمیر نے حاطب کو قتل کر دیا تھا، اوس اور خزرج آپس میں لڑ پڑے، یہاں تک کہ ان کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور اہلِ ایمان کو حکم دیا کہ وہ ان دو قبیلوں کے درمیان صلح کرا دیں[3]

آیت کی توضیح

اللہ تعالیٰ اور رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام اہلِ ایمان کو دینی اخوت کے رشتے میں منسلک کیا ہے، ایک دوسرے کے ساتھ پیار محبت کے ساتھ رہنے کی تعلیم دی ہے، باہم لڑنے جھگڑنے سے منع کیا ہے، سیاست، معیشت اور معاشرت کی بابت ایسے احکام دیے ہیں جو باہم خلوص و محبت، ایثار اور ہمدردی کے ساتھ مل جل کر رہنے کے لیے ماحول کو سازگار بناتے ہیں اور اچھا، پُرسکون اور پُرامن معاشرہ تشکیل دینے میں معاون ہیں اور ایسے تمام کاموں سے منع کیا ہے جو آپس میں شکر رنجی، نفرت، بُغض اور کدورت کا باعث بنیں۔ اس سارے اہتمام کے بعد بھی اس امر کا امکان رہتا ہے کہ اہلِ ایمان کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں۔ غلط فہمی، مفاد پرستی، قبیلہ، برادری وغیرہ کا تعصب وغیرہ بہت سی وجوہات میں سے کسی بھی وجہ سے لڑائی ہو سکتی ہے۔ اس امکان کو ختم کرنا محال ہے۔ تاہم اگر کبھی ایسی صورت حال پیدا ہو جائے تو اس کو کنٹرول کیا جا سکتا ہے تاکہ یہ لڑائی بڑھ کر پھیل نہ جائے اور زیادہ نقصان کا باعث نہ بنے۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اہلِ ایمان کو چند احکام صادر فرمائے ہیں:

اگر مومنین میں سے دو گروہ باہم لڑ پڑیں تو باقی اہلِ ایمان کے لیے حکم ہے کہ وہ ان میں صلح

---

[1] ابن کثیر۔ [2] القرطبی۔ [3] القرطبی۔

Marfat.com

کرائیں۔ اگر تمام اہلِ ایمان نے ان کی لڑائی کی بابت لاتعلقی، بے حسی اور تماشائی کا رویہ اختیار کیا تو سب گنہگار ہوں گے۔ اہلِ ایمان ایک دوسرے کے خیر خواہ ہوتے ہیں، ایک دوسرے کے بھائی ہیں وہ ایک دوسرے سے ایسی بے حسی کیونکر اختیار کر سکتے ہیں۔ لہٰذا انہیں چاہیے کہ وہ ان دونوں میں صلح کرا دیں۔ اوّل تو مقامی سطح پر لوگ ہی ان میں صلح کرا دیں ورنہ پھر حکومت ان کے درمیان صلح کرائے۔

(۲) اگر صلح کی کوششیں کامیاب نہ ہوں تو پھر یہ دیکھنا چاہیے کہ زیادتی کس کی طرف سے ہے (کون صلح سے گریزاں ہے)۔ ظالم گروہ کے خلاف مظلوم کی مدد کرنی چاہیے تا آنکہ ظالم صلح پر آمادہ ہو جائے۔ غیر جانبداری کا رویہ اپنانے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے کیونکہ ایسی صورت میں غیر جانبداری کا مطلب ظلم و ستم کو فروغ دینا ہے۔ اور اگر آج چھوٹی سطح پر ظلم و ستم کو روا رکھا گیا تو اس کا دائرہ پھیلتے پھیلتے کل کو پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا اور جب پورے معاشرے میں ظلم کا دور دورہ ہو جائے تو وہ معاشرہ جلد ہی صفحۂ ہستی سے مٹ جاتا ہے۔ مظلوم کی مدد نہ کرنا ظالم کی بھی حمایت نہیں بلکہ اس سے دشمنی ہے۔ اگر ظالم کا ہاتھ نہ روکا جائے تو وہ مزید مظالم ڈھائے گا اور اس سے اس کی دنیا اور آخرت دونوں ہی خراب ہو جائیں گی۔ حضور اکرمؐ کا ارشاد ہے تو اپنے بھائی کی مدد کر خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ عرض کیا مظلوم کی مدد تو کریں لیکن ظالم کی مدد کیسے کریں؟ فرمایا ظالم کا ہاتھ روک کر۔

(۳) عدل و انصاف کے ساتھ صلح کرائی جائے۔ غیر منصفانہ شرائط پر کرائی جانے والی صلح دیرپا نہیں ہوتی، یہ حقیقت میں صلح ہی نہیں ہوتی جبر اور زبردستی ہوتی ہے، ایسی صلح اپنے اندر فتنہ و فساد کی چنگاریاں لیے ہوتی ہے جو موقع ملتے ہی مشتعل ہو جاتی ہیں۔ صلح میں جس فریق کے ساتھ بے انصافی کی گئی ہوگی وہ مناسب موقع کے انتظار اور جستجو میں رہے گا، جونہی اسے موقع ملا وہ اس بے انصافی کا انتقام لینے کے لیے قتل و غارت پر اتر آئے گا، لہٰذا حکم دیا گیا ہے کہ عدل و انصاف کے ساتھ صلح کراؤ۔

(۴) اگر کوئی گروہ حکومت کے خلاف بغاوت کر دے، حکومت کا تختہ الٹنا چاہے اور وہ کافی جمعیت اور قوت رکھتا ہو تو اہلِ ایمان کا فرض ہے کہ اس کی بغاوت کو فرو کرنے میں حکومت کی مدد کریں۔ تاہم باغی گروہ کے خلاف لڑائی شروع کرنے سے پہلے انہیں سمجھا کر امن و صلح پر آمادہ کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر وہ نہ مانیں تو ان کے ساتھ اس وقت تک لڑائی کی جائے جب تک وہ ہتھیار نہ ڈال دیں۔ وہ جب ہار کر ہتھیار پھینک دیں تو ان کے زخمیوں کو جان سے نہ مارا جائے۔ ان کے قیدیوں کو قتل نہ کیا جائے۔ میدانِ جنگ سے بھاگنے والوں

Marfat.com

کا تعاقب نہ کیا جائے۔ اگر لوگ بغاوت کا قلع قمع کرنے میں حکومت کی مدد نہیں کریں گے تو ملک کا وجود خطرے میں پڑ جائے گا، قتل و غارت گری عام ہو جائے گی، سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا، امن و امان ختم ہو جائے گا، کسی شخص کی جان، مال اور آبرو محفوظ نہ رہے گی اور چاروں طرف فتنہ و فساد پھیل جائے گا۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ ۚ

یقیناً	ایمان والے	بھائی	پس صلح کراؤ	درمیان دو بھائی تمہارے

یقیناً مومن تو بھائی بھائی ہیں پس اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرا دو

وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿١٠﴾ ع ١٠/١٣

اور تقویٰ رکھو اللہ (سے)	تاکہ تم	رحم کیا جائے تم پر

اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے

الفاظ کی تشریح

إِخْوَةٌ: جمع ہے أَخٌ (بھائی) کی۔ أَخَوَيْنِ دو بھائی۔ أَخَوَيْكُمْ تمہارے دو بھائی۔
اِتَّقُوْا: ڈرو۔ تقویٰ رکھو۔ اِتَّقِ تُو ڈر۔ اِتَّقٰی وہ ڈرا۔

آیت کی توضیح

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے درج ذیل اہم باتیں بیان فرمائی ہیں:

۱۔ تمام اہلِ ایمان بھائی بھائی ہیں اللہ تعالیٰ نے تمام مومنین کو بھائی بھائی قرار دیا ہے۔ یہ اُخوت دین کی رُو سے ہے اور دینی اخوت خون کی (نسبی) اخوت سے زیادہ مضبوط اور طاقتور ہے۔ اگر نسبی بھائی اسلام چھوڑ کر کوئی اور دین اختیار کر لے تو اس کے ساتھ تعلق منقطع ہو جاتا ہے۔ غزوات میں باپ بیٹا نے ایک دوسرے سے قتال کیا۔ نسبی بھائیوں نے ایک دوسرے سے قتال کیا۔ لہٰذا دینی اخوت کو نسبی اخوت پر برتری حاصل ہے۔ دینی اخوت پر کوئی اور تعلق یا عصبیت غالب نہیں آنی چاہیے، تمام تعلقات اور عصبیتوں پر دینی تعلق کو حاوی

Marfat.com

اور بالادست رہنا چاہیے۔ ذات برادری کی، قبائلی، فرقہ وارانہ، جماعتی، قومی، لسانی، وطنی ہر طرح کی عصبیت پر دینی عصبیت غالب رہنی چاہیے۔ دوسرے مسلمانوں کے مقابلے میں اپنے ہم زبان، ہم فرقہ یا ہم جماعت (کسی ایک سیاسی یا مذہبی جماعت سے تعلق رکھنے والے) سے ترجیحی سلوک کرنا اسلامی اخوت کے نظریہ کے منافی ہے اور ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔

اہلِ ایمان بھائی بھائی ہیں۔ ان بھائیوں کا آپس میں کیسا تعلق ہونا چاہیے اس کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ میں پوری وضاحت ملتی ہے۔ حضور اکرمؐ کا ارشادِ گرامی ہے:

(۱) "اہلِ ایمان کی باہم محبت، رحم، شفقت میں ایسی مثال ہے جیسے جسم کہ جب اس کا کوئی عضو بیماری میں مبتلا ہوتا ہے تو باقی ماندہ پورا جسم بے خوابی اور بخار کے ساتھ اس کی مدد کو آتا ہے"[1] (یعنی جب تک وہ عضو تکلیف میں رہتا ہے باقی سارا جسم بے چین رہتا ہے، اس کی تکلیف محسوس کرتا ہے، اس کے لیے جاگتا ہے اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے)۔

(۲) "مومن، مومن کے لیے عمارت کے مانند ہے کہ جس کا ایک حصہ دوسرے کو مضبوط کرتا ہے۔ پھر آپؐ نے اپنے دستِ مبارک کی انگلیوں کو باہم پھنسا کر دکھایا"[2] (کہ اہلِ ایمان اس طرح ایک دوسرے سے متعلق اور وابستہ ہوتے ہیں، یعنی اتحاد و اتفاق کے ساتھ مل جل کر رہتے ہیں، ایک دوسرے کو تقویت پہنچاتے ہیں اور ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہیں)۔

(۳) "مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، وہ اس پر ظلم نہیں کرتا اور نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے۔ جو اپنے بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگا رہتا ہے اللہ اس کی حاجت روائی کرتا رہتا ہے، اور جو کوئی کسی مسلمان کی ایک تکلیف دور کرے اللہ اس کے عوض قیامت کے دن کی تکالیف میں سے اس کی ایک تکلیف دور کر دے گا اور جو مسلمان کی عیب پوشی کرے اللہ اس کی عیب پوشی کرے گا قیامت کے دن"[3]

ایک حدیث میں آپؐ کا ارشاد ان الفاظ میں ہے: "جو کسی مومن کی دنیا کی تکالیف میں سے ایک تکلیف دور کرے گا اللہ روزِ قیامت کی تکلیفوں میں سے اس کی ایک تکلیف دور کرے گا اور جو کسی تنگدست کو آسانی مہیا کرے گا اللہ اسے آسانی مہیا کرے گا دنیا اور آخرت میں۔ اور جو کسی مسلمان کی عیب پوشی کرے گا اللہ اس کی عیب پوشی کرے گا دنیا اور آخرت میں، اور اللہ بندے کی مدد میں لگا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے..."[4]

---

[1] بخاری و مسلم۔ [2] بخاری و مسلم۔ [3] بخاری و مسلم۔ [4] مسلم۔

Marfat.com

(۴) "مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، وہ اس سے خیانت نہیں کرتا، نہ اس سے جھوٹ بولتا ہے اور نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے۔ ہر مسلمان پر دوسرے ہر مسلمان کی آبرو، اس کا مال اور اس کا خون حرام ہے۔ اور تقویٰ یہاں ہے (دل کی طرف اشارہ فرمایا)۔ آدمی کو یہی بُرائی بہت ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔"[۱]

(۵) "تم ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، نیلام یا سودے میں بلا وجہ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر دام نہ لگاؤ، ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، ایک دوسرے سے منہ نہ موڑو (لاتعلقی و بے اعتنائی نہ کرو) اور نہ تم میں سے کوئی شخص دوسرے کے سودے پر سودا کرے، اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔ مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، وہ اس پر ظلم نہیں کرتا اور نہ اسے حقیر جانتا ہے اور نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے۔ تقویٰ یہاں ہے، اور آپؐ نے تین بار اپنے سینۂ (مبارک) کی طرف اشارہ فرمایا۔ آدمی کو یہی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ ہر مسلمان کا دوسرے ہر مسلمان پر خون اور آبرو حرام ہے۔"[۲]

(۶) "تم میں سے کوئی مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے وہی کچھ پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔"[۳]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ ہر مسلمان کو دوسرے ہر مسلمان کے ساتھ نیکی اور بھلائی کے کاموں میں تعاون کرنا چاہیے، مصیبت میں اس کی مدد کرنی چاہیے، اس کی حاجت روائی کرنی چاہیے، اس کی عیب پوشی کرنی چاہیے اور ہر لحاظ سے اسے تقویت پہنچانی چاہیے اور اس سلسلے میں کسی امتیاز یا تخصیص کو روا نہیں رکھنا چاہیے۔ یہ نہ ہو کہ اپنی برادری، فرقے یا جماعت والے کے ساتھ تو اس قدر تعاون کرے کہ جائز اور ناجائز کی تمیز بھی نہ رہے اور اس کی ناحق مدد کو بھی کارِ ثواب سمجھے جبکہ غیر برادری مختلف فرقے یا جماعت سے تعلق نہ رکھنے والے مسلمان کی جائز مدد بھی نہ کرے۔ ایسا رویہ اختیار کرنے سے اسلامی برادری تو ختم ہو جائے گی اور اپنے ارکان کے دنیوی مفادات کا تحفظ کرنے والی تنظیمیں، جماعتیں، فرقے اور برادریاں — مفاداتِ باہمی کی لمیٹڈ کمپنیاں — باقی رہ جائیں گی۔ یہ رویہ زور پکڑ گیا تو اتحادِ ملی پارہ پارہ ہو جائے گا اور ملتِ اسلامیہ زوال اور تباہی سے دوچار ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ایسی تنظیموں اور جماعتوں کو ہدایت دے کہ وہ اپنی برادری، فرقے، تنظیم یا جماعت کے تعصب سے بالاتر ہو کر اخوتِ اسلامی کے جذبے اور نام کے تحت کام کریں۔

۲۔ اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کراؤ

اگرچہ اسلام نے احکام و تعلیمات کے ذریعے ایسے تمام ممکن اور ضروری اقدامات کیے

ہیں جو مسلمانوں کو ایک دوسرے سے لڑنے سے محفوظ رکھیں اور لڑائی کی نوبت ہی نہ آنے دیں لیکن پھر بھی یہ امکان باقی رہتا ہے کہ دو بھائی کسی نہ کسی وجہ سے آپس میں لڑ پڑیں۔ لڑنے والے آپس میں بھی بھائی (از روئے دین) ہیں اور دوسرے سب مسلمانوں کے بھی بھائی ہیں۔ یہ دو تو غلط فہمی یا کسی اور وجہ سے بدقسمتی سے لڑ پڑے، ہوش کے بجائے جوش ان پر غالب آگیا، لیکن اردگرد کے باقی سب مسلمان تو ہوش میں ہیں لہٰذا ان پر فرض ہے کہ وہ آگے بڑھ کر خلوص کے ساتھ ان میں صلح کرا دیں۔ فوراً صحیح طور پر صلح کرا دی جائے تو بات وہیں ختم ہو جاتی ہے۔ دوسرے مسلمانوں کو یہ جائز نہیں کہ لاتعلق اور بے حسی سے کام لیتے ہوئے تماشا دیکھتے رہیں۔ ان کے دلوں میں ان دونوں کے لیے خلوص اور ہمدردی ہونی چاہیے۔ دین تو ہے ہی خیر خواہی۔ رسولِ اکرمؐ کا ارشاد ہے:

"دین خیر خواہی کا نام ہے۔ ہم نے عرض کیا، کس کے لیے؟ فرمایا: اللہ کے لیے، اس کی کتاب کے لیے، اس کے رسولؐ کے لیے، مسلمانوں کے حکمرانوں (ائمہ) کے لیے اور عام مسلمانوں کے لیے"[۱]

نبی کریمؐ کا ارشاد ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان صلح کرا دینا صدقہ ہے[۲] حضور اکرمؐ نے صلح کرانے کے لیے تو جھوٹ بولنے کی بھی رعایت فرمائی ہے۔ حدیث ہے: "جنابہ اُمِ کلثوم بنتِ عُقبہ بن اَبی مُعیط رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا: وہ جھوٹا نہیں ہے جو لوگوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے بھلی بات بطور جھوٹ کہے[۱] (مثلاً ایک سے کہے فلاں تمہارے لیے بہت خلوص و محبت رکھتا ہے، تمہاری بڑی تعریف کر رہا تھا اور حقیقت اس کے برعکس ہو۔ پھر دوسرے سے کہے کہ وہ تمہارا خیر خواہ ہے، تم سے تعلق قائم رکھنا چاہتا ہے، جبکہ حقیقت اس کے خلاف ہو۔ یہ باتیں ہیں تو کہنے والے کی من گھڑت اور اختراع کی ہوئیں لیکن اسے جھوٹا نہیں کہیں گے)۔ مسلم کی روایت میں یہ اضافہ ہے: (ام کلثوم نے) کہا: میں نے تین امور کے سوا اور کسی میں لوگوں سے جھوٹ بولنے میں حضورؐ کو رعایت فرماتے نہیں سُنا۔ ان کی مراد ہے (۱) جنگ، (۲) لوگوں کے درمیان صُلح کرانا اور (۳) خاوند کی بیوی سے بات اور بیوی کی خاوند سے بات" (یعنی لڑائی روکنے کے لیے اور لوگوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے من گھڑت بھلی بات کہہ دی جائے تو رعایت ہے، مواخذہ نہیں ہو گا۔ اسی طرح اگر خاوند بیوی کو منانے کے لیے یا اس کا دل رکھنے کے لیے اور اسی طرح بیوی،

---

[۱] مسلم۔ [۲] بخاری و مسلم۔

Marfat.com

خاوند سے من گھڑت بات کہہ دے تو اس پر مواخذہ نہیں ہوگا۔

۳۔ بے حسی تقویٰ کے منافی اور رحم الٰہی سے محرومی کا موجب ہے

اپنے دو بھائیوں میں صلح کرانے کے حکم صادر فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا: اور اللہ سے ڈرتے رہو، اللہ سے تقویٰ رکھو۔ یعنی صلح نہ کرانا اور اپنے بھائیوں کے ساتھ بے حسی اور بے اعتنائی برتنا تقویٰ کے منافی ہے۔ یہ مفہوم بھی نکلتا ہے کہ اگر صلح نہ کرائی تو اللہ ناراض ہوگا، پس اس کی ناراضگی سے بچو۔ صلح کرانے اور اللہ سے تقویٰ رکھنے کا ثمر یہ ملے گا کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔ اور ہر انسان ہر لمحے اللہ تعالیٰ کے رحم کا محتاج ہے، اللہ تعالیٰ رحم نہ فرمائے تو ایک لمحہ بھی زندگی بسر کرنا محال ہو جائے۔ اگر صلح نہ کرائی جائے اور اللہ سے تقویٰ نہ رکھا جائے تو اللہ تعالیٰ رحم نہیں فرمائے گا۔ حضور کا ارشاد ہے:

"جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا اللہ اس پر رحم نہیں کرتا۔"

رحم کا تقاضا ہے کہ دو لڑنے والے بھائیوں کے درمیان صلح کرائی جائے اور صلح نہ کرانا رحم نہ کرنا ہے، جب آپ ان پر رحم نہیں کریں گے تو اللہ آپ پر رحم نہیں فرمائے گا۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ

اے — جو — ایمان لائے وہ نہ ٹھٹھا کرے وہ — لوگ — سے — لوگ

اے ایمان والو! نہ مذاق اڑائیں مرد مردوں کا

عَسَىٰٓ أَن يَكُونُوا۟ خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ

ممکن ہے شاید کہ — وہ ہوں — بہتر — منا (سے) ھم (وہ) اور نہ — عورتیں

ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں

مِّن نِّسَآءٍ عَسَىٰٓ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۖ

سے — عورتیں — ممکن ہے شاید — کہ — وہ ہوں — بہتر من (سے) ھُنَّ (وہ عورتیں)

عورتوں کا — ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں

Marfat.com

وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ

اور نہ عیب لگاؤ اشخاص تمہارے اور نہ نام ڈالو ساتھ ڈالے ہوئے نام

اور نہ عیب لگاؤ ایک دوسرے کو اور نہ ایک دوسرے کے نام رکھو (چڑانے کو)

بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ

برا ہے نام گناہ۔ بداعمالی بعد ایمان

برا نام ہے فسق (یعنی کسی کو فاسق کہنا) ایمان کے بعد

وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۱﴾

اور جس (نے) نہ کی توبہ اس نے تو وہ وہ ظالم

اور جس نے توبہ نہ کی تو وہی ہیں ظالم

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫

اے جو ایمان لائے وہ بچو بہت سے بدگمانی

اے ایمان والو! بہت بدگمانی کرنے سے بچا کرو

اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا

یقیناً کچھ بدگمانی گناہ اور نہ بھید ٹٹولو

یقیناً بعض بدگمانی گناہ ہے اور بھید نہ ٹٹولا کرو

وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ

اور نہ پیٹھ پیچھے برا کہے بعض تمہارا بعض کیا چاہتا ہے کوئی تم (سے)

اور نہ غیبت کرے کوئی تم میں سے کسی کی، کیا تم میں سے کوئی چاہتا ہے

اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ

کہ کھائے وہ گوشت بھائی اس (کا) مردہ پس ناپسند کیا تم نے اس (کو)

کہ وہ کھائے گوشت اپنے بھائی کا (جو) مُردہ[۱] (ہو) تو تمہیں اس سے گھن آیا

[۱] حاشیہ اگلے صفحے پر

Marfat.com

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾

اور ڈرو (اللہ سے) یقیناً اللہ توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا

اور ڈرتے رہو اللہ سے یقیناً اللہ توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔

الفاظ کی تشریح

لَا یَسْخَرْ : وہ مذاق نہ اُڑائے۔ تمسخر نہ کرے۔ ٹھٹھا نہ کرے۔ ہنسی نہ اُڑائے۔
لَا تَلْمِزُوْا : عیب نہ لگاؤ۔ عیب لگا کر اچھالو نہیں۔
لَا تَنَابَزُوْا : ایک دوسرے کے چڑانے کے لیے نام نہ رکھو۔
الْاَلْقَاب : جمع ہے لقب کی۔ اصلی نام کے علاوہ دیا گیا نام، اچھا بھی ہو سکتا ہے اور بُرا بھی۔
اِجْتَنِبُوْا : پہلو بچاؤ۔ کنارہ کشی کرو۔ بچو۔
اَلظَّنِّ : گمان۔ بدگمانی۔ تہمت
لَا تَجَسَّسُوْا : جاسوسی نہ کرو۔ ٹوہ نہ لگاؤ۔ بھید نہ ٹٹولو۔

آیات کی توضیح

آیت ۱۱ تا ۱۲ کی توضیح اس سورت کے آخر میں "سورہ الحجرات میں اسلام کی معاشرتی تعلیمات" کے عنوان کے تحت دی جائے گی، وہاں ملاحظہ کیجیے گا۔

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى

اے لوگو بے شک ہم (نے) پیدا کیا ہم نے تم کو سے نر اور مادہ

اے لوگو! یقیناً ہم نے پیدا کیا ہے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے

لہ اس عبارت کا ترجمہ دو طرح ہو سکتا ہے: (۱) کہ وہ کھائے اپنے مردہ بھائی کا گوشت۔ (۲) کہ وہ کھائے اپنے بھائی کا مُردہ گوشت۔ اوپر جو ترجمہ کیا ہے اس میں ان دونوں ترجموں کے مفہوم شامل ہیں۔

Marfat.com

وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ

اور بنایا ہم نے تم کو قومیں اور قبیلے تاکہ پہچانو تم ایک دوسرے کو

اور ہم نے بنا دیں تمہاری قومیں اور قبیلے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ

بے شک۔ یقیناً سب سے معزز تم (سے) نزدیک اللہ سب سے پرہیزگار تم (سے)

یقیناً تم میں سے سب سے زیادہ عزت والا اللہ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ پرہیزگار ہے

اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ﴿۱۳﴾

بے شک اللہ علم والا باخبر ہے

یقیناً اللہ علم والا ہے باخبر ہے

الفاظ کی تشریح

جَعَلْنَا : ہم نے بنایا۔

شُعُوْبًا : جمع ہے شعب کی۔ قوم۔ ذات۔ برادری

قَبَآئِلَ : جمع ہے قبیلۃ کی۔ قبیلے۔

لِتَعَارَفُوْا : تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ ایک دوسرے سے شناسائی کرو۔

اَكْرَم : سب سے معزز

آیت کی توضیح

اس آیت سے پہلے والی آیات ۱ تا ۱۲ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو درج ذیل معاشرتی برائیوں سے منع فرمایا ہے :

۱۔ دوسروں کا مذاق اڑانا۔

۲۔ دوسروں پر عیب لگانا۔

۳۔ دوسروں کے برے نام رکھنا اور برے ناموں سے ان کو پکارنا۔

Marfat.com

۴۔ بدگمانی کرنا۔
۵۔ دوسروں کے بھید ٹٹولنا، جاسوسی کرنا، چھپ کر راز اور عیب دریافت کرنا۔
۶۔ غیبت کرنا، یعنی کسی کی عدم موجودگی میں اس کے بارے میں تکلیف دہ حقیقتیں بیان کرنا۔
ان تمام معاشرتی برائیوں کی اصل وجہ، جو ان کے پیچھے کارفرما ہوتی ہے تکبّر، بڑائی، فخر، غرور اور دوسروں پر اپنی برتری جتانے کی خواہش ہے اور یہ تکبّر وغیرہ اس بنیاد پر ہوتا ہے کہ تکبّر کرنے والا نسب میں اپنے آپ کو دوسرے سے برتر اور افضل سمجھتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ چونکہ اس کا نسب اعلیٰ ہے لہٰذا وہ زیادہ معزز ہے۔ اسلام نے فخر و غرور اور تکبّر کے درخت کو یہ کہہ کر جڑ سے ہی کاٹ پھینکا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو ایک مرد اور ایک عورت (یعنی حضرت آدم علیہ السّلام اور حضرت حوّا علیہا السّلام) سے پیدا کیا ہے جب سب ایک ماں باپ کی اولاد سے ہیں تو پھر اصل اور نسب کے لحاظ سے کسی فضیلت یا برتری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اس کے بعد ذات برادریوں، قوموں اور قبیلوں کے وجود کی وضاحت فرما دی کہ اللہ نے انسانوں کو ان گروہوں میں اس لیے بانٹ دیا ہے کہ لوگ ایک دوسرے کو پہچان سکیں، ایک دوسرے کی شناخت کر سکیں، ایک دوسرے سے شناسائی کر سکیں۔ قوموں اور برادریوں وغیرہ میں تقسیم عزت اور مرتبے کے لحاظ سے نہیں ہے اور یہ ہرگز فوقیت اور برتری کا باعث نہیں ہے۔ افراد کے نام بھی تو ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں اور افراد کے نام بھی صرف شناخت اور پہچان کے لیے ہوتے ہیں، ایک کا نام زید ہے تو دوسرے کا بکر۔ تو کیا کسی فرد کو یہ روا ہے کہ وہ اپنے نام کی وجہ سے دوسرے پر اپنی برتری جتائے۔ ایک ہی والدین کے تمام بیٹوں کے نام ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں صرف پہچان کی غرض سے، تو یہی صورت قوموں اور ذات برادریوں کی ہے، ان کے مختلف نام بھی شناخت اور پہچان کے لیے ہیں۔

اس کے بعد اس آیت مبارکہ میں اللہ کے نزدیک عزت کا معیار بیان کیا گیا ہے اور وہ ہے، تقویٰ۔ جو شخص جتنا متقی ہوگا اتنا ہی اللہ کے نزدیک عزت و تکریم والا ہوگا۔ سوائے تقویٰ کے اسلام کے نزدیک فضیلت کی کوئی اور بنیاد نہیں ہے اور تقویٰ کسب سے آتا ہے، یعنی انسان کی اپنی محنت اور رویے پر منحصر ہے، ایک انتہائی غریب گھرانے میں جنم لینے والا شخص گاؤں یا شہر کے تمام لوگوں سے زیادہ متقی ہو سکتا ہے اور بڑے امیر اور بڑے عہدیدار آدمی کا بیٹا نہایت بدکردار ہو سکتا ہے، اسلام میں پہلا معزز ہے جبکہ دوسرا معزز نہیں ہے۔

Marfat.com

خطبہ حجۃ الوداع میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے اہم احکام و ہدایات کی وضاحت فرمائی، ان میں یہ بات بھی شامل تھی۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

(ترجمہ) "اے لوگو! سُن لو، یقیناً تمہارا رب ایک ہے اور یقیناً تمہارا باپ ایک ہے۔ سُن لو، کوئی فضیلت نہیں کسی عربی کو عجمی پر اور نہ کسی عجمی کو عربی پر اور نہ سرخ کو کالے پر اور نہ کالے کو سرخ پر سوائے تقویٰ کے سبب سے۔"

اس آیت میں مندرجہ ذیل اہم باتیں بیان کی گئی ہیں:

۱۔ تمام انسانوں کا نسب اور ان کی اصل ایک ہے۔ اس سے یہودیوں کی نسلی برتری کے نظریے اور ہندوؤں کے ذات پات کے نظام اور نسلی برتری کے دیگر تمام نظریات کی نفی ہو گئی۔ یہ سب نظریات انسانوں کے گھڑے ہوئے اور باطل و بے بنیاد ہیں۔ قرآنِ حکیم وحدتِ انسانی کا نظریہ پیش کر رہا ہے۔

۲۔ ذات برادریاں، قومیں اور قبائل وغیرہ صرف باہمی پہچان اور شناخت کے لیے ہیں، کسی ذات یا قبیلے کو دوسرے پر برتری حاصل نہیں ہے۔

۳۔ عزت اور فضیلت کی بنیاد صرف تقویٰ ہے اور یہ انسان کے اپنے بس میں ہے جبکہ نسب اور نسل وغیرہ انسان کے اپنے بس میں نہیں ہیں۔ مثال کے طور پر ایک شودر کے گھر میں پیدا ہونے والا ایک بڑا عالم و فاضل، نیکوکار اور پارسا شخص بدستور سب سے گھٹیا رہے گا، اس کی کی ہوئی محنت اسے معاشرے میں ذرا بھی عزت نہ دلا سکے گی، جبکہ اس کے برعکس ایک برہمن کے گھر میں پیدا ہونے والا شخص خواہ کتنا ہی بدکردار و بداعمال ہو، علم و عقل اور تہذیب و شرافت سے نابلد ہو وہ پھر بھی دیگر تین ذاتوں والے تمام (ارذل) انسانوں سے افضل رہے گا۔ اب بتائیے ہندوستان کے کروڑوں شودر اور ان کی آئندہ نسلیں اس عذاب سے ہندو مذہب کو رکھتے ہوئے، کیونکر نجات حاصل کر سکتی ہیں؟ اسلام کا تمام بنی نوع انسان پر یہ عظیم احسان ہے کہ اس نے وحدت و مساواتِ انسانی کا نظریہ پیش کر کے انسانوں کو نسلی و اصلی برتری جیسی لعنتوں سے نجات دلائی۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا

تم	ایمان لائے	نہیں	کہہ	ایمان لائے ہم	بدو۔ دیہاتی عرب	کہا

دیہاتی عرب کہتے ہیں ہم ایمان لائے (اے نبیؐ!) آپؐ کہیے کہ تم ایمان نہیں لائے

Marfat.com

وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا

اور لیکن کہو مطیع ہوئے ہم

اور لیکن کہو! ہم مطیع ہوئے

وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ط

اور ابھی تک نہیں داخل ہوا ایمان میں دل تمہارے

اور ابھی تک داخل نہیں ہوا ایمان تمہارے دلوں میں

وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

اور اگر اطاعت کرو تم اللہ اور رسول اس (کا)

اور اگر تم اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول ؐ کی

لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْئًا ط

نہیں کم کرے گا تمہیں سے اعمال تمہارے کچھ

تو (اللہ) کاٹ نہیں لے گا تمہارے کاموں میں سے کچھ لہ

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾

بے شک اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا

یقیناً اللہ بخشنے والا ہے رحم کرنے والا ہے

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

یقیناً مومن جو ایمان لائے وہ ساتھ اللہ اور رسول اس (کا)

یقیناً مومن تو وہ ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول ؐ پر

ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ

پھر نہیں شک کیا انہوں نے اور جہاد کیا انہوں نے ساتھ اموال ان (کے)

پھر انہوں نے شک نہ کیا اور انہوں نے جہاد کیا اپنے اموال کے ساتھ

لہ ترجمہ شاہ عبدالقادر و محمود الحسن

Marfat.com

وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۱۵﴾

اور جانیں ان (کی) میں راہ اللہ وہ وہ سچے

اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں وہی ہیں سچے

قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ

کہہ کیا جتلاتے ہو تم اللہ ساتھ دین تمہارا اور اللہ جانتا ہے وہ

(اے نبی!) کہہ دیجیے: کیا تم اللہ کو اپنا دین جتاتے ہو اور اللہ جانتا ہے

مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۶﴾

جو میں آسمانوں اور جو میں زمین اور اللہ ساتھ ہر چیز علم والا

جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے

يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا

احسان جتاتے ہیں وہ اوپر تیرے کہ اسلام لائے وہ کہہ نہ احسان جتاؤ تم

وہ احسان دھرتے ہیں آپ پر کہ وہ اسلام لائے آپ کہہ دیجیے، نہ احسان دھرو

عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ

پر مجھ اسلام لانا تمہارا بلکہ اللہ احسان کرتا ہے وہ پر تمہارے

مجھ پر اپنے اسلام لانے کا بلکہ اللہ احسان کرتا ہے تم پر

اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۷﴾

کہ ہدایت دی تمہیں لیے ایمان اگر ہو تم سچے

کہ تمہیں ہدایت دی ایمان کے لیے اگر تم سچے ہو

اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

یقیناً اللہ جانتا ہے وہ غیب۔ پوشیدہ بھید آسمان اور زمین

بے شک اللہ جانتا ہے پوشیدہ بھید آسمانوں اور زمین کے

Marfat.com

وَ اللّٰہُ بَصِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۸﴾

اور اللہ دیکھنے والا ساتھ جو تم کرتے ہو

اور اللہ دیکھنے والا ہے جو تم کرتے ہو

الفاظ کی تشریح

اَلۡاَعۡرَابُ : جمع ہے اَعۡرَابِیٌّ کی، بدوی، دیہاتی عرب، بدو۔
لَمَّا یَدۡخُلۡ : پورے زمانہ ماضی میں متکلم کے بات کرتے وقت تک نہیں داخل ہوا لیکن توقع ہے کہ مستقبل میں داخل ہو جائے گا۔
لَا یَلِتۡ : نہ کم کرے، نہ گھٹائے۔ لَاتَ اس نے گھٹایا، کم کر دیا۔ یَلِیۡتُ وہ گھٹاتا ہے۔
تُعَلِّمُوۡنَ : تم سکھاتے ہو، علم دیتے ہو، جتاتے ہو۔
یَمُنُّوۡنَ : وہ احسان جتاتے ہیں، احسان کرتے ہیں۔ مَنَّ اس نے احسان کیا، جتایا۔

شانِ نزول

یہ آیات بعض دیہاتی عربوں (بنو اسد بن خزیمہ یا بعض دیگر قبائل کے دیہاتی لوگوں) کے بارے میں نازل ہوئیں۔ یہ لوگ قحط والے سال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تاکہ آپؐ ان کو کچھ صدقات عطا فرمائیں۔ اس غرض کے لیے انہوں نے آپؐ پر احسان جتانا شروع کر دیا کہ دیکھیے دیگر قبائل تو آپؐ سے قتال کرتے رہے ہیں ہم تو آپؐ سے بغیر قتال کیے ایمان لے آئے ہیں، لہٰذا ہمیں صدقات میں سے کچھ مال دیجیے۔ ان لوگوں نے اپنے اہل و عیال اور مال و اسباب سمیت مدینہ منورہ میں ڈیرہ جما لیا تھا اور مدینہ کی گلیوں کو اپنی غلاظتوں سے گندا کر دیا تھا۔ ان لوگوں نے دراصل قتل ہونے اور قیدی بننے سے بچنے کے لیے اطاعت قبول کی تھی ابھی اہلِ ایمان نہ بنے تھے[1]

---

[1] بعض مفسرین کرام کے نزدیک یہ لوگ اسلام تو لے آئے تھے مگر ابھی ایمان ان کے دلوں میں اچھی طرح راسخ نہ ہوا تھا اور دوسروں کی رائے میں یہ منافق تھے، اپنے اسلام کی بابت جھوٹ بول رہے تھے۔ پہلے طبقہ مفسرین کے نزدیک ایمان خاص تر ہے اسلام سے، دونوں میں فرق ہے جبکہ دوسرے کے نزدیک اسلام حقیقی و شرعی اور ایمان میں کوئی فرق نہیں، اور اس آیت میں جس اسلام کا ذکر ہے وہ لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے (اطاعت قبول کرنا) نہ کہ شرع کے اصطلاحی مفہوم میں۔ راقم الحروف نے بھی یہاں اس کے لغوی معنی کو ہی ترجیح دی ہے۔ قرآن حکیم میں انبیاء کو مسلم بتایا گیا ہے اور اُمتِ محمدیہ کا نام قرآن میں امت مسلمہ رکھا گیا ہے اور اسلام اللہ کا مقبول دین ہے۔

Marfat.com

آیات کی توضیح

ان آیات میں درج ذیل اہم نکات بیان کیے گئے ہیں:

۱۔ ایمان کی توفیق اللہ کا احسان ہے

اسلام قبول کرنا اور اللہ، اس کے رسولؐ پر ایمان لانا اور اسلام کے باقی عقائد پر یقین رکھنا یہ سب کچھ اللہ کی توفیق سے ہوتا ہے، اللہ اگر توفیق نہ دے تو انسان اس دولت سے محروم رہے، لہٰذا ہر مسلمان کو اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ شکر گزار رہنا چاہیے کہ وہ اللہ کے فضل واحسان سے مسلم ومؤمن ہے۔ اسلام اور ایمان اللہ کی بہت بڑی نعمت ہیں، اس لیے اس پر شکر بجا لانا لازم ہے۔

۲۔ مؤمنین کون ہیں

آیت ۱۵ میں مؤمنین کی تعریف بیان کی گئی ہے کہ یہ تو وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے، پھر وہ شک میں نہ پڑے، یعنی ان کا یقین بہت مضبوط اور پختہ ہے۔ پھر انہوں نے اپنے مال وجان کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ تو یہ لوگ اگر ایمان کا دعویٰ کریں تو وہ اپنے اس دعوے میں سچے ہیں۔ یعنی ایمان خالی زبانی دعووں کا نام نہیں بلکہ دل میں پختہ یقین کے ساتھ ساتھ اعمال میں اس کا اظہار بھی ضروری ہے۔ سچے ایمان والا شخص اللہ کی راہ میں مال وجان سب قربان کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہے اور جب کبھی اس کی ضرورت پڑتی ہے وہ اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں قربان کر دیتا ہے۔

۳۔ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت میں کیا ہوا کوئی عمل ضائع نہیں ہوتا

تیسری بات یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں رہتے ہوئے کوئی نیکی کرے تو اسے اس کی اس نیکی کا پورا اجر ملے گا اور اس کے اجر میں کچھ بھی کمی نہیں کی جائے گی۔

Marfat.com

سورۃ الحجرات میں معاشرتی تعلیمات

سورہ الحجرات میں اسلام کی کئی معاشرتی تعلیمات بیان کی گئی ہیں، جنہیں ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

(الف) بعض معاشرتی آداب اپنانے کی تعلیم

(ب) بعض معاشرتی برائیوں سے اجتناب کرنے کی تلقین۔

(الف) معاشرتی آداب

اس سورت میں مندرجہ ذیل معاشرتی آداب بیان کیے گئے ہیں:۔

۱۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ادب و تعظیم کی تعلیم دیتے ہوئے اہلِ ایمان کو حکم دیا گیا ہے کہ حضورؐ کی آواز سے اپنی آواز کو اونچا نہ کریں اور آپؐ کے حضورؐ میں اس طرح اونچا نہ بولیں جس طرح ایک دوسرے سے گفتگو کرتے ہوئے بولتے ہیں۔ اس سے بالواسطہ طور پر مسلمانوں کو یہ تعلیم ملتی ہے کہ اپنے بزرگوں، بالخصوص والدین اور اساتذہ کے سامنے اونچی آواز میں بات نہ کریں، اپنی آواز کو ان کی آواز سے پست اور نرم رکھیں۔

۲۔ اگر کوئی بداعمال یا بدکردار (فاسق) شخص کوئی اہم خبر لائے تو اس پر فوراً یقین کر کے عملی اقدامات نہیں کرنا چاہییں، بلکہ اچھی طرح اس خبر کی تحقیق کرنی چاہیے تاکہ ایسا نہ ہو کہ آپ اس خبر کے مطابق کوئی عملی قدم اٹھالیں جس سے کسی کو نقصان بھی پہنچ جائے اور بعد میں جب یہ پتا چلے کہ یہ خبر جھوٹی تھی تو پھر تکلیف دہ پچھتاوا کرنے کے سوا اور کوئی صورت نہ ہو کہ جس سے اس نقصان کی تلافی کر سکیں۔

۳۔ اگر دو مسلمان گروہ باہم لڑ پڑیں تو باقی مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ ان میں صلح کرائیں۔ بے حس بن کر ان کی لڑائی کا تماشا دیکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ پھر اگر ایک گروہ صلح کے بعد دوسرے گروہ پر زیادتی کرے یا صلح کرنے سے انکار کر کے سرکشی کرے تو باقی سب مسلمانوں کو حکم ہے کہ وہ اس باغی گروہ کے خلاف مل کر اس وقت تک لڑیں جب تک وہ صلح پر آمادہ نہیں ہو جاتا۔ اور جب وہ صلح پر آمادہ ہو جائے تو پھر عدل و انصاف کے ساتھ ان میں صلح کرا دینی چاہیے، شرائطِ صلح منصفانہ ہوں، کوئی شرط ان میں ایسی نہ ہو جو انصاف سے ہٹ کر

Marfat.com

ہو اور طرفداری یا جذبۂ انتقام کے تحت ہو۔ کیونکہ جو صلح منصفانہ شرائط پر نہ کی گئی ہو وہ دیرپا ثابت نہیں ہوتی۔ جس فریق کے ساتھ بے انصافی کی گئی ہو گی وہ انتقام کے موقع کی تلاش میں رہے گا اور جونہی موقع ملے گا وہ پھر سے صلح و آشتی کو تہس نہس کر کے جنگ و جدال شروع کر دے گا۔ اس لیے حکم دیا گیا ہے کہ عدل و انصاف کے ساتھ صلح کراؤ۔

۴۔ اگر دو مسلمان افراد کے درمیان جھگڑا ہو جائے تو باقی مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے ان دو بھائیوں کے درمیان، جو آپس میں بھی دینی اخوت کے تحت بھائی ہیں، صلح کرا دیں اور بے حسی اور لاپروائی سے کام نہ لیں، ورنہ اللہ تعالیٰ ناراض ہو گا اور ان پر رحم نہیں کرے گا۔ اگر ان کے دلوں میں اللہ کا خوف ہے اور وہ اللہ کے رحم کے حاجت مند اور طلبگار ہیں تو انہیں چاہیے کہ وہ ان کے درمیان صلح کرا دیں [۱]

(ب) معاشرتی برائیاں

سورۃ الحجرات میں جن معاشرتی برائیوں سے اہلِ ایمان کو منع کیا گیا ہے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑائیں (ولا یسخر...) مسلمانوں کو ایک دوسرے کا مذاق اُڑانے سے منع کیا گیا ہے (آیت ۱۱)۔ نہ مرد ہنسی اڑائیں مردوں کی اور نہ عورتیں ہنسی اڑائیں عورتوں کی۔ مذاق اڑانے کے پیچھے اپنی بڑائی اور برتری جتانے اور دوسرے کی تحقیر کرنے کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے اور مسلمان پر یہ دونوں برائیاں حرام ہیں۔ حضورؐ کا فرمان ہے:

لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ مَنْ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالُ ذَرَّۃٍ مِّنْ کِبْرٍ [۲]

ترجمہ: "وہ جنت میں داخل نہ ہو گا جس کے دل میں ذرہ بھر بھی کبر (تکبر) ہو گا۔"

مسلمان کی تحقیر و تذلیل کے ضمن میں آپؐ کا ارشادِ گرامی ہے:

بِحَسْبِ امْرِیٍٔ مِّنَ الشَّرِّ اَنْ یَّحْقِرَ اَخَاہُ الْمُسْلِمَ [۳]

ترجمہ: "آدمی کے بُرا ہونے کو یہی بات بہت ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کرے۔"

---

[۱] ان کی تفصیل آیات ۲، ۶، ۹ اور ۱۰ کی توضیح کے تحت دیکھیے۔
[۲] ریاض الصالحین، باب "مسلمان کو حقیر سمجھنا حرام ہے" بحوالہ مسلم۔ [۳] ایضاً

Marfat.com

اللہ تبارک و تعالیٰ نے دوسرے کا مذاق اُڑانے سے منع کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ جس کا مذاق اڑایا جائے وہ اس سے بہتر ہو جو مذاق اڑائے۔ مثلاً نیکی، تقویٰ، اسلام و ایمان وغیرہ میں اس سے بہتر ہو۔ لہٰذا یوں بھی مذاق اُڑانے کا جواز نہیں بنتا۔

اس سورت میں اس سے پہلے اللہ تعالیٰ بیان فرما چکا ہے کہ تمام اہلِ ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں (آیت ۱۰) اور دینی اخوت کا یہ رشتہ خونی رشتہ اخوت سے زیادہ مضبوط، طاقتور اور دیرپا ہے۔ یہ بات انوکھی ہے کہ ایک بھائی اپنے دوسرے بھائی کی تذلیل و تحقیر کرنے کے لیے اس کا مذاق اڑائے۔ مذاق اڑانے کا مطلب تو یہ ہے کہ اس نے اسے اپنا بھائی نہیں سمجھا اور یہ بات اسلام کی بنیادی تعلیمات کے منافی ہے۔

ایک دوسرے کا مذاق اڑانے سے آپس میں نفرتیں اور کدورتیں جنم لیتی ہیں جو جھگڑے فساد کی بنیاد بنتی ہیں اور آخر کار معاشرے کا امن و سکون غارت ہو جاتا ہے، لہٰذا ایک دوسرے کا مذاق اڑانے سے باز رہنا چاہیے۔

۲۔ ایک دوسرے پر عیب نہ لگائیں

(ولا تلمزوا انفسکم)۔ اللہ تعالیٰ نے دوسروں پر عیب لگانے سے منع فرمایا ہے، اور الفاظ یہ استعمال کیے ہیں: (ترجمہ) اور اپنے آپ پر عیب نہ لگاؤ"۔۔۔ مسلمان سب بھائی بھائی ہیں، اپنے بھائی پر عیب لگانا اپنے آپ پر ہی عیب لگانا ہے۔

سورہ ھُمَزہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَيۡلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ۔ (ترجمہ) تباہی ہے ہر طعنہ زن عیب جُو کے لیے"۔ ھمز کہتے ہیں زبان سے طعنہ دینے کو جبکہ لمز ہاتھ، آنکھ، زبان، اشارہ سب کے ساتھ ہوتا ہے۔

دوسرے کی عیب جوئی کرنے، اس پر عیب لگانے سے دوسرے کو اذیت دینے، اس کی تحقیر و تذلیل کرنے کے سوا اور کیا حاصل ہوتا ہے؟ اور ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے کوئی فعل کرنا منفی سوچ اور گھٹیا ذہنیت کو ظاہر کرتا ہے۔ ایذا پسند (SADIST) ہونا نفسیاتی بیماری ہے کوئی صحت مند سرگرمی نہیں ہے۔ پھر ایسا کرنے سے آپس کی دشمنیاں اور جھگڑے پیدا ہوتے ہیں اور اسلام اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔ اسلام تو یہ چاہتا ہے کہ تمام اہلِ ایمان جو ایک برادری ہیں، مل کر ایسا معاشرہ تشکیل دیں جو پُرامن اور پُرسکون ہو، اس میں نہ جرائم ہوں اور نہ جھگڑا فساد، محبت اور ہمدردی کی فضا ہو، سب اہلِ ایمان ایک جسم کے مانند ہو کر رہیں، اگر ایک فرد کو تکلیف پہنچے تو پورا معاشرہ اس کے دکھ کو محسوس کرتے ہوئے اس کی مدد کو

Marfat.com

پلکے جیسے ایک عضو کے بیمار ہونے پر باقی سارا جسم بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

۳۔ ایک دوسرے کے بُرے نام نہ رکھیں : (وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ)

کسی کو بُرے نام سے پکارنے میں دو بڑی برائیاں ہیں: (۱) اس شخص کو دکھ پہنچتا ہے جسے برے نام سے پکارا جائے، کیونکہ اس میں اس کی تحقیر و تذلیل ہوتی ہے لہٰذا اس کے ردِّ عمل کے طور پر وہ بھی اس کا کوئی بُرا نام رکھے گا یا پھر کم از کم دل میں اس کے خلاف نفرت رکھے گا۔ اس سے شدید تر ردِّ عمل بھی ممکن ہے، یعنی ان میں لڑائی جھگڑا ہو جائے۔ (۲) اس سے برائی پھیلتی ہے۔ بُرے نام کے ساتھ کوئی برائی یا گناہ وابستہ ہوتا ہے، جب برا نام رکھنے کی عادت عام ہو جائے تو اس سے معاشرے کے افراد میں یہ تاثر پیدا ہو گا کہ بھی بُرے ہیں، نیک کون ہے، لہٰذا برائی کی حوصلہ افزائی اور اشاعت ہو گی۔ ظاہر ہے اسلام ان دونوں باتوں کا روادار نہیں ہو سکتا۔ وہ نہ تو باہمی نفرتوں اور لڑائی جھگڑوں کو پسند کرتا ہے اور نہ برائی کو پھیلانے کی اجازت دیتا ہے لہٰذا مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے بُرے نام نہ رکھیں۔

اصل نام کے علاوہ کوئی بھی ایسا نام جس سے کراہت آئے، جو ناپسند ہو، جس سے تکلیف پہنچے بُرا نام ہے۔ مثلاً (۱) کسی کو فاسق، بدچلن، بدکردار، بدمعاش، زانی، حرام خور، کافر وغیرہ کہنا بُرا نام رکھنا ہے اور ممنوع ہے۔ (۲) اسی طرح اگر ہندو، سکھ، عیسائی، یہودی وغیرہ اسلام قبول کرلے تو اس کے بعد اسے سابقہ مذہب کے حوالے سے اس کا نام رکھنا بھی ممنوع ہے، مثلاً کوئی شخص پہلے چوری کیا کرتا تھا مگر اب اس سے تائب ہو چکا ہے تو اسے چور کہہ کر پکارنا جائز نہیں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بُرے نام رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

(۱) "کوئی شخص دوسرے کو فاسق یا کافر نہ کہے، کیونکہ اگر وہ فاسق یا کافر نہیں ہے تو فسق یا کفر کہنے والے پر پلٹ آتا ہے۔" (لَا يَرْمِي رَجُلٌ رَجُلًا بِالْفِسْقِ أَوِ الْكُفْرِ إِلَّا ارْتَدَّتْ عَلَيْهِ إِنْ لَمْ يَكُنْ صَاحِبُهُ كَذَٰلِكَ)[1]

(۲) جو کسی مومن کو ایسے گناہ سے عار دلائے گا (طعنہ دے گا) جس سے وہ تائب ہو چکا ہو اللہ پر حق ہے کہ وہ اس کو اس میں مبتلا کر دے اور اس سے اسے دنیا و آخرت میں رسوا

---

[1] ریاض الصالحین، باب نمبر ۳۱۲، بحوالہ بخاری۔

Marfat.com

کرے"۔ (مَنْ عَیَّرَ مُؤْمِنًا بِذَنْبٍ تَابَ مِنْهُ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَنْ يَّبْتَلِيَهُ بِهِ وَيَفْضَحَهُ فِيهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ) [1]

پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ، یعنی بُرا نام فسق ہے (یا فسق بُرا نام ہے) ایمان لانے کے بعد۔ ایمان بہت ہی اعلیٰ اور قیمتی دولت ہے، یہ انسان کو بلند وقار اور شرف والا بنا دیتا ہے، تو جو شخص اس گراں بہا دولت سے مالا مال ہو اسے بُرے نام سے منسوب کرنا سخت زیادتی ہے۔ اسی طرح کسی مؤمن کو یہ زیب نہیں دیتا کہ اللہ نے اسے ایمان کی توفیق بخش کر انتہائی معزز اور باوقار بنایا ہو اور وہ اپنے بھائی کو بُرا نام دینے کی گھٹیا حرکت کرے۔ حضور اکرمؐ کا ارشاد ہے:

"مؤمن کا دوسرے مؤمن پر حق ہے کہ وہ اسے ایسا نام دے جو اسے سب سے زیادہ پسند ہو" (مِنْ حَقِّ الْمُؤْمِنِ عَلَى الْمُؤْمِنِ أَنْ يُّسَمِّيَهُ بِأَحَبِّ أَسْمَائِهِ إِلَيْهِ) [2] رسول اکرمؐ نے اپنے جاں نثار صحابیوں کو اچھے اچھے القاب عطا فرمائے تھے، مثلاً حضرت ابوبکرؓ کو صدیق کا، حضرت عمرؓ کو فاروق کا، حضرت علیؓ کو اَسَدُ اللّٰہ کا، حضرت خالدؓ بن ولید کو سیف اللہ کا لقب عطا فرمایا۔

جو لوگ اپنے بھائیوں کو بُرے نام دینے کی عادتِ بد سے باز نہیں آئیں گے ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر انہیں تنبیہ فرمائی ہے کہ: وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ، یعنی "اور جو باز نہیں آئے گا تو وہی ظالم ہیں"۔ پس اگر کوئی مسلمان اس حکم کا علم رکھنے سے پہلے بُرا نام رکھنے کے گناہ مرتکب ہوا ہو تو اس حکم کو جان لینے کے بعد اسے چاہیے کہ توبہ کرے اور آئندہ ایسی حرکت نہ کرے ورنہ اس کا شمار ظالموں میں ہو گا۔

۴۔ بدگمانی سے بچیں: (اِجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ)

اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو بہت بدگمانی کرنے سے بچنے کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے کہ بعض بدگمانیاں گناہ ہوتی ہیں۔ بدگمانی اصل میں تہمت اور الزام ہے۔ اپنے کسی بھائی سے اپنے خیال ہی خیال میں ایسا گناہ یا بُرائی منسوب کر دینا جس کی بظاہر کوئی علامات موجود نہیں، اس کے کوئی آثار و شواہد نہیں پائے جاتے۔ ایسا کرنا انتہائی نقصان دہ ہے۔ اس کا سب سے زیادہ نقصان تو بدگمانی کرنے والے ہی کو پہنچتا ہے۔ وہ بدگمانی کے آغاز میں ہی پریشانی

---

[1] القرطبی۔ [2] القرطبی۔

Marfat.com

TENSION میں مبتلا ہو جاتا ہے، اندر ہی اندر جلتا اور کڑھتا رہتا ہے۔ اس سے باہمی تعلقات میں بالآخر کشیدگی آجاتی ہے جو اچھی معاشرت کے منافی ہے۔ قرآنِ حکیم میں بُرے گمان کرنے والوں کی مذمت کی گئی ہے:

وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۚ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُورًا (الفتح، ۴۸ : ۱۲)

ترجمہ: "اور تم نے بُرے گمان کیے اور تم برباد ہونے والے لوگ ہو گئے۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی بدگمانی سے بچنے کی ہدایت فرمائی۔ آپؐ کا ارشاد ہے:

إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ[1]

"تم بدگمانی سے بچو، کیونکہ بدگمانی سب سے بڑی جھوٹی بات ہے۔"

سب اہلِ ایمان بھائی بھائی ہیں، اپنے بھائی کے بارے بدگمانی کرنا خود اپنے بارے بدگمانی کرنا ہے۔ اپنے خیال میں اپنے بھائی کے ساتھ کوئی بُرائی منسوب کرنے سے پہلے اسے یہ سوچنا چاہیے کہ کیا وہ خود یہ برائی کر سکتا ہے، اگر نہیں، تو پھر اپنے بھائی کے متعلق کیسے گمان کر لیا کہ وہ ایسی بُرائی کر سکتا ہے جیسا وہ خود ہے ویسا ہی اس کا بھائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کے بارے میں، جو کہ اصل میں وہ خود ہی ہیں، ہمیشہ نیک گمان رکھا کریں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنْفُسِهِمْ خَيْرًا (النور، ۲۴ : ۱۲) "جس وقت تم لوگوں نے (بہتان کی بابت) سنا تھا اُسی وقت کیوں نہ مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنے (اپنے بھائیوں) کے بارے میں نیک گمان کیا؟"

نبی اکرمؐ نے خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے فرمایا: "تو کتنا پیارا گھر ہے! تو کیسی اچھی خوشبو والا ہے! تو کس قدر عظمت والا ہے! اور کتنی بڑی حرمت والا ہے! اس کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے کہ مومن کی حرمت، اس کے مال اور اس کی جان کی حرمت اور اس کے بارے میں نیک گمان کرنے کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک تیری حرمت سے بڑی ہے[2]۔ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپؓ نے فرمایا، تیرے مسلمان بھائی کی زبان سے جو کلمہ نکلا ہو جہاں تک تجھ سے ہو سکے اُسے بھلائی اور اچھائی پر محمول کر[3]۔

۵۔ عیوب کی ٹوہ نہ لگاؤ: (وَلَا تَجَسَّسُوا)۔

انسان پہلے دوسرے کے بارے میں بدگمانی کرتا ہے پھر اپنے

---

[1] ریاض الصالحین، باب ۲۹، بحوالہ بخاری و مسلم۔ [2] ابن کثیر بحوالہ ابن ماجہ [3] ابن کثیر۔

Marfat.com

بدگمان کی تصدیق کے لیے دوسرے کے عیوب کی ٹوہ لگاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بدگمانی سے اجتناب کرنے کا حکم دینے کے بعد عیبوں کی ٹوہ لگانے سے بھی منع فرمادیا۔ ایسا کرنے والے کا وقت برباد ہوتا ہے، توانائیاں ضائع ہوتی ہیں، ذہن پریشان رہتا ہے، دل کڑھتا رہتا ہے۔ اگر دوسرے شخص کو پتا چل جائے کہ اس کی جاسوسی کی جارہی ہے تو اسے بہت رنج پہنچتا ہے، اس کے دل میں نفرت پیدا ہوتی ہے اور باہمی تعلقات میں کشیدگی آجاتی ہے۔ اگر فی الواقع بدگمانی درست ثابت ہوجائے، اس میں وہ عیب یا گناہ نکل آئے تو اس سے برائی کو اشاعت ملے گی، اس کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ حضور اکرمؐ کا ارشاد ہے:

"اگر تم مسلمانوں کی پوشیدہ باتوں کے پیچھے پڑو گے تو اُن کو بگاڑ دو گے۔"[1]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ ان کے پاس ایک آدمی کو لایا گیا اور انہیں بتایا گیا یہ فلاں شخص ہے اس کی داڑھی سے شراب ٹپک رہی ہے تو انہوں نے کہا ہمیں تجسس سے منع کیا گیا ہے، لیکن اگر کوئی چیز ہمارے سامنے ظاہر ہوجائے تو ہم اس پر مواخذہ کریں گے۔[2] اسی طرح امیر المومنین حضرت عمرؓ کا ایک واقعہ مشہور ہے۔ مدینہ منورہ کے بازار میں مسافروں کے ایک گروہ نے پڑاؤ ڈالا۔ آپؓ رات کو حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو ساتھ لے کر چوروں سے اس گروہ کی رکھوالی کے لیے ایک ٹیلے پر جا بیٹھے۔ اتنے میں دور کسی گھر سے چراغ کی روشنی دکھائی دی۔ حضرت عمرؓ نے حکم جاری کیا ہوا تھا کہ رات کو سونے سے پہلے چراغ گل کردیا کرو، کیونکہ ایسے حادثات ہوچکے تھے کہ چوہا دیے کی بتی پکڑ کر گھر کی چھت میں پھینک دیتا اور چھت چونکہ کھجور کی شاخوں کی بنی ہوتی تھی اس لیے جل جاتی)۔ اتنی رات گئے چراغ کی روشنی دیکھ کر حضرت عمرؓ نے کہا کہ آؤ چل کر دیکھتے ہیں، چراغ کیوں جل رہا ہے۔ جاکر دیکھا تو کچھ لوگ گھر میں شراب پی پلا رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اگلی صبح گھر کے مالک کو بلوایا اور اس سے باز پرس کی کہ تُو اور تیرے ساتھی کل رات شراب پی پلا رہے تھے۔ اس نے کہا: آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ آپؓ نے کہا، میں نے خود دیکھا ہے۔ اس نے کہا کیا اللہ نے جاسوسی کرنے سے منع نہیں کیا؟ (اس کا اشارہ اس آیت کی طرف تھا)۔ حضرت عمرؓ نے یہ سُن کر اسے چھوڑ دیا۔ [illegible]

اسلام کی تعلیم تو یہ ہے کہ عیبوں پر پردہ ڈالا جائے۔ بُرائی کو اچھالا جائے تو پھیلتی ہے اور اگر پردہ ڈالا جائے تو کم ہوتی ہے۔ حضور اکرمؐ کا فرمان ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کی پردہ داری

---

[1] ریاض الصالحین، باب ۱۲۸، بحوالہ ابوداؤد۔ [2] ایضاً۔ [illegible]

Marfat.com

کرے اسے اتنا ثواب ملے گا جیسے کسی نے زندہ درگور کردہ لڑکی کو زندہ کیا[1] ایک حدیث میں اس طرح آیا ہے کہ جو کسی مسلمان کی پردہ داری کرے گا قیامت کے روز اللہ اس کی پردہ داری کرے گا[2]

۶۔ غیبت نہ کرو: (وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا)

اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو ایک دوسرے کی غیبت کرنے (عدم موجودگی میں برائی کرنے۔ چغلی کھانے) سے منع کیا ہے۔ حدیث میں آیا ہے، لوگوں نے پوچھا، یارسول اللہ! غیبت کیا ہے؟ فرمایا یہ کہ تو اپنے مسلمان بھائی کی کسی ایسی بات کا ذکر کرے جو اُسے بُری معلوم ہو۔ عرض کیا گیا، اگر ■ اس میں ہو تب بھی؟ فرمایا، ہاں غیبت تو یہی ہے، ورنہ بہتان اور تہمت ہے[3] یعنی غیبت یہ ہے کہ اپنے بھائی کی عدم موجودگی میں اس کے متعلق ایسی سچی بات کہنا کہ اگر اس کے منہ پر کی جاتی تو وہ اس کا بُرا مانتا۔

غیبت سے بھی آپس میں نفرتیں اور کدورتیں پیدا ہوتی ہیں، دشمنی بنتی ہے، لہٰذا اس سے بڑی سختی سے منع کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے غیبت کرنے کی اپنے مُردہ بھائی کا ریا اپنے بھائی کا مُردہ) گوشت کھانے سے مثال بیان فرمائی ہے جس سے انسان کو واقعی بہت گھن آتی ہے۔ پس غیبت بہت ہی گھناؤنا اور قابلِ مذمت فعل ہے۔ اس کے پیچھے بھی اپنے بھائی کو بدنام کرنے اور اس کی تحقیر و تذلیل کرنے کا جذبہ ہی کارفرما ہوتا ہے اور یہ قطعی طور پر ممنوع ہے۔ یہ برائی کو پھیلانے کا بھی ذریعہ بنتی ہے۔ برائی کا جتنا چرچا کیا جائے اتنی ہی پھیلتی ہے۔

حدیث شریف میں چغل خور کے لیے سخت وعید ہے۔ آپؐ کا ارشاد ہے:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ نَمَّامٌ[4]

"چغل خور جنت میں داخل نہیں ہو گا۔"

ایک اور حدیث میں حضورؐ کا فرمان ہے:

"اے لوگو جن کی زبانیں تو ایمان لاچکی ہیں لیکن مومن نہیں ہوئے، تم مسلمانوں کی

---

[1] ابن کثیر بحوالہ مسند احمد

[2] ریاض الصالحین، باب ۲۷، بحوالہ بخاری و مسلم

[3] ابن کثیر، بحوالہ ابو داؤد۔ [4] ریاض الصالحین، باب ۲۵۴، بحوالہ بخاری و مسلم

Marfat.com

غیبتیں کرنا چھوڑ دو اور ان کے عیبوں کی ٹوہ نہ لگایا کرو، یاد رکھو اگر تم نے ان کے عیب ٹٹولے تو اللہ تمہارے ننگ ظاہر کر دے گا، یہاں تک کہ تم اپنے گھرانے والوں میں بھی بدنام اور رسوا ہو جاؤ گے۔[1]

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، معراج والی رات میں نے دیکھا کہ کچھ لوگوں کے ناخن تانبے کے ہیں جن سے وہ اپنے چہرے اور سینے نوچ رہے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ جبرئیلؑ یہ کون لوگ ہیں؟ کہا، یہ وہ ہیں جو لوگوں کے گوشت کھاتے تھے اور ان کی عزتیں لوٹتے تھے۔[2]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص اپنے بھائی کی عدم موجودگی میں اس کا دفاع کرے گا اللہ اس پر دوزخ کی آگ حرام کر دے گا۔ یہ غیبت کے برعکس رویّہ اختیار کرنے کا اجر ہے۔

---

[1] ابن کثیر۔ [2] ابن کثیر بحوالہ ابوداؤد۔

Marfat.com

سُورَۃُ الفُرقَانِ

(آخری پندرہ آیات)

سُورت الفرقان قرآن مجید کی پچیسویں سورت ہے۔ مکی سُورت ہے، اس کی ۷۷ آیات اور ۶ رکوع ہیں۔ اس کے اہم مضامین میں قرآن حکیم کی حقّانیت، توحید و رسالت کا اثبات اور ان کے بارے میں مشرکین کے اعتراضات اور ان کے جواب شامل ہیں۔

نصاب میں اس سورت کی صرف آخری پندرہ آیات (۶۳ تا ۷۷) شامل ہیں۔ ان آیات میں اللہ کے بندوں کی صفات بیان کی گئی ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا

اور بندے	رحمٰن	جو	چلتے ہیں	پر	زمین	نرمی، سکون و وقار

اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو چلتے ہیں زمین پر نرمی اور سکون و وقار سے

وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾

اور جب	وہ مخاطب ہوا ان سے)	جاہل۔ گنوار	بولے	سلام

اور جب مخاطب ہوتے ہیں ان سے بے سمجھ گنوار لوگ تو کہہ دیں سلام ہے

الفاظ کی تشریح

عِبَادُ الرحمٰن: عباد جمع ہے عَبْد کی، بندے۔ عباد الرحمٰن، رحمٰن کے بندے۔
رحمٰن کے بندے تو سبھی ہیں، اس کی بندگی سے کون باہر ہے، یہاں اللہ تعالیٰ نے بعض صفات والے بندوں کو اپنے سے جو اضافت دی ہے تو یہ ان کی عزت اور توقیر و تکریم

Marfat.com

کے لیے ہے۔ مراد ہے، رحمٰن کے خاص بندے، رحمٰن کے پسندیدہ بندے، رحمٰن کے سچے اور اصلی بندے۔

یَمْشُوْنَ: وہ چلتے ہیں۔ یمشی وہ چلتا ہے۔ مشٰی وہ چلا۔

ھَوْنًا: لفظ ھَوْن کا لغوی معنی ہے: نرمی، سکون و وقار۔ یہاں ایسی نرمی، سکون اور وقار مراد ہے جس میں خوفِ خدا کی وجہ سے تواضع، انکسار اور عاجزی ہو۔

الجاھلون: جمع ہے جاہل کی جس کے معنی ہیں: (۱) نادان۔ بے علم۔ (۲) بے سمجھ۔ (۳) گنوار، اکھڑ۔

آیت کی توضیح

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص اور پسندیدہ بندوں کی دو صفات بیان فرمائی ہیں:

۱۔ پہلی صفت — سکون و وقار سے چلتے ہیں

رحمٰن کے بندوں کی پہلی صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ جب زمین پر چلتے ہیں تو نرمی اور سکون و وقار سے چلتے ہیں۔ مراد ہے ان کی چال میں اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے تواضع اور عاجزی ہوتی ہے۔ آنکھیں اور کندھے جھکے ہوئے رہتے ہیں، اکڑ کر نہیں چلتے، تیز رفتاری سے بھاگنے کے انداز میں نہیں چلتے، رحمٰن کے خاص اور سچے بندے ہیں، پس شریفانہ اور باوقار انداز سے چلتے ہیں۔ اس سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ وہ بیماروں کی طرح بالکل آہستہ آہستہ چلتے ہیں اور نہ تصنع اور بناوٹ سے کام لے کر، کمر جھکا کر چلتے ہیں، لوگوں کو دکھانے کے لیے کہ اس میں بڑی عاجزی اور انکساری ہے۔ حضور اکرمؐ ایسے چلتے تھے گویا آپؐ کسی اونچائی سے اتر رہے ہیں اور جیسے زمین آپؐ کے لیے لپٹی جا رہی ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے ایک نوجوان کو دیکھا کہ بہت آہستہ آہستہ چل رہا ہے، آپؓ نے پوچھا، کیا تو بیمار ہے؟ اس نے جواب دیا، نہیں۔ آپؓ نے کہا پھر یہ کیا چال ہے؟ خبردار! جو اب اس طرح چلا تو کوڑے کھائے گا۔ طاقت کے ساتھ جلدی جلدی چلا کر، یعنی سکون اور وقار کے ساتھ شریفانہ چال چلا کر، نہ کہ ضعیفوں اور بیماروں کی طرح۔ ایک حدیث میں ہے کہ جب نماز کے لیے آؤ تو دوڑ کر نہ آؤ بلکہ سکون کے ساتھ آؤ، جو جماعت کے ساتھ مل جائے ادا کر لو اور جو فوت ہو جائے پوری کر لو۔[1]

---

[1] ابن کثیر۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے اکڑ کر چلنے سے منع فرمایا ہے:

وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ج (بنی اسرائیل ۱۷: ۳۷)

ترجمہ: "اور نہ چل زمین پر اکڑ کر۔"

مختصر یہ کہ رحمٰن کے بندے نہ دوڑنے کے انداز میں چلتے ہیں اور نہ مریضوں اور ضعیفوں کی طرح آہستہ آہستہ، بلکہ میانہ روی اختیار کرتے ہیں۔ ان کی چال میں نرمی، سکون، وقار اور عاجزی و انکساری ہوتی ہے۔ اور یہ چال زندگی کے دیگر تمام امور میں ان کی روش کو ظاہر کرتی ہے۔ وہ تمام امور میں میانہ روی، تواضع، نرمی، سکون و وقار اور شرافت کے حامل ہوتے ہیں۔

۲۔ دوسری صفت — گنواروں سے نہیں اُلجھتے

اس آیت میں رحمٰن کے بندوں کی ایک اور صفت بیان کی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ جب بے علم، بے سمجھ اور بے تہذیب لوگ ان سے بات کرتے ہیں تو وہ ان سے اُلجھتے نہیں بلکہ سلام کہہ کر ان سے الگ ہو جاتے ہیں۔ یعنی وہ لغو، بیہودہ اور ناشائستہ بات کا جواب دے کر اپنی زبان کو آلودہ نہیں کرتے۔ عربوں کی عادت تھی کہ اگر کسی سے خیر یا شر، برائی کا یا بھلائی کا کسی طرح کا بھی واسطہ نہ رکھنا چاہتے تو اس سے الگ ہونے اور چھٹکارا پانے کے لیے سلامًا کا لفظ بولتے تھے۔ بہر حال، گنوار منہ کو آئیں تو ان سے نہ اُلجھنے کا یہ انتہائی خوبصورت طریقہ ہے کہ انہیں "سلام ہے" کہہ کر چھٹکارا پا لیا جائے۔

یہی وصف قرآنِ حکیم میں ایک اور مقام پر بھی بیان ہوا ہے:

وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ ۝ (القصص ۲۸: ۵۵)

ترجمہ: "اور جب وہ بیہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے منہ موڑ لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں، ہمارے لیے ہمارے اعمال اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں، تم کو سلام ہے، ہم گنواروں سے اُلجھنا نہیں چاہتے۔"

رسول اکرمﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ جوں جوں دوسرا آپ پر تیز ہوتا آپ اتنے ہی نرم ہوتے[1]

وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا ﴿۶۴﴾

اور جو	رات گزارتے ہیں	لیے رب ان کا	سجدہ کرنے والے اور قیام کرنے والے

اور جو رات گزارتے ہیں اپنے رب کے لیے سجدہ کرتے اور قیام کرتے ہوئے

---

[1] ابن کثیر۔

Marfat.com

الفاظ کی تشریح

يَبِيْتُوْنَ : وہ رات گزارتے ہیں۔ بَاتَ اس نے رات گزاری۔ يَبِيْتُ وہ رات گزارتا ہے۔

سُجَّدًا : جمع ہے سَاجِدٌ کی، سجدہ کرنے والے۔

قِيَامًا : جمع ہے قَائِمٌ کی، کھڑے ہونے والے۔ نماز میں قیام کرنے والے۔

آیت کی توضیح

۳۔ تیسری صفت ۔ عبادت گزار ہیں

اس آیت مبارکہ میں رحمٰن کے خاص بندوں کی تیسری صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ رات بسر کرتے ہیں اپنے رب کے لیے سجدہ گزاری اور قیام کی حالت میں، یعنی ساری رات سو کر نہیں گزارتے بلکہ اس کا کچھ حصہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزارتے ہیں۔ رات کو عشاء کی فرض نماز ادا کرتے ہیں، پھر نوافل پڑھتے ہیں، تہجد کی نماز پڑھتے ہیں۔

اس سے پہلے والی آیت میں عباد الرحمٰن کے بارے میں بتایا تھا کہ وہ دن کس طرح گزارتے ہیں (میانہ روی میں اور گنواروں سے نہ اُلجھ کر، ان کی تکلیف دہ باتیں سن کر برداشت کرتے ہوئے) اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ وہ رات کس حالت میں گزارتے ہیں۔ یعنی ان دو آیات میں ان کے شب و روز کے معمولات بیان فرما دیے ہیں، ایک اور مقام پہ ایمان لانے والوں کی یہ صفت بیان کی گئی ہے:

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ز

(السجدہ، ۳۲ : ۱۶)

ترجمہ: "ان کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں، اپنے رب کو پکارتے ہیں ڈر اور امید کے ساتھ"

عباد الرحمٰن دن کو بھی اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں، نمازیں ادا کرتے ہیں، رات کی عبادت گزاری کا ذکر اس لیے فرمایا کہ رات کو باقی لوگ تو سو رہے ہوتے ہیں لیکن اس کے خاص بندے رات کا بھی کچھ حصہ اللہ کی عبادت میں گزارتے ہیں۔ (پوری رات عبادت میں گزارنے سے حضورؐ نے منع فرمایا ہے۔ آپؐ نے عبادت میں میانہ روی کی ہدایت فرمائی ہے[1])

---

[1] رسول کریمؐ سے اس مضمون کی متعدد احادیث روایت کی گئی ہیں، مثلاً دیکھیے ریاض الصالحین، باب ۱۴، فی الاقتصاد فی الطاعۃ (عبادتِ الٰہی میں میانہ روی کے بارے میں)۔

Marfat.com

وَالَّذِيۡنَ يَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَا اصۡرِفۡ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ

اور جو | کہتے ہیں وہ | اے رب ہمارے | پھیر | ہم سے | عذاب | جہنم

اور جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! پھیر دے ہم سے جہنم کا عذاب

اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿٦٥﴾

یقیناً | عذاب | اس (کا) | ہوا ہے | دائمی عذاب، چمٹ جانے والا عذاب، وبال

یقیناً اس کا عذاب دائمی وبال ہے

اِنَّهَا سَآءَتۡ مُسۡتَقَرًّا وَّ مُقَامًا ﴿٦٦﴾

یقیناً وہ | بُری ہوئی | ٹھہرنے کی جگہ | اور اقامت کی جگہ، رہنے کی جگہ

یقیناً وہ بُری جگہ ہے ٹھہرنے کی اور رہنے کی

الفاظ کی تشریح

رَبَّنَا : اس سے پہلے یَا (= اے) محذوف ہے۔ اے ہمارے رب۔

اِصۡرِفۡ عَنَّا : ہم سے پھیر دے، پَرے کر دے، ہٹا دے۔

غَرَامًا : دائمی عذاب۔ چمٹ جانے والا عذاب۔ وبال جو کبھی نہ ہٹے۔

آیت کی توضیح

۴۔ چوتھی صفت ـــ عذابِ جہنم سے بچنے کی دعا کرتے ہیں

ان دو آیات میں عباد الرحمٰن کا یہ وصف بیان کیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے التجا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم سے جہنم کے عذاب کا رُخ پھیر دے۔ یقیناً اس کا عذاب چمٹ جانے والا اور کبھی دور نہ ہونے والا ہے اور یہ جہنم تو بہت بُری جگہ ہے ٹھہرنے اور رہنے کی۔ اس دعا سے پتا چلتا ہے کہ قرآنِ مجید اور حدیثِ نبوی میں جہنم کے عذاب کی جو تفصیلات بیان کی گئی ہیں ان کی صداقت پر یہ پختہ یقین رکھتے ہیں اور انہیں ان کا علم ہے۔ یہ تو ہے ان کے ایمان کی مضبوطی کا حال۔ یہ نہایت نیک لوگ ہیں۔ تواضع اور انکساری سے کام لینے والے ہیں،

Marfat.com

کسی سے اُلجھتے نہیں، راتیں عبادت الٰہی میں گزارتے ہیں پھر بھی اللہ سے دعا کرتے رہتے ہیں کہ ہمیں عذابِ جہنم سے بچا۔ یقیناً وہ اللہ کے لطف وکرم کی امید رکھتے ہیں مگر جہنم اور اس کا عذاب اتنے ہولناک ہیں کہ جسے اس کا علم ہو جاتے وہ اس کے ذکر سے لرز اٹھتا ہے۔ اس سے جہنم کی ہولناکی ظاہر ہوتی ہے۔ گنہگار کچھ مدت جہنم میں گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد اس سے نجات پالیں گے، یعنی یہ ان کا مستقر ہے، لیکن اتنی مدت بھی اس میں گزارنا نہایت تکلیف دہ اور روح فرسا ہے۔ کفار ومشرکین کا یہ مقام ہے، وہ اسی میں رہیں گے۔ ان کا کیا حال ہوگا!

قرآنِ حکیم میں متعدد مقامات پر دوزخ سے ڈرایا گیا ہے اور اس سے بچاؤ کرنے کے لیے متنبہ کیا گیا ہے۔ مثلاً ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ (البقرہ ۲: ۲۴)

ترجمہ: "پس اس آگ سے بچو جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں۔"

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو عذابِ جہنم سے بچاؤ کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین!

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا

اور | جو | جب | خرچ کیا انہوں نے | نہ کی فضول خرچی انہوں نے | اور نہ کی کنجوسی انہوں نے

اور جو خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ کنجوسی کرتے ہیں

وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿۶۷﴾

اور | ہوا | درمیان | وہ | عدل۔ اعتدال

اور (ان کا خرچ کرنا) ان کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے

الفاظ کی تشریح

لَمْ يُسْرِفُوْا: انہوں نے اسراف نہیں کیا۔ فضول خرچی نہیں کی۔

لَمْ يَقْتُرُوْا: انہوں نے خرچ کرنے میں تنگی نہیں کی۔ بخل سے کام نہیں لیا۔ لَمْ يُسْرِفُوْا کی ضد ہے۔

قَوَامًا: عدل۔ وہ چیز جس سے دو چیزوں کے درمیان توازن قائم ہو۔ اعتدال۔

Marfat.com

آیت کی توضیح

۵۔ پانچویں صفت ۔ خرچ میں اعتدال کی راہ اختیار کرتے ہیں

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے عباد الرحمٰن کی پانچویں صفت بیان فرمائی ہے جو یہ ہے کہ وہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ ہی تنگی اور کنجوسی سے کام لیتے ہیں بلکہ ان دونوں انتہاؤں اور افراط و تفریط کے درمیان اعتدال کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ قرآن حکیم میں ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا (بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۹)

ترجمہ: "اور نہ اپنا ہاتھ اپنی گردن سے باندھ رکھو اور نہ اسے پورا ہی کھول دے کر پھر ملامت کیا ہوا اور عاجز بن کے بیٹھ رہے۔"

گردن سے ہاتھ باندھنے سے مراد بخل سے کام لینا اور پورا ہاتھ کھولنے سے مراد مال لٹانا، فضول خرچی کرنا ہے۔

رسول اکرمؐ نے بھی خرچ کرنے کے بارے میانہ روی اختیار کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ آپؐ کا ارشاد ہے:

مَا عَالَ مَنِ اقْتَصَدَ "جو میانہ روی اختیار کرتا ہے وہ محتاج نہیں ہوتا۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زندگی کے ہر معاملے میں اعتدال کی روش اپنانے کی تعلیم دی ہے۔ آپؐ کا ارشاد گرامی ہے: خَيْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُهَا "بہترین معاملہ میانہ روی ہے۔"

اسراف کیا ہے؟ اس کی بابت مفسرین کے متعدد اقوال روایت کیے گئے ہیں:

(۱) بطاعتِ الٰہی کے سوا کسی کام میں خرچ کرنا اسراف ہے اور اطاعتِ الٰہی کے کام میں خرچ نہ کرنا بخل ہے، اور اطاعتِ الٰہی کے کام میں خرچ کرنا اعتدال ہے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے: حق کی راہ میں کوئی سو ہزار (ایک لاکھ) خرچ کر دے تو اسراف نہیں ہے اور ناحق ایک درہم خرچ کرنا بھی اسراف ہے اور اپنے پورے حق میں خرچ نہ کرنا بخل ہے۔

(۳) انسان افراط سے کام نہ لے کر جس سے کسی دوسرے کا یا اہل و عیال وغیرہ کا حق مارا جائے

Marfat.com

اور نہ اتنی تنگی سے کام لے کہ اہل و عیال کو ہی فاقے کرائے۔ اچھی صورت ان دونوں کے درمیان اعتدال کی ہے [1]

وَ الَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـھًا اٰخَرَ

اور جو نہیں پکارتے وہ ساتھ اللہ معبود دوسرا

اور جو نہیں پکارتے اللہ کے ساتھ دوسرے معبود کو

وَ لَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ

اور نہیں قتل کرتے وہ جان جو حرام ٹھہرائی اس نے اللہ سوائے ساتھ حق

اور وہ نہیں قتل کرتے اس جان کو جس کو اللہ نے حرام ٹھہرایا سوائے (اس کے کہ) حق کے ساتھ

وَ لَا یَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ یَلْقَ اَثَامًا ﴿۶۸﴾

اور نہیں زنا کرتے وہ اور جو کرے وہ سامنا کرے گا گناہ کا بدلہ۔ وبال

اور وہ زنا نہیں کرتے اور جو یہ کرے گا وہ گناہ کے وبال کا سامنا کرے گا

یُّضٰعَفْ لَہُ الْعَذَابُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ

دوگنا کیا جائے گا لیے اس کے عذاب روز قیامت

دوگنا کیا جائے گا اس کے لیے عذاب قیامت کے روز

وَ یَخْلُدْ فِیْہٖ مُھَانًا ﴿۶۹﴾ ق صلے

اور مقیم رہے گا اس میں رسوا کیا ہوا۔ ذلیل کیا ہوا

اور وہ مقیم رہے گا اس میں خوار ہو کر

الفاظ کی تشریح

اَثَام : گناہ کا بدلہ۔ گناہ کی سزا۔ گناہ کا وبال۔ بعض مفسرین کے نزدیک جہنم کی ایک

[1] یہ تینوں اقوال القرطبی سے لیے گئے ہیں۔

Marfat.com

وادی کا نام ہے جس میں نہایت تکلیف دہ اور ہولناک عذاب دیا جائے گا۔

یُضَاعَفْ : دوگنا کر دیا جائے گا۔ کئی گنا کر دیا جائے گا۔

مُهَانًا : جس کی اہانت کی گئی۔ توہین کی گئی۔ جسے بے آبرو کیا گیا۔

آیات کی توضیح

۶- چھٹی صفت ـــ شرک نہیں کرتے : (وَ الَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ)

عباد الرحمٰن کی چھٹی صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہیں پکارتے، یعنی وہ شرک نہیں کرتے۔ نہ وہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت کرتے ہیں اور کسی سے مدد مانگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرک بہت بڑا گناہ ہے، ظلم عظیم ہے اور اللہ شرک کے سوا جس کے لیے جو گناہ چاہے معاف فرما دے گا مگر شرک کو معاف نہیں فرمائے گا۔ مشرک کے تمام اعمالِ صالحہ بھی ضائع جائیں گے، کسی کا بھی آخرت میں اجر نہیں ملے گا۔ شرک ناقابلِ معافی گناہ ہے اور انسانوں کو گروہ در گروہ تقسیم کرنے کا ذریعہ رہا ہے عیار اور مکار لوگوں کے پاس، تاکہ وہ لوگوں کو ٹکڑوں میں تقسیم کر کے ان کا استحصال کر سکیں۔ جتنے خدا ہوں گے اتنے ہی گروہ بنیں گے۔ پھر شرک سے انسان بزدل، توہم پرست اور کمزور ہو جاتا ہے، اس سے بھی عیار لوگ خوب فائدہ اٹھاتے ہیں۔ (شرک کی نفی، اس کے خلاف دلائل اور اس کے نقصانات کے لیے دیکھیے عنوان "توحید")۔

۷- ساتویں صفت ـــ ناحق قتل نہیں کرتے

عباد الرحمٰن کی ساتویں صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ جس جان کو اللہ نے حرام ٹھہرایا ہو، یعنی اس کو قابلِ احترام قرار دیا ہو اسے قتل کرنے سے منع فرمایا ہو یہ اس کو قتل نہیں کرتے سوائے اس کے کہ حق کے ساتھ۔ حق کے ساتھ قتل سے مراد ہے، قصاص میں قتل کرنا، محصن (شادی شدہ) زانی یا زانیہ کو سنگسار کرنا اور دین چھوڑ کر جماعت سے الگ ہو جانے والے (یعنی مرتد) کو قتل کرنا۔ حق کے ساتھ قتل کرنے کا اختیار فرد کو نہیں بلکہ حکومت کو ہے۔

قتل ایک نہایت ہی گھناؤنا جرم ہے اور ہمیشہ ہر معاشرے میں قتلِ ناحق کی مذمت کی جاتی رہی ہے اور اس جرم پر سخت سزا دی جاتی رہی ہے۔ اسلام میں بھی قتل کی سخت مذمت کی گئی ہے اور سختی کے ساتھ اس سے منع کیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱) مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ

Marfat.com

جَمِيعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا ۭ (المائدہ ۵ : ۳۲)

ترجمہ: "جس نے کسی انسان کو قتل کیا بغیر اس کے کہ اس نے کسی انسان کو قتل کیا ہو یا فساد پھیلایا ہو تو اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی ایک کو زندگی بخشی گویا اس نے تمام انسانوں کو زندگی بخشی۔"

(۲) وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا (النساء ۴ : ۹۳)

ترجمہ: "اور جو قتل کرے گا کسی مومن کو جان بوجھ کر تو اس کی سزا جہنم ہے وہ اس میں مقیم رہے گا۔"

اسلام میں چھوٹے بڑے، امیر غریب، گورے کالے، حاکم و محکوم سب کی جان یکساں طور پر محترم ہے اور قاتل کے لیے یہ سزا ہے کہ اسے قصاص میں قتل کیا جائے۔

رحمٰن کے خاص بندے جن کے نہایت اعلیٰ اوصاف بیان ہوئے ہیں وہ ایسے کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیونکر کر سکتے ہیں! وہ کبھی کسی انسان کو قتل نہیں کرتے۔

۸۔ آٹھویں صفت ۔ بدکاری نہیں کرتے: (وَلَا يَزْنُوْنَ)

رحمٰن کے بندوں کی آٹھویں صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ زنا نہیں کرتے۔ زنا سے مراد ہے نکاح کے بغیر مرد و زن کا آپس میں انتہائی جنسی تعلق قائم کرنا۔ معاشرتی جرائم میں سے قتل کے بعد یہ اسلام میں سب سے بڑا جرم ہے، اور یہاں قتل کے فوراً بعد اس کا ذکر آیا ہے۔ پہلے نمبر پر شرک، دوسرے پر قتل اور تیسرے پر زنا کا ذکر آیا ہے۔ حجۃ الوداع کے خطبہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: چار گناہوں سے بہت بچو، اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے سے، قتلِ ناحق سے، زناکاری سے اور چوری سے[۱] اور حضورؐ کا فرمان ہے کہ پڑوس کی عورت سے زنا کرنا دس عورتوں سے زنا کرنے سے بھی بدتر ہے[۲]

اسلام میں زنا کی نہایت سخت سزا رکھی گئی ہے۔ شادی شدہ (محصن ۔ محصنۃ) زنا کرے، مرد ہو یا عورت، تو اس کی سزا سنگسار کرنا ہے اور اگر غیر شادی شدہ زنا کریں تو اس کی سزا سو کوڑے ہے[۳]

بدکاری سے اتنی سختی سے منع کرنے اور اس کے لیے ایسی کڑی سزائیں رکھنے کی وجہ قابلِ فہم ہے۔ اسلام اہلِ ایمان کے معاشرے کو اعلیٰ اخلاقی سطح پر، پُر امن، پُر وقار اور

---

[۱] ابن کثیر [۲] ابن کثیر بحوالہ مسند احمد [۳] سورہ النور ۲۴ : ۲۔

Marfat.com

پرسکون دیکھنا چاہتا ہے۔ کسی کی عزت پر حملہ (جبراً ہو یا باہمی رضامندی سے) معاشرے میں قتل و غارت اور فساد کا موجب بنتا ہے۔ اس بارے میں اکثر لوگ بہت عزت و حمیت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اس سے اور بھی بہت سے معاشرتی مسائل پیدا ہوتے ہیں اس لیے اس فعلِ قبیح سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے۔ رحمٰن کے خاص بندے اس فعلِ بد کا ارتکاب نہیں کرتے۔

ایسا فعل کرنے والا اس کے وبال کا سامنا کرے گا اور اس کا وبال یہ ہو گا کہ قیامت کے روز اس کا عذاب دونا کر دیا جائے گا اور وہ اس میں بے آبرو اور ذلیل ہو کر پڑا رہے گا۔

إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا

سوائے جو توبہ کی اس نے اور ایمان لایا وہ اور کیا اس نے عمل نیک

سوائے اس کے جو ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیا

فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ

تو وہ بدل دیتا ہے اللہ برائیاں ان (کی) اچھائیاں نیکیاں

تو یہ وہ لوگ ہیں کہ بدل دیتا ہے اللہ ان کی برائیوں کو نیکیوں میں

وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿۷۰﴾

اور ہے اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا

اور اللہ بخشنے والا ہے رحم کرنے والا ہے

الفاظ کی تشریح

تَابَ : وہ پلٹا۔ باز آیا۔ رجوع کیا۔ توجہ کی۔ رخ کیا۔ توبۃً اور متاباً مصدر ہیں۔

سَیِّئَات : جمع ہے سَیِّئَۃٌ کی۔ برائیاں۔

حَسَنَات : جمع ہے حَسَنَۃٌ کی، اچھائیاں۔ نیکیاں۔

Marfat.com

آیت کی توضیح

اس سے پہلے والی دو آیات کریمہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے تین انتہائی سنگین اور گھناؤنے گناہوں کا ذکر فرمانے کے بعد ان کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے جہنم میں سخت عذاب کی وعید سنائی تھی۔ وہ تین گناہ یہ ہیں:

۱۔ شرک۔ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارنا، یعنی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا۔

۲۔ قتلِ ناحق۔

۳۔ زنا۔

اب اس آیت مبارکہ میں اللہ غفور و رحیم فرما رہا ہے کہ البتہ ان گناہوں کی سزا کے طور پر ان لوگوں کو عذاب نہیں ملے گا جو ان گناہوں سے تائب ہو گئے (باز آ گئے)، اور ایمان لائے اور نیک عمل کیے۔ ان تین سنگین اور کبیرہ گناہوں کے مرتکبین میں سے اللہ تعالیٰ نے ان کو ان گناہوں کی سزا سے مستثنیٰ فرما دیا ہے جنہوں نے تین کام کیے: (۱) ان گناہوں سے توبہ کر لی۔ (۲) ایمان لے آئے۔ (۳) نیک عمل کیے۔

توبہ کرنے، ایمان لانے اور عملِ صالح کرنے والوں کو ان گناہوں کی سزا ہی معاف نہ ہو گی بلکہ اللہ ان کی برائیوں کو نیکیوں میں بدل دے گا کہ ■ غفور و رحیم ہے۔

توبہ کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے

جن لوگوں نے اسلام لانے سے پہلے شرک کے علاوہ قتل اور زنا جیسے سنگین جرائم بھی کیے ہوں وہ یہ سمجھ کر اسلام لانے سے نہ رکے رہیں کہ ہمارے اسلام لانے کا کیا فائدہ، ہم نے تو یہ اور یہ جرائم کیے ہوتے ہیں، یہ بھلا کب معاف ہو سکتے ہیں۔ انہیں ہرگز مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ اسلام میں توبہ کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔ وہ جب بھی ان گناہوں سے توبہ کر لیں، ایمان لے آئیں اور پھر نیک کام کریں اللہ تعالیٰ ان کے پچھلے تمام گناہ معاف فرما دے گا اور ان کی برائیوں کو نیکیوں میں بدل دے گا۔ قرآن حکیم میں ایک اور جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝

(الزمر، ۳۹: ۵۳)

ترجمہ: (اے نبی!) فرما دیجیے، اے میرے بندو جنہوں نے اپنے اوپر زیادتی کی تم مایوس نہ ہو

Marfat.com

اللہ کی رحمت سے ۔ یقیناً اللہ تمام گناہ دے گا ۔ یقیناً وہ بڑا بخشنے والا سدا رحم کرنے والا ہے۔
(اس آیت میں اپنے اوپر زیادتی سے مراد کفر و شرک ہے)۔

رسولِ اکرمؐ کی احادیث مبارکہ سے بھی اس مضمون کی تائید و توضیح ہوتی ہے ۔ مثلاً ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک بوڑھا ضعیف آدمی جس کی بھویں آنکھوں پر آ گئی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا ، یا رسول اللہؐ ! میں ایک ایسا شخص ہوں جس نے کوئی غداری کوئی گناہ کوئی بدکاری باقی نہیں چھوڑی ، میرے گناہ اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ اگر تمام انسانوں پر تقسیم ہو جائیں تو سب کے سب اللہ کے غضب میں گرفتار ہو جائیں ۔ کیا میری بخشش کی بھی کوئی صورت ہو سکتی ہے ؟ کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے ؟

آپؐ نے فرمایا ، تم مسلمان ہو جاؤ ۔ اس نے کلمہ پڑھ لیا تو آپؐ نے فرمایا ، اللہ تعالیٰ تیری برائیاں ، گناہ ، بدکاریاں سب کچھ معاف فرما دے گا بلکہ جب تک تو اس پر قائم رہے گا اللہ تعالیٰ تیری برائیاں بھلائیوں سے بدل دے گا ۔ اس نے پھر پوچھا ، حضورؐ میرے چھوٹے بڑے سب گناہ معاف ہو جائیں گے ؟ آپؐ نے فرمایا ، ہاں ! سب کے سب ۔ پھر تو وہ شخص رضی اللہ عنہ ، خوشی خوشی واپس چلا گیا ، تکبیر و تہلیل کرتا ہوا۔[1]

ایک اور حدیث میں اس طرح آیا ہے کہ حضرت ابوفروہؓ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اگر کسی شخص نے سارے ہی گناہ کیے ہوں ، جو جی میں آیا پورا کیا ہو کیا ایسے شخص کی توبہ بھی قبول ہو سکتی ہے ؟ آپؐ نے فرمایا ، تم مسلمان ہو گئے ہو ؟ اس نے کہا ، جی ہاں ! آپؐ نے فرمایا ، اب نیکیاں کرو ، برائیوں سے بچو ، تو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ بھی نیکیاں کر دے گا ۔ اس نے کہا ، میری غداریاں اور بدکاریاں بھی ؟ آپؐ نے فرمایا ، ہاں ۔ اب وہ اللہ اکبر کہتا ہوا واپس چلا گیا۔[2]

وَ مَنْ تَابَ وَ عَمِلَ صَالِحًا

اور	جو	توبہ کی اس نے	اور	عمل کیا	نیک

اور جو توبہ کرے اور نیک عمل کرے

فَاِنَّهٗ یَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴿۷۱﴾

تو یقیناً وہ	پلٹتا ہے	طرف	اللہ	پلٹنا

تو یقیناً وہ پلٹ آتا ہے ۔ اللہ کی طرف جیسے پلٹنے کا حق ہے

---

[1] ابن کثیر ، بحوالہ ابن جریر ۔ نیز القرطبی ۔ [2] ابن کثیر ، بحوالہ طبرانی

Marfat.com

آیت کی توضیح

اس آیت کی توضیح میں مفسرین کرام کے درج ذیل اقوال ملتے ہیں:

(۱) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے: اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اہل مکہ میں سے جو ایمان لایا اور ہجرت کی اور اس نے قتل و زنا کا ارتکاب نہ کیا تھا بلکہ نیک عمل کیے تھے اور فرائض ادا کیے تھے تو وہ پلٹتا ہے اللہ کی طرف جیسا کہ پلٹنے کا حق ہے، یعنی اللہ نے اس کو فوقیت و فضیلت بخشی ہے اس پر کہ جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قتال کیا اور حرام کردہ چیزوں کو حلال بنایا۔[1]

القفال کا قول ہے: ممکن پہلی آیت ان مشرکین کے بارے میں ہو جنہوں نے توبہ کی اس لیے فرمایا: اِلَّا مَنۡ تَابَ وَ اٰمَنَ، پھر اس پر معطوف کر دیا ان مسلمانوں کو جنہوں نے توبہ کی اور توبہ کے بعد نیک عمل کیے تو اس کے لیے بھی توبہ کرنے والوں کا حکم ہے۔[2]

صحیح توبہ وہی ہے کہ پھر اس گناہ کا اعادہ نہ کیا جائے اور اس کے بجائے نیک اعمال کیے جائیں۔

وَ الَّذِیۡنَ لَا یَشۡہَدُوۡنَ الزُّوۡرَ ۙ

اور جو نہیں شامل ہوتے وہ جھوٹ۔ باطل

اور جو نہیں شامل ہوتے جھوٹے کام میں[3]

وَ اِذَا مَرُّوۡا بِاللَّغۡوِ مَرُّوۡا کِرَامًا ﴿۷۲﴾

اور جب گزرے وہ ساتھ بیہودہ باتیں یا مشاغل گزرے وہ شرفا

اور جب وہ گزریں بیہودہ مشاغل کے پاس سے تو گزر جاتے ہیں باوقار طریقے سے

الفاظ کی تشریح

لَا یَشۡہَدُوۡنَ: نہیں شامل ہوتے۔ نہیں موجود ہوتے۔ نہیں گواہی دیتے۔

---

[1] القرطبی۔ [2] القرطبی۔ [3] ترجمہ شاہ عبدالقادرؒ و محمود الحسنؒ۔

Marfat.com

اَلزُّوْرَ : جھوٹ ہر وہ باطل جس کو مزیّن کر دیا گیا ہو۔ رقص و سرود کی محفل۔
اَللَّغْوُ : ہر بیہودہ قول یا فعل۔ گناہ کے مشاغل۔ گناہ۔
کِرَامًا : جمع ہے کریمؔ کی۔ بزرگ۔ عزّت والے۔ شرفاء۔

آیت کی توضیح

۹۔ عبادُالرحمٰن کی نویں صفت

اس آیت مبارکہ میں رحمٰن کے خاص بندوں کی یہ صفت بتائی گئی ہے کہ :

لَا یَشْھَدُوْنَ الزُّوْرَ، یعنی وہ :

(۱) جھوٹ میں شامل نہیں ہوتے، جھوٹ نہیں بولتے۔
(۲) جھوٹی شہادت نہیں دیتے۔
(۳) باطل کاموں اور گناہ کی مجلسوں میں شامل نہیں ہوتے [۱]

اسلام سچ بولنے، سچی گواہی دینے کا حکم دیتا ہے اور جھوٹ بولنے اور جھوٹی گواہی دینے سے منع کرتا ہے۔ جھوٹ میں شامل ہونا بھی جھوٹ بولنا ہے اور رسول اکرمؐ کی مشہور حدیث ہے کہ اَلصِّدْقُ یُنْجِیْ وَ الْکِذْبُ یُھْلِکُ " سچ نجات دلاتا ہے اور جھوٹ ہلاک کرتا ہے۔ جھوٹی گواہی دینے سے حق دار اپنے حق سے محروم ہو جاتا ہے اور یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ اور اس کی تمام تر ذمے داری جھوٹی گواہی دینے والے پر عائد ہوتی ہے، کیونکہ عدالت نے تو گواہی کے مطابق فیصلہ کرنا ہوتا ہے۔ صحیحین میں یہ حدیث روایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا میں تمہیں سب سے بڑا گناہ بتا دوں ؟ یہ بات آپؐ نے تین دفعہ فرمائی۔ صحابہؓ نے عرض کیا، ہاں یا رسول اللہ۔ آپؐ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا۔ اس وقت تک آپؐ تکیہ سے ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے۔ اب اس سے الگ ہو کر فرمانے لگے سنو ! اور جھوٹی بات کہنا، سنو ! اور جھوٹی گواہی دینا۔ اسے آپؐ بار بار فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ ہم اپنے دل میں کہنے لگے کہ کاش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب خاموش ہو جاتے [۲]

رحمٰن کے خاص بندے باطل کاموں اور گناہ کی مجلسوں، مثلاً رقص و سرود کی محفل، مے خانہ وغیرہ میں شامل نہیں ہوتے۔ یہ محفلیں تو ذکرِ الٰہی سے غافل کرنے والی ہیں، مومن کا دل تو رقت

---

[۱] تفسیر عثمانی۔ [۲] ابن کثیر۔

Marfat.com

اللہ کی یاد سے معمور رہتا ہے، بھلا اس کا کیا کام ان محفلوں سے!

۱۰۔ عبادالرحمٰن کی دسویں صفت رحمٰن کے بندوں کی یہ صفت ہوتی ہے کہ خود تو کبھی بیہودہ مشاغل میں شامل نہیں ہوتے لیکن اگر کبھی ان کے پاس سے گزر ہو جائے تو متانت اور وقار کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ نہ تو ان مشاغل میں شریک لوگوں سے لڑتے جھگڑتے ہیں اور نہ ہی ترفع اور تکبّر کا انداز اختیار کرتے ہیں کہ تم تو نہایت گھٹیا اور بیہودہ لوگ ہو جبکہ ہم تو متقی اور پارسا مسلمان ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ

اور جو جب یاد دلائے گئے وہ ساتھ آیات رب (ان کا)

اور جب ان کو یاد دلائیں آیات ان کے رب کی

لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ﴿۷۳﴾

نہ گر پڑے پر وہ بہرے اور اندھے

نہیں گر پڑتے وہ ان پر بہرے اور اندھے ہو کر۔

الفاظ کی تشریح

ذُكِّرُوْا: وہ یاد دلائے گئے۔ انہیں یاد دلایا گیا۔ ذَكَّرَ اس نے یاد دلایا۔ یاددہانی کرائی۔

لَمْ يَخِرُّوْا: وہ نیچے گر نہ پڑے۔ خَرَّ وہ نیچے گر پڑا۔

صُمًّا: جمع ہے اَصَمُّ کی، بہرے۔

عُمْيَانًا: جمع ہے اَعْمٰی کی، اندھے۔ عُمْیٌ بھی جمع ہے اَعْمٰی کی۔

آیت کی توضیح

۱۱۔ عبادالرحمٰن کی گیارھویں صفت اس آیت مبارکہ میں رحمٰن کے بندوں کا یہ وصف بیان کیا گیا ہے کہ جب ان کے سامنے قرآنِ حکیم کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ ان پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گر پڑتے۔

Marfat.com

بہرے اور اندھے ہو کر گر پڑنے سے مراد ہے سُنی اَن سُنی کر دینا، دھیان نہ دینا، غور نہ کرنا۔ یہ محاورہ ایسے ہی ہے جیسے آپ کہتے ہیں کہ فلاں یہ سُن کر رونے بیٹھ گیا جبکہ "بیٹھ گیا" فی الواقع مراد نہیں ہوتا۔ اللہ کی آیات کی طرف دھیان نہ دینا کفار و مشرکین کی صفت ہے۔ وہ توجہ سے سننے اور ان پر غور و فکر کرنے کے بجائے بہروں اور اندھوں کی طرح منہ موڑ لیتے ہیں۔ لیکن رحمٰن کے بندے اللہ تعالیٰ کی آیات کو نہایت توجہ اور دھیان سے سنتے ہیں، ان سے اثر لیتے ہیں اور ان پر غور و فکر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی آیات پر غور و فکر کرنے سے توحید اور آخرت پر ایمان اور پختہ ہوتا ہے جس سے دلوں میں تقویٰ پیدا ہوتا ہے، نیکی کی رغبت بڑھتی ہے، بدی سے نفرت شدید تر ہو جاتی ہے اور مخلوقات کی بابت بہت سے اسرار منکشف ہوتے ہیں، انسانی معاشروں کے عروج و زوال کے اسباب کا پتا چلتا ہے، کائنات کے سربستہ بھید کھلتے ہیں، پھر کائنات کی تسخیر میں مدد ملتی ہے۔ خود انسان کے باطن کے بارے میں بہت سی حقیقتوں کا پتا چلتا ہے جن سے تزکیۂ نفس میں مدد ملتی ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا

اور جو کہتے ہیں وہ اے رب ہمارے بخش عطا کر لیے ہمارے

اور جو کہتے ہیں اے ہمارے رب عطا کر ہمیں

مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ

سے جوڑے ہمارے اور اولادیں ہماری ٹھنڈک آنکھیں

ہمارے جوڑوں اور ہماری اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک

وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿۷۴﴾

اور بنا ہمیں لیے متقین پیشوا

اور بنا ہمیں متقیوں کا پیشوا

الفاظ کی تشریح

هَبْ: بخش۔ عطا کر۔ وَهَبَ بخشا۔ هِبَةٌ مصدر ہے۔

Marfat.com

اَزْوَاجٌ : جمع ہے زَوْجٌ کی، جوڑے۔ زَوْجٌ شوہر اور بیوی دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ بیوی کے لیے زَوْجَۃٌ بھی آتا ہے۔

ذُرِّیّٰت : جمع ہے ذُرِّیَّۃٌ (= اولاد) کی۔ اولادیں۔

اَعْیُنٌ : آنکھیں۔ جمع ہے عَیْنٌ کی۔

آیت کی توضیح

۱۲۔ عباد الرحمٰن کی بارہویں صفت

رحمٰن کے بندوں کا ایک اور وصف اس آیت مبارکہ میں بیان ہوا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہتے ہیں:

(۱) ہمیں ہمارے جوڑوں اور ہماری اولادوں سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما۔

(۲) ہمیں متقیوں کا امام بنا۔

اس سے پہلے عباد الرحمٰن کی ایک دعا یہ بیان کی گئی تھی کہ ہم سے جہنم کے عذاب کو دور کر دے اور اب ان کی یہ دو دعائیں بتائی گئی ہیں، تو اس صورت میں کل تین دعاؤں کا ذکر کیا گیا ہے۔ پہلی دعا آخرت کے بارے میں تھی اور یہ دو دعائیں دنیوی زندگی کے متعلق ہیں۔ اس زندگی میں انہوں نے اپنے رب رحمٰن سے نہ مال و دولت مانگا ہے اور نہ جاہ و اقتدار حالانکہ عام طور پر ہر انسان کو انہی دو چیزوں کی طلب ہوتی ہے۔ انہوں نے اپنے جوڑوں اور اولاد کو اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک بنانے کی دعا کی ہے اور یہ درخواست کی ہے کہ انہیں متقیوں کا امام بنا دے۔

شوہر کی طرف سے دعا ہے کہ اس کی بیوی اور اس کی اولاد اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنے۔ اور بیوی کی طرف سے دعا ہے کہ اس کا شوہر اور اس کی اولاد اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہو۔ آنکھوں کی ٹھنڈک سے مراد ہے کہ میاں اور بیوی ایک دوسرے سے قلبی خلوص اور محبت رکھیں، ایک دوسرے کا تہ دل سے احترام کریں اور ان کے باہمی تعلقات میں ان چیزوں کا عملی اظہار ہو۔ اولاد کا آنکھوں کی ٹھنڈک بننے سے مراد یہ ہے کہ وہ صالح اور اطاعت شعار ہو، نیک اور قابل ہو، والدین کی خدمت گزار ہو۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

اَلدُّنْیَا مَتَاعٌ وَّخَیْرُ مَتَاعِھَا الْمَرْاَۃُ الصَّالِحَۃُ [1]

"دنیا متاع ہے اور اس کا بہترین متاع نیک بیوی ہے۔"

---

[1] ریاض الصالحین، باب ۳۴، بحوالہ مسلم۔

Marfat.com

(متاع ہر نفع بخش اور مرغوب چیز کو کہتے ہیں)۔ اس طرح بیوی کے لیے صالح اور وفادار شوہر عزیز ترین متاع ہے۔

متقیوں کا امام بنانے سے مراد ہے کہ ہم خود بھی متقی ہوں اور لوگ ہمارے کردار و سیرت سے متاثر ہو کر اپنے اندر تقویٰ پیدا کریں۔ تقویٰ تمام عبادات اور اخلاقِ فاضلہ کا مقصود اور حاصل ہے۔ متقی وہ شخص ہے کہ جو پختہ ایمان رکھتا ہو، فرائض ادا کرتا ہو، احسان کرتا ہو، اس کا ہر عمل صالح ہو، حرام کے علاوہ مشکوک چیزوں سے بھی پرہیز کرتا ہو، اخلاقِ فاضلہ کا مالک ہو، غرض وہ اعلیٰ کردار کا مالک ہوتا ہے۔ ایسا شخص فی الواقع اپنی سیرت سے دوسروں کو متاثر کرتا ہے اور وہ دوسروں کے لیے قابلِ تقلید نمونہ ہوتا ہے۔

اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا

وہ ۔ جزا دیے جائیں گے وہ ۔ بالا خانہ۔ بلند درجہ ۔ ساتھ جو ۔ استقامت کی انہوں نے

انہیں جزا میں دیا جائے گا (جنت کا) بالا خانہ ان کی استقامت کی بدولت

وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ﴿۷۵﴾

اور ان کا استقبال کیا جائے گا اس میں ۔ دعا ۔ اور ۔ سلام

اور ان کا استقبال کیا جائے گا اس میں دعا اور سلام سے

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۷۶﴾

مقیم ۔ اس میں ۔ خوب ہوئی وہ ۔ ٹھہرنے کی جگہ ۔ اور رہنے کی جگہ

وہ مقیم رہیں گے اس میں خوب ہے وہ جگہ ٹھہرنے کی اور رہنے کی

الفاظ کی تشریح

يُجْزَوْنَ : ان کو جزا دی جاتی ہے/دی جائے گی۔ جَزٰى اس نے جزا دی۔ يَجْزِىْ وہ جزا دیتا ہے۔ جزا کہتے ہیں پورے پورے بدلہ کو، خواہ اچھے کام کا ہو یا بُرے کا۔

اَلْغُرْفَةَ : بالا خانہ۔ بلند درجہ۔ یہاں مراد ہے جنت کی سب سے اعلیٰ و افضل منزل۔

صَبَرُوْا : وہ ثابت قدم رہے۔ انہوں نے استقامت کی۔ انہوں نے صبر کیا۔ وہ ڈٹے رہے۔

Marfat.com

يُلَقَّوْنَ : وہ دیے جائیں گے۔ ان سے ملا جائے گا۔ ان کا استقبال کیا جائے گا۔
تَحِيَّةً : زندگی کی دعا (اصل اس کی حیاۃ یعنی زندگی ہے)۔ دعا۔ GREETING۔

آیت کی توضیح

ان سے پہلی بارہ آیات مبارکہ میں عباد الرحمٰن کی بارہ صفات بیان کی گئی ہیں ان دو آیات میں ضمناً ان کی ایک اور صفت بھی بیان کی گئی ہے اور وہ ہے استقامت، ثابت قدمی۔ یعنی قبل ازیں جو صفات بیان کی گئی ہیں ان میں یہ ثابت ہیں، وہ ہمیشہ ان میں پائی جاتی ہیں۔ ان کے اعمال میں ہمیشہ ان اوصاف کا اظہار ہوتا ہے۔

عبادُ الرحمٰن کی جزا

رحمٰن کے بندے جن میں قبل ازیں ذکر کردہ بارہ اوصافِ حمیدہ پائے جاتے ہیں اور ان اوصاف میں وہ ثابت قدم بھی ہیں (مداومت پائی جاتی ہے) انہیں جزا کے طور پر جنت کی سب سے اعلیٰ و افضل منزل دی جائے گی اور وہاں ان کا استقبال دعا و سلام سے کیا جائے گا۔ جنت کے سب سے نچلے درجے میں جو نعمتیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کے لیے رکھی ہیں ہم تو اس کا بھی اندازہ نہیں لگا سکتے اور عبادُ الرحمٰن تو جنت کی اعلیٰ و افضل منزل میں ہوں گے۔ ہر جگہ دعا و سلام سے فرشتے ان کا استقبال کریں گے۔ یعنی ان کی بہت عزت اور تعظیم و تکریم ہوگی۔ جنت کی یہ منزل کیا خوب جگہ ہے ٹھہرنے کی۔ یعنی اگر کچھ دیر ہی وہاں ٹھہرنے کی اجازت مل جائے تو لطف آ جائے لیکن عبادُ الرحمٰن کا تو یہ گھر ہے، تو اس میں قیام کریں گے، رہیں گے اس میں۔ اور یہ گھر دنیا کے گھر کی طرح فانی نہیں ہے، بلکہ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، کبھی نہ خود وہاں سے نکلیں گے، نہ ان کو وہاں سے کبھی نکالا جائے گا اور یہ گھر خود بھی ہمیشہ قائم رہنے والا ہے۔

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ ج

کہہ	نہیں کیا پرواہ کرتا ہے وہ	تمہاری	رب میرا	اگر نہ	دعا	تمہاری

(اے نبیؐ!) کہہ دیجیے میرے رب کو تمہاری کوئی پرواہ نہیں ہے اگر تمہاری دعا نہ ہو

فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ﴿۷۷﴾ ع

تو ہے	جھٹلایا تم نے	پس (عنقریب)	ہوگا	چمٹنا

تم جھٹلا چکے ہو پس چمٹا رہے گا (اس تکذیب کا عذاب)

Marfat.com

الفاظ کی تشریح

مَا یَعۡبَؤُا بِکُمۡ : عَبَأَ بِہٖ اس نے اس کو وزن دیا، اس کی قدر کی، پرواہ کی۔ اصل اس کی عِبۡءٌ (= وزن۔ بوجھ) ہے۔ یَعۡبَأُ، یَعۡبَؤُا وہ پرواہ کرتا ہے۔ مَا نفی کے لیے بھی ہو سکتا ہے، اس صورت میں مَا یَعۡبَؤُا بِکُمۡ کا معنی ہوگا تمہاری کچھ پرواہ نہیں کرتا، اس کے نزدیک تمہاری کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ مَا استفہامیہ بھی ہو سکتا ہے، پھر معنی ہوگا، کیا پرواہ ہے اسے تمہاری؟ اگر مَا استفہامیہ ہو تب بھی مقصود تو نفی ہی ہے۔ لہذا اوپر اس کا ترجمہ نفی سے کیا گیا ہے۔

سَوۡفَ یَکُوۡنُ : یَکُوۡنُ کا معنی ہے، ہوتا ہے یا ہوگا۔ اس سے پہلے سَوۡفَ آنے سے اس کا معنی ہوگیا : ہوگا۔ یعنی اب یہ صرف مستقبل کے لیے خاص ہوگیا۔

لِزَامًا : مصدر ہے (لَازَمَ یُلَازِمُ سے)، مُلَازَمَۃ بھی مصدر ہے اسی فعل کا۔ اس کا معنی ہے چمٹنا۔ لیکن یہاں یہ مصدر مُلَازِمٌ (اسم فاعل) کے معنی میں ہے، چمٹنے والا۔

آیت کی توضیح

۱۔ اللہ تعالیٰ کو لوگوں کی دعا کی کیا پرواہ ہے، اسے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ مراد ہے کہ اگر تم اس کی عبادت نہ کرو، یا اس سے اپنی مغفرت کی التجا نہ کرو یا مصیبت میں کشائش کے لیے فریاد نہ کرو یا حاجت روائی کے لیے درخواست نہ کرو تو اس کو تمہاری کیا پرواہ ہے، اس کے نزدیک تمہاری کیا قدر و قیمت ہے۔ تمہیں ہر لمحے اس کی مدد اور رحمت اور مغفرت کی ضرورت ہے۔ وہ تو بے نیاز ہے، پوری کائنات کا خالق اور مالک ہے، کائنات کی ہر چیز اس کی تسبیح و تقدیس کر رہی ہے۔

لَوۡلَا دُعَآؤُکُمۡ کی ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ اس عبارت کو یوں سمجھا جائے لَوۡلَا دُعَآؤُکُمۡ آلِھَۃً مِّنۡ دُوۡنِہٖ لَمۡ یُعَذِّبۡکُمۡ، یعنی اگر تم اس کے سوا معبودوں کو نہ پکارتے تو وہ تم کو سزا نہ دیتا۔ چونکہ تم نے شرک کیا اس لیے تم عذاب الٰہی کے سزاوار ہو۔

۲۔ پس تم نے جھٹلایا اس دعوتِ اسلام کو جو تمہیں دی گئی تھی تو مستقبل میں اس تکذیب کا عذاب تم سے چمٹا رہے گا۔ اس میں خطاب قریش مکہ سے ہے اور جمہور مفسرین کے نزدیک فَسَوۡفَ یَکُوۡنُ لِزَامًا سے مراد شکست ہزیمت کی وہ ذلت ہے جو قریش مکہ کو غزوہ بدر میں اٹھانا پڑی تھی ... (حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

Marfat.com

تقریباً تین گنا لشکر اور وافر سامانِ جنگ کے باوجود بدر کے میدان میں بے سروسامان مٹھی بھر مسلمانوں کے ہاتھوں ایسے زخم لگوا آئے کہ پھر سالہا سال انہیں چاٹتے رہے، زخم کبھی مندمل نہ ہو سکے، جو نقصان وہاں اٹھایا اس کی تلافی نہ ہو سکی۔ ستر آدمی جہنم رسید ہو گئے، جتنے سردار تھے سب مارے گئے اور ستر قیدی بنے۔

اوپر لَوۡلَا دُعَآؤُكُمۡ کی تفسیر میں جو دوسرا قول دیا گیا ہے اس کے مطابق معنی یہ بنے گا: اگر تم اللہ کے سوا دوسرے معبودوں کو نہ پکارتے (یعنی شرک نہ کرتے اور توحید کو مانتے) تو اللہ تم کو عذاب نہ دیتا لیکن تم تو جھٹلا چکے ہو، توحید پر ایمان لانے سے انکار کر چکے ہو اور بدستور اللہ کے سوا دوسرے معبودوں کو پکار رہے ہو تو اب یہ ہو گا کہ تمہاری اس تکذیب کا وبال تم سے ہمیشہ چمٹا رہے گا، کبھی اس عذاب سے نجات نہ پاسکو گے۔

(دیکھئے پچھلے صفحہ کا حاشیہ) سلہ القرطبی۔ جمہور مفسرین میں حضرت عبداللہ بن مسعود، ابی بن کعب، ابی مالک، مجاہد، مقاتل وغیرہم شامل ہیں۔

Marfat.com

سُورَةُ الْعٰدِيٰتِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۙ﴿۱﴾ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۙ﴿۲﴾

قسم ہے دوڑنے والیاں ہانپنا پھر آگ نکالنے والیاں رگڑ۔ رگڑ کر آگ نکالنا

قسم ہے ان (گھوڑوں) کی جو دوڑتے ہیں ہانپتے ہوئے پھر آگ جھاڑتے ہیں (پتھر پر) ٹاپ مار کر

فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۙ﴿۳﴾ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۙ﴿۴﴾

پھر دھاوا مارنے والیاں صبح کے وقت پھر اٹھائی انہوں نے ہیں اس (کے) گرد و غبار

پھر تاخت و تاراج کرتے ہیں صبح کے وقت پھر ایسے میں گرد اٹھاتے ہیں

فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۙ﴿۵﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۚ﴿۶﴾

پھر اندر گھس گیئں ہیں اس (کے) بھیڑ یقیناً انسان لیے رب اس (کا) البتہ ناشکرا

پھر اس وقت وہ (دشمن کی) بھیڑ میں گھس جاتے ہیں۔ یقیناً انسان اپنے رب کا ناشکرا ہے

وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۚ﴿۷﴾ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ؕ﴿۸﴾

اور یقیناً وہ پر وہ ضرور گواہ اور یقیناً وہ لیے محبت مال ضرور سخت

اور یقیناً ■ اس پر گواہ ہے اور یقیناً وہ مال سے شدید محبت رکھنے والا ہے

اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ ۙ﴿۹﴾

کیا پس نہیں جانتا ہے وہ جب اٹھا نکالا گیا جو میں قبریں

تو کیا وہ نہیں جانتا (کہ) جب اٹھا نکالا جائے گا جو قبروں میں ہے

وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ﴿۱۰﴾

اور ظاہر کیا گیا جو میں سینے

اور ظاہر کیا جائے گا جو سینوں میں ہے۔

Marfat.com

إِنَّ رَبَّهُم بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيرٌ ﴿١١﴾

یقیناً رب ان (کا) ساتھ ان (کے) اس روز ضرور باخبر

یقیناً ان کا رب ان (کے حال) سے اس روز پوری طرح باخبر ہوگا۔

مشکل الفاظ کے معانی

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا: العادیات جمع ہے العادیۃ کی، دوڑنے والیاں۔ پوری سورت میں خیل (گھوڑوں کی جماعت) کے لیے مؤنث کے صیغے لائے گئے ہیں، صفات کے اور افعال کے بھی۔

ضَبْحًا، دوڑتے وقت گھوڑے کی سانس کی آواز ــــ یہاں اس سے مراد ہے غازیوں کے گھوڑے جو مسلسل دوڑتے ہوتے ہانپنے لگے ہیں۔

فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا: الموریۃ کی جمع ہے، آگ نکالنے والیاں۔ قَدْحًا کہتے ہیں رگڑ کو۔ چقماق کو پتھر سے رگڑ کر آگ نکالنے کو۔ گھوڑوں کے نعل جب پتھر یا پتھریلی زمین (یا پکی سڑک) سے ٹکراتے ہیں تو چنگاریاں نکلتی ہیں۔ یہاں ان گھوڑوں کی قسم کھائی گئی ہے کہ پتھر پر جن کے نعلوں کی رگڑ سے شرر نکلتے ہیں۔

اَلْمُغِيْرٰتِ: جمع ہے المغیرہ کی۔ غارت گری کرنے والیاں۔ دھاوا بولنے والیاں۔ تاخت و تاراج کرنے والیاں۔ یہاں ان گھوڑوں کی قسم کھائی گئی ہے جو صبح کے وقت دشمن پر دھاوا مارتے ہیں۔

فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا: پھر وہ اس وقت (بِہٖ میں بِ بمعنی فی = میں ہے) گرد و غبار اٹھاتے ہیں۔ صبح کے وقت دھاوا مارنے والے گھوڑوں کا گرد و غبار اڑانا ان کی تیز رفتاری کثرتِ تعداد اور قوت و زور کی دلیل ہے۔

كَنُوْدٌ: ناشکرا۔ نعمت و احسان کو نہ ماننے والا۔

اَلْخَيْرِ: بھلائی، نیکی، مال۔ یہاں مال کے معنی میں ہے۔

بُعْثِرَ: زندہ کر کے اٹھایا گیا۔ بُعِثَ، کا بھی یہی معنی ہے۔

وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ: یعنی دلوں کے بھید بھی ظاہر کر دیے جائیں گے۔

نفسِ مضمون

اس سورت میں انسان کے ناشکرے پن کا ذکر کر کے نہایت خوبصورت پیرائے میں

Marfat.com

اسے شکر گزار بننے کی تعلیم دی گئی ہے۔ انسان اپنے پالتو گھوڑوں کا حقیقی رب نہیں بلکہ رب العالمین کے پیدا کردہ رزق میں سے حاصل کر کے گھوڑوں کو کھلاتا ہے۔ یہ گھوڑے انسان کی خدمت میں کس قدر مشقت اٹھاتے اور اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس کے احکام کو بجالاتے ہیں۔ تلواروں، تیروں اور نیزوں سے حملے ہو رہے ہوتے ہیں مگر اپنے مالک کا یہ وفادار جانور دشمن کی صفوں میں گھس جاتا ہے لیکن افسوس! انسان اپنے رب کا ناشکرا ہے، حالانکہ اس پر اللہ کے بے شمار احسانات ہیں۔ ساری کائنات اس کے لیے پیدا کی ہے۔ اللہ کے دیے ہوئے رزق کو اس کی راہ میں خرچ کرنے کے بجائے اسے جمع کرتا ہے۔ اس کو ضرورت پوری کرنے کی کوئی چیز سمجھنے کے بجائے اس سے محبت کرتا ہے۔ کیا حاصل ہو گا مال سے محبت کرنے سے؟ ایک دن انسان مر جائے گا، پھر قیامت کے روز دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا اور اس روز اس کے دل میں دنیا کے مال و متاع کی محبت ظاہر ہو جائے گی۔ پتا چل جائے گا کہ دل میں اللہ، اللہ کے رسول اور اللہ کی مخلوق سے محبت رکھنے کے بجائے دنیا کے گھٹیا مال و زر سے محبت کرتا رہا ہے۔

سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

أَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝

غافل کیا تمہیں (مال و اولاد وغیرہ کی) کثرت کی سابقت یہاں تک کہ زیارت کی تم نے قبریں

غافل کر رکھا ہے تمہیں (نعمتوں کی) کثرت کی مسابقت نے یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچے

كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝

ہرگز نہیں تم جان لو گے پھر ہرگز نہیں تم جان لو گے

کوئی نہیں آگے جان لو گے پھر بھی کوئی نہیں آگے جان لو گے [1]

كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝

ہرگز نہیں اگر تم جانتے علم یقین کا تم ضرور دیکھتے ہو دوزخ

کوئی نہیں اگر جانو تم یقین کر کے بیشک تم کو دیکھنا ہے دوزخ [2]

[1]، [2] ترجمہ شاہ عبدالقادر و محمود الحسن

Marfat.com

ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۝

پھر تم ضرور دیکھتے ہو اس (کی) آنکھ یقین (کی)

پھر دیکھنا ہے اس کو یقین کی آنکھ سے ؎

ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝

پھر تم سے ضرور پوچھا جائیگا اس دن بابت نعمت

پھر تم سے ضرور پوچھا جائے گا اس روز نعمت کے بارے میں

مشکل الفاظ کے معانی

اَلْهٰكُمُ : اَلْهٰى غفلت میں ڈال دیا۔ کُمْ تمہیں۔

اَلتَّكَاثُرُ : نعمتوں (مال و دولت وغیرہ) کی بہتات میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنا۔

اَلْمَقَابِرَ : جمع ہے اَلْمَقْبَرَةُ (با و پر تینوں حرکات درست ہیں) کی، جس کا معنی ہے:

(۱) قبرستان اور (۲) قبر

سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ : تم مستقبل میں جان لوگے، آگے چل کر تمہیں پتا چل جائے گا۔ تَعْلَمُوْنَ تم جانتے ہو/تم جان لوگے۔

سَتَعْلَمُوْنَ : تم عنقریب جان لوگے، تمہیں جلد پتا چل جائیگا (فعل مضارع سے پہلے سوف لگائیں تو مستقبل بعید کا معنی دیتا ہے اور س لگائیں تو مستقبل قریب کا)

اَلنَّعِيْمُ : نعمت، خوشحالی، آسودگی۔

نفسِ مضمون

انسان ساری زندگی نعمتیں اور آسائشیں حاصل کرنے میں لگا رہتا ہے۔ صرف اپنی ضرورت کے مطابق حاصل کرے تو بھی ٹھیک مگر وہ تو ضرورت پوری ہونے کے بعد بھی اس کام میں لگا رہتا ہے بلکہ ضرورت پوری ہونے کے بعد تو اس میں ذخیرہ کرنے کی ہوس پیدا ہوتی ہے کہ وہ دوسرے ہر انسان سے زیادہ نعمتیں اکٹھی کرلے اور اسے سب پر برتری اور بالادستی حاصل ہوجائے اکثر و بیشتر انسان اسی ہوس میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ان میں نعمتوں کی بہتات میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی دوڑ لگی رہتی ہے اور آخری عمر تک یہی حال رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ قبروں میں جا پہنچتے

؎ ترجمہ شاہ عبدالقادر، محمود الحسن

Marfat.com

ہیں۔ اس جنون میں تمام اخلاقی اقدار، شرافت، امانت داری، دیانت داری، خدا ترسی، ہمدردی، ایثار وغیرہ کو بھول کر ہر جائز و ناجائز طریقے سے نعمتیں جمع کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ یہ جنون انہیں اللہ تعالیٰ، آخرت، اخلاقی اقدار سب سے غافل کیے رکھتا ہے۔ اس سورت میں ایسے لوگوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ آگے چل کر قیامت کے روز تمہیں حقیقت حال معلوم ہو جائے گی اور تم سے ان نعمتوں کی بابت ضرور بازپرس ہوگی (کہ کیسے، کس طریقے سے، کس مقصد کے لیے ان کو حاصل کیا پھر کیسے ان کو استعمال کیا)

سُوْرَةُ الْعَصْرِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝

قسم ہے زمانہ یقیناً انسان ضرور میں گھاٹا

قسم ہے زمانہ کی یقیناً انسان خسارے میں ہے

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

سوائے جو ایمان لائے وہ اور کام کیے انہوں نے اچھے

مگر جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝

اور انہوں نے ایک دوسرے کو نصیحت کی ساتھ حق اور انہوں نے ایکدوسرے کو نصیحت کی ساتھ صبر

اور وہ ایک دوسرے کو نصیحت کرتے رہے حق کی اور نصیحت کرتے رہے صبر کی۔

نفسِ مضمون

دنیا کے اس بازار میں انسان صرف وقت کی پونجی لے کر آتا ہے۔ اس پونجی کے بدلے

Marfat.com

وہ کچھ نفع کماتا ہے یا یہ پونجی ہی لٹا بیٹھتا ہے۔ اس سورت میں یہ بتایا گیا ہے کہ انسان ہے تو گھاٹے میں، یعنی اس کی پونجی تو تیز رفتاری سے خرچ ہوئے جا رہی ہے۔ ہاں وہ لوگ اس کو صحیح خرچ کر کے نفع حاصل کر گئے جن میں یہ چار صفات پائی جاتی ہیں:

۱۔ ایمان رکھتے تھے ۲۔ نیک اعمال کیے تھے
۳۔ ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کرتے رہے۔
۴۔ ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتے رہے۔

آخری دو صفات سے مراد امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے، یعنی نہ صرف خود نیک عمل کرتے تھے بلکہ دوسروں کو بھی نیک عمل کرنے کی نصیحت کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے خسارے کی بات زمانے کی قسم کھا کر کہی ہے۔ اس لیے کہ زمانہ اس حقیقت کا گواہ ہے۔ انسان دیکھ رہا ہے کہ وقت تیزی سے گزر رہا ہے اور اس کا اصل زر، یعنی عمر، اسی تیزی سے گھٹتی جا رہی ہے۔ پھر یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ زمانے کی اس تیز رفتاری نے ہم سے پہلے اربوں لوگوں کی یہ پونجی ختم کر دی، اسی طرح ہماری یہ پونجی بھی ایک روز ختم ہو جائے گی۔ لہٰذا اس دن سے پہلے پہلے کچھ نفع بخش کام کر لینے چاہئیں اور اس میں دیر نہیں کرنی چاہیے؛

سُورَۃُ الْفِیْلِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلَمْ	تَرَ	کَیْفَ	فَعَلَ	رَبُّكَ	بِاَصْحٰبِ	الْفِیْلِ ۝
کیا نہ	دیکھا تو نے	کیسے	کیا	رب تیرا	ساتھی ۔ مالک	ہاتھی

کیا نہیں دیکھا تو نے کیا کیا تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ

اَلَمْ	یَجْعَلْ	کَیْدَھُمْ	فِیْ	تَضْلِیْلٍ ۝
کیا نہ	کیا اس نے	چال ان (کی)	میں	بے کار کر دینا

کیا اس نے ان کی چال کو بیکار نہ کر دیا

Marfat.com

وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝۳

اور بھیجا اس نے پر ان (کے) پرند ٹکڑیاں ۔ غول

اور بھیجے ان پر پرندے غول در غول

تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝۴

پھینکتی ان (پر) ساتھ کنکریاں سے کھنگر

پھینکتے تھے ان پر کنکریاں کھنگر کی

فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝۵

پس بنایا اس نے ان (کو) مانند بھس کھایا ہوا

پس بنا دیا ان کو کھائے ہوئے بھس کے مانند

مشکل الفاظ کے معانی

اَصْحَاب: جمع ہے صَاحِبٌ کی ۔ ساتھی ۔ مالک

کَیْد: چال ۔ داؤ

تَضْلِیل: بے کار کر دینا ۔ غلط کر دینا ۔

طَیْرٌ: طَائِرٌ کی جمع ہے پرندے ۔ طُیُوْر بھی جمع آتی ہے ۔

اَبَابِیْل: جھنڈ ۔ غول ۔ ڈار ۔ یہ جمع کا صیغہ ہے ۔ بعض علمائے لغت کے نزدیک اس کا واحد کا صیغہ اِبَّالَۃٌ (با پر شد اور تخفیف دونوں درست ہیں) یا اِبُّوْل ہے ۔ بعض کے نزدیک اس لفظ سے واحد کا صیغہ نہیں آتا ۔

حِجَارَۃٌ: جمع ہے حَجَرٌ کی ! اَحْجَارٌ بھی جمع آتی ہے ۔ سنگریزے ، کنکریاں ، سنگریزوں سے جڑ کر بنے ہوئے پتھر کو بھی کہتے ہیں ۔

سِجِّیْلٌ: کھنگر ۔ مٹی جو پتھر کی طرح سخت ہو گئی ہے ۔ سنگِ گِل

عَصْفٍ مَّاْکُوْلٍ: کھایا ہوا بھوسہ ۔ مراد ہے وہ بھوسا جسے جانور جگالی کرتے ہوئے گرا دیتا ہے ۔ ایک تو بھوسا ویسے ہی ریزہ ریزہ ہوتا ہے اوپر سے وہ چبا کر کھایا ہوا ہو ، وہ تو بالکل ہی چورہ چورہ ہو جاتا ہے ۔

Marfat.com

نفسِ مضمون

اس سورت میں ایک تاریخی واقعے کا ذکر کیا گیا ہے جس سے عرب کا بچہ بچہ واقف تھا۔ واقعۂ فیل (جس سے عرب سال کا حساب بھی لگانے لگے تھے کہ عام الفیل یعنی ہاتھی والے سال یا اس کے اتنے سال بعد یا پہلے) حضور اکرمؐ کی ولادت باسعادت سے کوئی دو ماہ قبل پیش آیا تھا۔ شاہِ حبشہ کی طرف سے یمن کے عیسائی گورنر کو خانہ کعبہ کی مقبولیت سے حسد ہوا اور اس نے اسے ڈھانے کی قسم کھائی۔ لشکر لے کر مکہ پر حملہ آور ہوا۔ اس کے لشکر میں ایک بڑے قد و قامت والا ہاتھی بھی تھا (بعض روایات کی رُو سے ایک سے زیادہ ہاتھی تھے) اس لیے اس لشکر کو اصحاب الفیل کہا گیا ہے۔ حضرت عبدالمطلب خانہ کعبہ کے متولی تھے۔ ابرہہ نے انہیں پیغام بھیجا میں اہلِ مکہ پر حملہ نہیں کرنا چاہتا میں تو خانہ کعبہ کو مسمار کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت عبدالمطلب کو یقین تھا کہ اہلِ مکہ ابرہہ کے لشکر کی مزاحمت نہیں کر سکتے، ساتھ یہ بھی پختہ ایمان تھا کہ اللہ اپنے اس حرمت و شرف والے گھر کی ضرور حفاظت کرے گا۔ چنانچہ حضرت عبدالمطلب نے اہلِ مکہ کے گھروں کی حفاظت کا وعدہ ابرہہ سے لے لیا اور خانہ کعبہ کی حفاظت اللہ پر چھوڑ دی کہ وہ قادرِ مطلق اپنے گھر کی خوب حفاظت کرے گا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کی کہ اپنے گھر کی حفاظت کرنا۔ اہلِ مکہ ان کے کہنے پر گھروں کو چھوڑ کر گھاٹیوں اور پہاڑوں پر چلے گئے۔ ابرہہ کا لشکر خانہ کعبہ کے قریب پہنچا تو اللہ نے چھوٹے چھوٹے پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیے۔ انکی چونچوں اور پنجوں میں کنکریاں تھیں۔ یہ پرندے لشکر کے اوپر آئے تو کنکریاں برسا دیں۔ لشکر کا بہت سا حصہ تباہ ہو گیا، کچھ بھاگ کر جان بچانے میں بمشکل کامیاب ہوئے۔ ابرہہ یمن میں پہنچ کر مر گیا۔

اس واقعہ سے سارا عرب واقف تھا۔ اس واقعہ کا ذکر کرنے سے مقصود ایک تو مٹھی بھر مسلمانوں کو، جن کی مخالفت و مزاحمت پر سارا عرب کمربستہ ہو گیا تھا، تسلی دینا اور ان کا حوصلہ بڑھانا تھا، کہ اللہ کی قدرتِ مطلقہ اور غیب سے مدد بھیجنے کے اس کے لامحدود ذرائع پر پختہ یقین ہو جائے اور دوسرے کفارِ مکہ کو تنبیہ کرنا تھا۔

سُوْرَةُ قُرَیْشٍ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ۝ اٖلٰفِھِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ ۝

لیے بوجہ مانوس کرنا قریش مانوس کرنا ان (کی) سفر جاڑا اور موسم گرما

اس لیے کہ مانوس رکھا قریش کو مانوس رکھنا ان کو سفر سے جاڑے کے اور گرمی کے [1]

فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ ھٰذَا الْبَیْتِ ۝ الَّذِیْٓ

تو عبادت کریں رب یہ گھر جس

پس انہیں عبادت کرنی چاہیے اس گھر کے رب کی جس نے

اَطْعَمَھُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَھُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝

کھلایا ان (کو) سے بھوک اور امن دیا ان (کو) سے ڈر

ان کو کھانا دیا بھوک میں اور ان کو امن دیا خوف میں [2]

نفسِ مضمون

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ اسلام شروع کی تو آپؐ کے اپنے ہی شہر کے رہنے والے اور اپنے ہی قبیلہ قریش کے لوگ آپؐ کی اس دعوتِ حق کے شدید مخالف بن گئے۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ ان پر اپنے خصوصی احسانات یاد دلا کر انہیں ہدایت فرما رہا ہے کہ تم تو مخالفت نہ کرو۔ مکہ کی سرزمین سنگلاخ ہے، پانی قلت اور زمین ناقابلِ کاشت۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی وافر روزی کا نہایت آسان ذریعہ بنا دیا۔ موسم سرما میں گرم ملک یمن کو تجارت کے لیے جاتے اور موسم گرما میں ٹھنڈے ملک شام کی طرف جاتے۔ ان کے لیے ان دو ملکوں کی طرف تجارتی سفر کرنا نہایت آسان اور پُرامن بن گیا تھا۔ بیت اللہ شریف کے متولی ہونے کی وجہ سے پورے عرب میں اور عرب کے نواحی علاقوں میں ان کی بہت عزت و توقیر تھی۔ اہلِ مکہ کی ساری خوش حالی بیت اللہ کی بدولت تھی لیکن اس گھر کے مالک یعنی اللہ تعالیٰ کے بجائے وہ بتوں کی پرستش میں لگے ہوئے تھے۔ کھاتیں کس کا اور گائیں کسی اور کا!

[1] ، [2] ترجمہ شاہ عبدالقادر و محمود الحسن

Marfat.com

سُنّت

سُنّت کا مفہوم: سنت کے لغوی معنی ہیں (۱) ایسا راستہ کہ جس پر متواتر چلنے کی وجہ سے وہ صاف اور واضح ہو گیا ہو۔ (۲) طریقۂ کار، سیرت دینی اصطلاح میں سنت سے مراد ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقۂ عمل۔ اس میں آپؐ کا قول، فعل اور تقریر تینوں شامل ہیں۔ تقریر سے مراد یہ ہے کہ آپؐ کے سامنے کوئی کام کسی نے کیا یا آپؐ کو کسی کام کے بارے میں بتایا گیا اور آپؐ نے اس کے بارے میں خاموشی اختیار فرمائی، یعنی نہ تو اس کام کو اچھا قرار دیا اور نہ ہی اس سے منع فرمایا۔ اس طرح سنت کی تین اقسام ہوئیں۔ سنت قولی، سنت فعلی اور سنتِ تقریری۔

(حدیث سے مراد ہے حضورؐ کی سنت کا بیان)

سُنّت کی اہمیّت

سُنّت کی تشریعی حیثیت: سُنّتِ نبوی شریعت اسلامی کا دوسرا بڑا ماخذ ہے، پہلا ماخذ قرآن حکیم ہے اس کے بعد سنتِ نبویؐ ہے۔ اس امر پر شروع سے لے کر آج تک امتِ مسلمہ کا اجماع رہا ہے۔ اگر کبھی بعض اشخاص نے سنت کی تشریعی حیثیت کو ماننے سے انکار کیا ہو تو وہ قابلِ اعتنا نہیں ہیں، ان کی ذرا بھی اہمیت و حیثیت نہیں ہے۔ دنیا میں ہر طرح کے انسان ہوتے ہیں، بعض ایسے ہیں جو خدا کے وجود کے منکر ہیں حالانکہ ان کی فطرت میں خدا کے وجود کا شعور اور اقرار شامل ہے۔ حق سے انکار کا وبال منکر پر ہی پڑتا ہے۔ سنت کی اہمیت سے انکار اصل میں دینِ اسلام کو ڈھانے کی مذموم خواہش رکھنے والوں کی طرف سے پہلا حملہ ہے۔ اگر حملہ لازماً قرآن پہ ہوگا، کیونکہ ہم قرآن کو کتاب اللہ اسی لیے مانتے ہیں کہ ہمیں سنتِ نبویؐ سے ایسا معلوم ہوا ہے، جب سنت پر ایمان نہ رہے گا تو قرآن پر کیونکر رہ سکے گا، پھر سنتِ نبویؐ کے بغیر قرآن مجید کو صحیح طور پہ سمجھنا اور اس کے احکام پہ عمل کرنا دونوں ہی ناممکن ہیں (جیسا کہ آئندہ سطور میں بیان کیا جائیگا)، پس سنت سے انکار

Marfat.com

درحقیقت دینِ اسلام کو ہی ختم کرنے کا اقدام ہے، اور دینِ اسلام دینِ حق ہے اسے تو تمام ادیان پر غالب رہنا ہے، باقی رہنا ہے لہٰذا اسلام کے یہ بدخواہ ہی ذلیل وخوار ہو کر نیست ونابود ہو جائیں گے۔ امتِ مسلمہ کا اسی بات پر ہمیشہ کی طرح اجماع رہے گا کہ سنتِ نبویؐ شریعت اسلامی کا دوسرا بڑا ماخذ ہے۔

سنّت کی اہمیّت ازروئے قرآن

اللہ تعالیٰ نے کسی فرشتے کو رسول بنا کر نہیں بھیجا حالانکہ اگر صرف اللہ تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک پہنچانا مقصود ہوتا تو فرشتہ (کسی بھی شکل میں) آکر لوگوں کو اللہ کا پیغام پہنچا جاتا لیکن اللہ تعالیٰ نے لوگوں میں سے ہی اپنے برگزیدہ بندوں کو رسالت کے منصب کے لیے منتخب فرمایا تاکہ رسول لوگوں کے سامنے عمل کر کے دکھائے اور لوگ اس کی پیروی اور اطاعت کریں۔ ہر رسول کی اطاعت لوگوں پر واجب کی گئی تھی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (النساء ۴: ۶۴)

"اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس واسطے کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ کے حکم کی بناء پر۔"

۱۔ رسولؐ پر ایمان: اللہ تعالیٰ نے جہاں یہ حکم دیا ہے کہ اس پر ایمان لایا جائے وہاں رسول کریمؐ پر ایمان لانے کا بھی حکم دیا ہے۔ یہ حکم قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر آیا ہے۔ مثلاً:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (النساء ۴: ۱۳۶)

ترجمہ: "اے ایمان والو! ایمان رکھو اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر۔"

۲۔ اطاعتِ رسولؐ فرض ہے: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بارہا حکم دیا ہے کہ رسول اکرمؐ کی اطاعت کی جائے، مثلاً:

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ۔

(آل عمران ۳: ۳۲)

ترجمہ: "(اے نبیؐ) کہہ دیجیے، حکم مانو اللہ کا اور رسولؐ کا، پھر اگر منہ موڑیں تو یقیناً اللہ پسند نہیں کرتا کافروں کو۔"

اس آیت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ رسول کریمؐ کی اطاعت سے روگردانی کرنیوالا کافر ہے اور آپؐ کی اطاعت سے مراد ہے آپؐ کی سنت کی اتباع۔

Marfat.com

۳۔ رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے: اللہ تعالیٰ کی اطاعت درحقیقت یہ ہے کہ اس کے رسول معظم کی اطاعت کی جائے۔ بندوں کو کیا معلوم کہ اللہ کا حکم اور اس کی مشیت کیا ہے، یہ تو سب کچھ رسول اکرم کے واسطے سے ہی معلوم ہوگا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ (النساء ۴، ۸۰)

ترجمہ: "جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی"

۴۔ اتباع رسول محبت الٰہی کا ذریعہ ہے: اہل ایمان کی یہ صفت ہے کہ وہ اللہ سے بے پناہ محبت رکھتے ہیں، وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ۔ (البقرۃ ۱۶۵) لیکن اللہ سے محبت کے اظہار کی صورت یہ ہے کہ اس کے رسول کی اتباع کی جائے، پھر تو اللہ محبت کرے گا۔ ارشاد ہے:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔

ترجمہ: "(اے نبی!) کہہ دیجیے، اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو پھر اللہ تم سے محبت کریگا" (آل عمران ۳، ۳۱)

۵۔ رسول کے امر و نہی کی تعمیل کا حکم: اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ رسول اکرم جس بات کا حکم فرمائیں وہ کرو اور جس سے منع فرمائیں اس سے رک جاؤ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ج (الحشر ۵۹، ۷)

ترجمہ: "اور جو کچھ رسول تمہیں دے لو اور جس چیز سے تم کو روک دے اس سے رک جاؤ"

۶۔ رسول کی نافرمانی گمراہی ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا ط (الاحزاب ۳۳، ۳۶)

ترجمہ: "اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا"

۷۔ رسول کی نافرمانی عذاب الٰہی کا موجب ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ

Marfat.com

فِيهَآ اَبَدًا ۝ (الجن ۷۲، ۲۳)

ترجمہ: "اور جو نافرمانی کریگا اللہ کی اور اس کے رسولؐ کی تو یقیناً اس کے لیے جہنم کی آگ ہے، ایسے لوگ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔"

۸۔ سُنّت کے بغیر ارکانِ اسلام پر عمل ممکن نہیں:

قرآن حکیم میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، حج ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو لیکن یہ فرائض کیسے بجالانے ہیں اس کی تفصیل نہیں بیان کی گئی، ان کی تفصیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی، اپنے قول و فعل سے۔ مثلاً نماز کا طریقہ کیا ہے، پنجگانہ نمازوں کے اوقات، ہر نماز کی رکعتیں، ہر رکعت میں کیا کیا کرنا ہے۔ زکوٰۃ کس مال پر کتنی فرض ہوتی ہے اور کب فرض ہوتی ہے۔ سونے، چاندی، اونٹ، گائے، بکری وغیرہ میں نصاب کیا ہے فصل پر زکوٰۃ (عشر وغیرہ) کس حساب سے دینی ہے۔ حج عمر میں کتنی بار فرض ہے۔ اسی طرح روزے سے متعلق بعض مسائل ہیں۔ یہ سب تفصیلات ہمیں حضورؐ کی سنت سے معلوم ہوتی ہیں۔ اگر حضورؐ کی سنت نہ ہو تو دینِ اسلام کے بنیادی ارکان پر بھی عمل کرنا ممکن نہیں ہے اور جب ارکانِ اسلام پر ہی عمل نہ ہو سکے تو دین کیا باقی رہ جائیگا؟

۹۔ فہم قرآن کے لیے سنت کی ضرورت:

بلاشبہ قرآنِ حکیم نہایت اعلیٰ درجہ کا فصیح و بلیغ کلام ہے۔ لیکن اس میں ایجاز و اختصار سے بھی کام لیا گیا ہے۔ اس لیے اس کی دقیق باتوں کو سمجھنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے۔ صحابۂ کرامؓ اکثر حضورؐ سے قرآنی آیات کا مفہوم و منشا پوچھتے رہتے تھے حالانکہ ان میں بڑے بڑے علمائے لغت تھے۔ اس دور میں ہر شخص اپنی مادری زبان عربی میں خوب مہارت رکھتا تھا۔ حضورؐ کے بہت سے ارشادات (احادیث) صحابہ کرامؓ کے استفسار کے جواب میں ہیں۔ اس کی دو بڑی وجہ ہیں۔

(۱) اگر قرآن حکیم میں ہر بات پوری شرح و بسط کے ساتھ بیان کر دی جاتی تو یہ ایک بہت ہی ضخیم کتاب بن جاتی ہے اور اس زمانے میں اسے لکھنا اور زبانی یاد کرنا محال ہوتا۔

(۲) اس کی شرح اور عملی توضیح کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے۔ اللہ تعالےٰ نے فرشتے کے ذریعے براہِ راست لوگوں کو قرآن نہیں پہنچا دیا تھا یا فرشتے نے چمڑے میں لکھی ہوئی کتاب نہیں رکھ دی تھی کہ لوگ آکر پڑھ لیں۔ ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے (معاذ اللہ) دشوار تو نہ تھا لیکن اس صورت میں لوگ کلامِ الٰہی سے کوئی خاص فائدہ نہیں

Marfat.com

اٹھا سکتے تھے۔ نہ انہیں احکام سے مشیتِ الٰہی معلوم ہوتی تھی نہ ان پر عمل کرنے کا طریقہ واضح ہوتا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام اپنے رسولؐ پر نازل فرمایا اور آپؐ کو یہ منصب عطا کیا کہ آپؐ اس کی تشریح و توضیح فرما دیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ۔ (النحل ۱۶: ۴۴)

ترجمہ: "اور ہم نے آپؐ پر ذکر (یعنی قرآن) نازل کیا تاکہ آپؐ لوگوں کے لیے کھول کر بیان کر دیں (کلام) جو ان کی طرف اتارا گیا ہے اور تاکہ وہ غور و فکر کریں۔"

پس آپؐ نے قرآن حکیم کو کھول کر بیان (تبیین) فرمایا۔ آپؐ خود ہی وضاحت فرما دیا کرتے تھے۔ پھر بھی اگر صحابہ کرامؓ کو فہم قرآن میں دشواری محسوس ہوتی تو پوچھ لیتے تھے۔ قرآنِ حکیم کے معانی و مطالب وہی صحیح اور مستند ہیں جو رسول اکرمؐ نے بیان فرمائے، آپؐ پر قرآن مجید نازل ہوا تھا۔ آپؐ ہی اس کے مطالب کا صحیح علم رکھتے تھے۔ یہ علم آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو تبیین فرما کر منتقل فرما دیا۔

یہ حقیقت ہے کہ حضورؐ نے قرآن حکیم کی جو شرح فرمائی وہ بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ رسول اکرمؐ کا ہر قول و فعل اللہ کے اذن سے ہی ہوتا تھا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى۔ (النجم ۵۳: ۳ تا ۴)

ترجمہ: اور آپؐ نہیں بولتے نفس کی خواہش سے۔ یہ تو ایک وحی ہے جو آپؐ کو کی گئی ہے۔"

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ۔ (الفتح ۴۸: ۱۰)

ترجمہ: "بیشک جو لوگ آپؐ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔"

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى۔ (الانفال ۸: ۱۷)

"اور (خاک کی مٹھی) آپؐ نے نہیں پھینکی تھی جس وقت آپؐ نے پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی تھی۔"

۱۰۔ حلال و حرام کے قوانین: رسولِ اکرمؐ صرف شارحِ قرآن نہیں بلکہ شارع بھی ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اہلِ اسلام کو حکم دیا ہے کہ پاک اور حلال چیزیں کھاؤ اور ناپاک چیزیں نہ کھاؤ۔ چند چیزوں کی بابت بتا دیا کہ یہ حرام ہیں اور اس بارے باقی کی تشریع (قانون دینا) یہ کہہ کر حضورؐ پر چھوڑ دی۔

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ۔ الاعراف ۷: ۱۵۷

ترجمہ: اور رسولؐ ان کے لیے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتے ہیں۔

Marfat.com

چنانچہ حضورؐ نے کچلیوں والے درندے اور شہری گدھے کو حرام فرما دیا۔ اسی طرح جو جانور گندگی اور نجاست کھانے والا ہو اس کا گوشت کھانے اور دودھ پینے سے منع فرما دیا۔ اللہ تعالیٰ نے مردار کھانے سے منع فرمایا ہے لیکن حضورؐ نے مچھلی کو حلال قرار دیا۔ اسی طرح قرآن مجید میں یہ بتا دیا کہ فلاں فلاں رشتہ کی عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے، ان کے سوا باقی کے لیے ارشاد فرمایا:

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ۔ (النساء۴: ۲۴)

ترجمہ: "اور تمہارے لیے حلال ہیں جو ان کے سوا ہیں۔" یعنی مذکورہ رشتہ والی عورتوں کے سوا کسی بھی عورت سے تم نکاح کر سکتے ہو۔

۱۱۔ اسوۂ حسنہ: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ (الاحزاب ۳۳: ۲۱)

ترجمہ: "بیشک تمہارے لیے رسول اللہؐ کی سیرت میں بہترین نمونہ ہے، اس کے لیے جو امید رکھتا ہو اللہ کی اور یوم آخرت کی۔"

اس آیت مبارکہ سے صاف ظاہر ہے کہ ہر اس شخص پر جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ اللہ کے حضور آخرت کے روز پیش ہونا ہے اور اپنے اعمال کا حساب دینا ہے اس پر حضورؐ کی سیرت طیبہ اور آپؐ کے اخلاقِ فاضلہ کی اتباع ضروری ہے اور یہ سب کچھ سنت سے ہی معلوم ہوتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرتِ پاک لوگوں کے لیے ایک اعلیٰ عملی نمونہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بنی نوع انسان پر بالعموم اور اہلِ ایمان پر بالخصوص یہ عظیم احسان ہے کہ اس نے ایسے رسولِ مکرم و معظم کو مبعوث فرمایا جن کی سیرتِ طیبہ ان کے لیے بہترین نمونہ ہے۔ جو شخص انسانیت کے اعلیٰ مراتب کو حاصل کرنا چاہے اس کا کام آسان کر دیا گیا ہے، وہ حضورؐ کی سنت پر عمل کر کے پورے اعتماد کے ساتھ اپنی اس آرزو کی تکمیل کر سکتا ہے۔

Marfat.com

اہم سوالات

۱۔ سورۃ "الفرقان" کے آخری رکوع کی روشنی میں مومن کی صفات پر روشنی ڈالیے۔
(پنجاب یونیورسٹی۔ ۱۹۹۱ء سپلیمنٹری پہلا گروپ، ۱۹۹۲ء سالانہ پہلا گروپ)

۲۔ سورۃ "الحجرات" میں مذکور معاشرتی برائیوں کی نشاندہی کیجیے۔ (۱۹۹۲ء سالانہ دوسرا گروپ)

۳۔ سورۃ "الحجرات" میں مذکور اسلام کی معاشرتی تعلیمات بیان کیجیے۔ (۱۹۹۱ء سپلیمنٹری دوسرا گروپ)

۴۔ سورۃ الحجرات کے مضامین کا خلاصہ تحریر کیجیے۔ (۱۹۸۸ء سپلیمنٹری دوسرا گروپ)

۵۔ قرآن حکیم کے فضائل و برکات پر ایک جامع مضمون تحریر کیجیے۔ (۱۹۸۰ء سالانہ پہلا گروپ)

۶۔ قرآن حکیم کی تدوین و فضائل پر ایک جامع شذرہ قلمبند کیجیے۔ (۱۹۹۱ء سالانہ پہلا گروپ)

۷۔ سنت کی اہمیت پر ایک جامع مضمون لکھیے۔

۸۔ مندرجہ ذیل آیاتِ قرآنیہ کا ترجمہ اور تشریح کیجیے۔

★ وعباد الرحمٰن ۔ ۔ ۔ سُجَّدًا وَّ قِيَامًا۔ الفرقان : ۶۳-۶۴
(۱۹۹۰ء سالانہ پہلا، دوسرا گروپ، ۱۹۹۲ء سالانہ پہلا گروپ)

★ وانْ طائفتٰن ۔ ۔ ۔ اللہ یحب المقسطین۔ الحجرات : ۹
(۱۹۹۲ء سالانہ پہلا گروپ)

★ والّذین لایشھدون ۔ ۔ ۔ صُمًّا وعمیانًا۔ الفرقان : ۷۲-۷۳
(۱۹۹۲ء سالانہ دوسرا گروپ)

★ انّ الّذین ینادونکَ ۔ ۔ ۔ اللہ غفورٌ رّحیمٌ۔ الحجرات : ۴
(۱۹۹۲ء سالانہ دوسرا گروپ)

★ قُلْ مَا یعبؤُا بکم ۔ ۔ ۔ فسوف یکون لزامًا۔ الفرقان : ۷۷
(۱۹۹۱ء سپلیمنٹری پہلا گروپ)

★ وَلٰکنّ اللہ حبّب ۔ ۔ ۔ اولٰئِکَ ھُمُ الراشدون۔ الحجرات : ۷
(۱۹۹۱ء سپلیمنٹری پہلا گروپ)

Marfat.com

★ اولٰٓئِکَ یجزون . . . . مستقرًا وَّ مقامًا۔ الفرقان : ۷۶

(۱۹۹۱ء سپلیمنٹری دوسرا گروپ)

★ یٰاَیُّھَا النَّاس . . . . اِنَّ اللہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ۔ الحجرات : ۱۳

(۱۹۹۱ء سپلیمنٹری دوسرا گروپ)

★ اِلَّا مَن تابَ . . . . کانَ اللہ غفورًا رحیمًا۔ الفرقان : ۷۰

(۱۹۹۱ء سالانہ پہلا گروپ)

★ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لاترفعوا . . . . لاتشعرون۔ الحجرات : ۲

(۱۹۸۹ء سالانہ دوسرا گروپ، ۱۹۹۱ء سالانہ پہلا گروپ)

★ والَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا . . . . لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا۔ الفرقان : ۷۴

(۱۹۹۱ء سالانہ دوسرا گروپ)

★ اِنَّما الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ . . . . لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ الحجرات : ۱۰

(۱۹۹۱ء سالانہ دوسرا گروپ)

★ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لاتُقَدِّمُوْا . . . . سَمِیْعٌ علیمٌ۔ الحجرات : ۱

(۱۹۹۰ء سالانہ پہلا گروپ)

★ قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ . . . . واللہ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ۔ الحجرات : ۱۶

(۱۹۹۰ء سالانہ پہلا گروپ)

★ وَالَّذِیْنَ اِذَا انفقوا . . . . بَیْنَ ذَالِکَ قوامًا۔ الفرقان : ۶۷

(۱۹۹۰ء سپلیمنٹری دوسرا گروپ)

★ واعلموا انَّ فِیْکُمْ . . . . مِنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ۔ الحجرات ۷

(۱۹۹۰ء سپلیمنٹری دوسرا گروپ)

★ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمنوا . . . . اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ۔ الحجرات : ۱۲

(۱۹۹۰ء سپلیمنٹری دوسرا گروپ)

★ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا . . . . علٰی مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ۔ الحجرات : ۶

(۱۹۸۷ء سالانہ دوسرا گروپ، ۱۹۸۹ء سالانہ پہلا گروپ)

Marfat.com

باب دوم

دینِ اسلام

(آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبویہ کی روشنی میں)

(الف) عقائد

۱۔ توحید ۲۔ رسالت ۳۔ آخرت

(ب) عبادات

۱۔ نماز ۲۔ روزہ ۳۔ زکوٰۃ ۴۔ حج ۵۔ جہاد

Marfat.com

معنی و مفہوم: توحید کا لفظ وحد (و ح د) سے نکلا ہے، اس کا لفظی معنی ہے ایک کرنا، ایک ٹھہرانا، ایک بنانا۔ توحید کا اصطلاحی مفہوم ہے اللہ کو ایک ماننا۔

۱۔ اس کی ذات میں، کہ وہ وحدہٗ لاشریک ہے، اس کی ذات کے سوا کوئی اور ذات نہیں جو خدائی میں اس کے ساتھ شریک ہو، خدائی میں اللہ کی ذات یگانہ و یکتا ہے۔

۲۔ اس کی صفات میں، کہ وہ اپنی ہر صفت میں بےمثال ہے، یگانہ و یکتا ہے، اس کے سوا کوئی اور ذات نہیں جس میں اللہ جیسی صفات یا کوئی ایک صفت پائی جاتی ہو۔

۳۔ اس کے افعال میں، کہ وہ تنہا اس کائنات کا مالک ہے، صرف اسی کا اس پوری کائنات میں تصرّف ہے، کوئی اس کے افعال میں نہ اس کا شریکِ کار ہے اور نہ ہی معاون اور مددگار۔

۴۔ اس کی عبادت میں، کہ عبادت کے لائق صرف اللہ ہے۔

اسلام کا تصوّرِ توحید

اسلام نے توحید کا ایک ایسا تصوّر دیا ہے جو کامل اور جامع بھی ہے اور آسانی سے ہر خاص و عام کی سمجھ میں آنیوالا بھی ہے۔ اسلام کے دیے ہوئے تصوّرِ توحید کے بنیادی اور اہم پہلو حسبِ ذیل ہیں۔

۱۔ **وحدانیت:** یعنی اِلٰہ (معبود) صرف ایک ہے اور وہ ہے اللہ۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ "اس کے سوا کوئی خدا نہیں"۔ وَاِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ (البقرہ ۱۶۳) "اور تمہارا خدا ایک ہے، اس رحمٰن و رحیم کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔" قرآنِ حکیم میں بار بار اس حقیقت کو دہرایا گیا ہے کہ خدا تو صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے اللہ۔ عرب کے مشرکین کو یہی تو اعتراض تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سب خداؤں کو چھوڑ کر صرف ایک خدا بتا رہے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

Marfat.com

أَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ۔
(ص ۳۸ : ۵)

کیا اُس نے سارے خداؤں کی جگہ بس ایک ہی خدا بنا ڈالا؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے!
خدائی صرف ایک کی ہو ہی سکتی ہے۔ ایک ملک میں بیک وقت دو حکمران نہیں ہو سکتے تو کائنات کے خالق و مالک دو خدا کیسے ہو سکتے ہیں؟ قرآنِ حکیم میں ایک سے زیادہ خداؤں کی نفی کی گئی ہے:

(۱) لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ (الانبیاء ۲۱ : ۲۲)
"اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا دوسرے خدا بھی ہوتے تو ضرور ان دونوں (یعنی زمین و آسمان) کا نظام بگڑ جاتا۔"

(۲) مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ (المومنون ۲۳ : ۹۱)
"اللہ نے کسی کو اپنی اولاد نہیں بنایا ہے اور کوئی دوسرا خدا اس کے ساتھ نہیں ہے، اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق کو لے کر الگ ہو جاتا اور پھر وہ ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتے۔"

اللہ تعالیٰ نے وحدانیت کی شہادت دی ہے اور فرشتے اور اہلِ علم بھی اس پر گواہ ہیں:
شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَاۗىِٕمًۢا بِالْقِسْطِ ۭ (اٰل عمران ۳ : ۱۸)
اللہ نے اس بات کی شہادت دی ہے کہ اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے اور فرشتے اور سب اہلِ علم بھی انصاف کے ساتھ اس پر گواہ ہیں۔

۲۔ ذاتِ الٰہیہ کا تصور: انسان کا جذبۂ تجسس ذاتِ الٰہیہ کے متعلق کئی سوالات اٹھاتا ہے کہ جس ہستی کو ہم نے خدا مانا ہے وہ کیسی ہے کب سے ہے، کہاں ہے؟ وغیرہ، تاکہ ذہن میں اس کا ایک واضح اور مثبت تصور قائم کر سکیں۔ لیکن ہمارے وسائلِ ادراک، حواسِ خمسہ، ذاتِ الٰہیہ کا ادراک نہیں کر سکتے کیونکہ وہ ماوراء، غیر مرئی اور لطیف ہے جبکہ وسائلِ ادراک کی رسائی صرف عالمِ طبیعیات تک محدود ہے۔ ذاتِ الٰہیہ کی کوئی مثال بھی نہیں دی جا سکتی کیونکہ مثال کائنات کی کسی چیز کی ہی دی جا سکتی ہے اور کائنات تو مخلوق ہے جبکہ اللہ کائنات کا خالق ہے۔ تو خالق کے لیے مخلوق کی مثال کیونکر دی جا سکتی ہے۔ ذاتِ الٰہیہ کے بارے میں اسی لیے ارشاد ہے، لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ

Marfat.com

(الشوریٰ ۴۲ ، ۱۱:) "اُس کے مثل کوئی چیز نہیں ہے۔" وہ بے مثل ہے، بے مثال ہے، اسے آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں۔ لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ (الانعام ۶، ۱۰۳:) حضرت موسیٰؑ نے ذاتِ الٰہیہ کے دیدار کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ اس کی بابت ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(ترجمہ) "حضرت موسیٰؑ نے کہا: اے میرے رب! مجھے اپنا دیدار بخش دے، فرمایا، تو مجھے نہیں دیکھ سکتا، ہاں ذرا سامنے کے پہاڑ کی طرف دیکھ اگر وہ اپنی جگہ قائم رہ جائے تو تو مجھے دیکھ لے گا۔ چنانچہ اس کے رب نے جب پہاڑ پر تجلی کی تو اسے ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰؑ غش کھا کر گر پڑا۔"

(الاعراف ۷، ۱۴۳:)

ذاتِ الٰہیہ زمان، مکان، جہت، صورت، جسم، تغیر، تأثر اور انتقال (منتقل ہونا) سے کامل طور پر پاک ہے۔ وہ واجب الوجود ہے، یعنی ایک ایسا وجود جو بہر حال تھا، ہے اور رہے گا۔ وہ قائم بالذات ہے۔ اللہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ (الحدید ۵۷، ۳:) "وہی اول ہے وہی آخر، وہ ظاہر بھی ہے اور مخفی بھی (کائنات میں اسی کے نور کا ظہور ہے، اس طرح وہ ظاہر ہے) ہر جگہ موجود ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے، "ایسا نہیں ہوتا کہ تین آدمیوں میں سرگوشی ہو اور ان کے درمیان چوتھا اللہ نہ ہو، یا پانچ آدمیوں میں سرگوشی ہو اور ان میں چھٹا اللہ نہ ہو، سرگوشی کرنیوالے خواہ اس سے کم ہوں یا زیادہ، جہاں کہیں بھی وہ ہوں اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔" (المجادلہ ۵۸، ۷:) وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ (قٓ ۵۰، ۱۶:) "ہم انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔" وہی ایک ذات ہے کہ جسے بقا حاصل ہے: كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ (العنکبوت ۲۹، ۸۸:) "ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اس کی ذات کے۔"

۳۔ صفاتِ الٰہیہ کا تصور:

اسلام نے صفاتِ الٰہیہ کا جو تصور دیا ہے وہ جلال و اکرام والی ذاتِ الٰہیہ کے شایانِ شان ہے جیسے ذاتِ الٰہیہ بے مثال ہے ویسے ہی صفاتِ الٰہیہ بھی بے مثال ہیں۔ اللہ کی صفات سب سے برتر اور اعلیٰ ہیں: وَلِلَّهِ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ (النحل ۱۶، ۶۰:)۔ اس کے نہایت اچھے اچھے نام ہیں: وَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ (طٰہٰ ۲۰، ۸:)۔ اللہ اسم ذات ہے اور باقی اسمائے حسنیٰ اس کی صفات ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفات اس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں اور لامحدود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کی وسعت اور گہرائی کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ ■ خالق (پیدا کرنے والا) ہے، ربّ (پالنے والا) ہے، رحیم (بار بار رحم کرنے والا)

Marfat.com

رحمان (بیحد رحم کرنیوالا)، اَلْوَدُوْدُ (پیار کرنیوالا)، اَلْوَھَّابُ (بہت عطا کرنیوالا)، اَلْجَبَّارُ (جبروت والا) اَلْعَزِیْزُ (زبردست، غلبہ والا)، اَلْقَھَّارُ (غالب، جس کے حکم سے کوئی باہر نہیں ہو سکتا)، اَلْمُتَکَبِّرُ (اپنی بڑائی دکھانے والا)، اَلْمُنْتَقِمُ (سزا دینے والا)، اَلْحَیُّ (زندہ اور دوسروں کو زندگی بخشنے والا)، اَلْقَیُّوْمُ (قائم رہنے والا اور دوسروں کو قائم رکھنے والا)، اَلسَّمِیْعُ (سننے والا)، اَلْبَصِیْرُ (دیکھنے والا) اَلْحَکِیْمُ (حکمت والا) ہے۔

وہ قادر مطلق ہے، اس کی قدرت کی کوئی حد اور انتہا نہیں ہے اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (فاطر ۳۵: ۱) "یقیناً اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے" وَسِعَ کُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (البقرہ ۲: ۲۵۵) "اس کا اقتدار (کرسی) آسمانوں اور زمین پر حاوی ہے۔" اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (الاعراف ۷: ۵۴)، "سن لو، خلق اور امر اسی کے لیے ہیں۔" اس کی قدرت کی طرح اس کے علم کی بھی کوئی حد اور انتہا نہیں ہے: وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ط وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ (الحجرات ۴۹: ۱۶) "اور اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔" لَا یَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ (سبا ۳۴: ۳)، "اس سے ذرہ برابر کوئی چیز نہ آسمانوں میں چھپی ہوئی ہے اور نہ زمین میں۔" وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا۔ (الانعام ۶: ۵۹) "اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر وہ اسے جانتا ہے۔" یَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ (المؤمن ۴۰: ۱۹)، "وہ نگاہوں کی چوری اور وہ راز تک جانتا ہے جن کو سینے چھپائے ہوئے ہیں۔" وہ انسان کے دلوں کے وسوسے تک کو جانتا ہے (قٓ ۵۰: ۱۶)

۴۔ کائنات کا اللہ سے تعلق:

(۱) اللہ ساری کائنات کا خالق ہے اور ساری کائنات اس کی مخلوق ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ (السجدہ ۳۲: ۴)، "اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور ان ساری چیزوں کو جو ان کے درمیان ہیں چھ دنوں میں پیدا کیا۔"

خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ (الانعام ۶: ۱۰۲)، "ہر چیز کا خالق ہے۔" مسلسل اس کے پیدا کرنیکا سلسلہ جاری ہے: یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ (وہ پیدائش

Marfat.com

میں جو چاہے زیادہ کر دیتا ہے۔"

(۲) اللہ پوری کائنات کے تمام معاملات کی تدبیر کرتا ہے۔ پوری کائنات میں اسی کا حکم چلتا ہے اور اس کے احکام مسلسل نازل ہوتے رہتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ (السجدہ، ۳۲: ۵) "وہ آسمان سے زمین تک کائنات کے معاملات کی تدبیر کرتا ہے"۔ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ (الطلاق، ۶۵: ۱۲) "ان (یعنی آسمان اور زمین) کے درمیان حکم نازل ہوتا رہتا ہے"۔ وَاِذَا قَضٰى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (البقرہ، ۱۱۷) "اور جب وہ کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے تو بس اتنا کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے"۔

(۳) پوری کائنات اللہ کی مطیع اور تسبیح گزار ہے۔ وہ پوری کائنات کا مالک ہے اور ہر چیز اس کی حمد و ثنا میں لگی ہوئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ

(بنی اسرائیل، ۱۷: ۴۴)

"ساتوں آسمان اور زمین اور وہ ساری چیزیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اس کی تسبیح کر رہی ہیں، کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کر رہی ہو، مگر تم ان کی تسبیح سمجھتے نہیں۔"

کائنات کی ہر چیز اس کی فرمانبردار ہے:

بَلْ لَّهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ (البقرہ، ۱۱۶)

"بلکہ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، سب اس کے مطیع و فرمانبردار ہیں۔"

(۴) اللہ ہی سب کا رب ہے: ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (حٰم السجدہ، ۴۱: ۹) وہ ہے تمام جہانوں کا رب (پالنے والا، پروردگار)۔ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا (صٓ، ۳۸: ۶۶) "وہ رب ہے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا"۔ زمین میں چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ کے ذمے نہ ہو (ہود، ۱۱: ۶)

۵- انسان کا اللہ سے تعلق:

باقی پوری کائنات کی طرح انسان بھی اللہ کی مخلوق ہے اور انسان کا اللہ سے تعلق عبودیت کا ہے، انسان عبد ہے اور اللہ معبود۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَمَا خَلَقْتُ

Marfat.com

الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذٰریٰت ۵۱ : ۵۶) ، "اور نہیں پیدا کیا میں نے جنوں اور انسانوں کو مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں۔" تاہم اللہ نے بنی آدم کو بزرگی عطا کی ہے اور اسے اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت بخشی ہے : وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا (بنی اسرائیل ۱۷ : ۷۰) انسان کی تکریم کے لیے اسے زمین میں اپنا خلیفہ بنایا اور تمام فرشتوں نے اسے سجدہ کیا۔ (دیکھیے البقرہ ۲ : ۳۰ تا ۳۴)۔ اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب کو انسان کے لیے مسخر کر رکھا ہے (الجاثیہ ۴۵ : ۱۳)۔ اللہ نے انسان کے لیے دنیا میں سازگار ماحول فراہم کیا اور اس کی فطرت کی ہر مانگ اور ضرورت کو پورا کیا اور اسے اتنی نعمتیں عطا کیں کہ ان کو شمار کرنا چاہے تو شمار نہ کر سکے (ابراہیم ۱۴ : ۳۴)۔ اللہ ہی انسان کو زندگی دیتا ہے اور موت بھی، اس کا ہر نفع و نقصان اللہ کے ہاتھ میں ہے ؛ وہی سب انسانوں کا رازق ہے۔ اللہ ہی انسان کو موت کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا اور اس کے اعمال کا حساب لے گا، نیکی کا اجر دے گا اور گناہ کی سزا، کیونکہ اللہ نے انسان کو برے اور بھلے کی تمیز بخشی ہے اور نیکی یا بدی کرنے کا اختیار عطا کیا ہے اس لیے وہ اپنے اعمال کے لیے اللہ کے سامنے جوابدہ ہے۔ (اس کی تفصیل آخرت کے عنوان کے تحت دیکھیے)۔

۶۔ ہر قسم کے شرک کی نفی : اسلام خالص توحید کا تصور پیش کرتا ہے اور ہر قسم کے شرک کی نفی کرتا ہے، شرک فی الذات، شرک فی الصفات، شرک فی الافعال اور شرک فی العبادۃ سب کی نفی کرتا ہے۔ اللہ کے سوا اور کوئی وجود نہیں جو خدا کہلائے ، نہ سورج ، نہ چاند ، نہ ستارے ، نہ آسمان ، نہ زمین ، نہ فرشتے ، نہ کوئی انسان اور نہ کوئی اور چیز۔ کوئی وجود اس کی کسی صفت میں شریک نہیں۔ اللہ زندگی عطا کرتا ہے ؛ وہی موت دیتا ہے ؛ وہی صحت دیتا ہے وہی بیماری دیتا ہے وہی رزق دیتا ہے ؛ وہی نفع کا مالک ہے اور وہی نقصان کا مالک ہے۔ کسی اور وجود کو نفع یا نقصان کا مالک ماننا یا رازق سمجھنا ، وغیرہ شرک فی الصفات ہے۔ اللہ تمام افعال اپنی قدرت کاملہ و مطلقہ سے تنہا سر انجام دیتا ہے۔ اسے کسی کی مدد کی حاجت نہیں، فرشتوں وغیرہ کو اللہ کا معاون اور مددگار سمجھنا شرک فی الافعال ہے۔ اللہ کے سوا کسی اور وجود کی بندگی اور عبادت کرنا، سجدہ کرنا شرک فی العبادۃ ہے۔ اسلام ہر قسم کے شرک کی نفی کرتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے :

(۱) وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا (النساء ۴ : ۳۶) "اور اس کے ساتھ کسی

Marfat.com

کو شریک نہ بناؤ۔"

(۲) لَا شَرِيْكَ لَهٗ (الانعام ۶: ۱۶۳) "اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔"

(۳) وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا (الکھف ۱۸: ۱۱۰) "اور اپنے رب کی عبادت میں کسی اور کو شریک نہ کرے۔"

(۴) لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ (حٰم السجدہ ۴۱: ۳۷) "سورج کو سجدہ نہ کرو اور نہ چاند کو اور اللہ کو سجدہ کرو جس نے انہیں پیدا کیا۔"

(۵) وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ (یونس ۱۰: ۱۰۶) "اور اللہ کو چھوڑ کر کسی ایسی ہستی کو نہ پکار جو تجھے نہ نفع دے سکتی ہے اور نہ ضرر۔"

(۶) لَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ۭ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ (النساء ۴: ۱۷۱) "اور یہ نہ کہو کہ (خدا) تین ہیں، باز آجاؤ، یہ تمہارے ہی لیے بہتر ہے۔"

توحید کے لازمی تقاضے

اسلام توحید کا جو تصور پیش کرتا ہے اس کے کچھ لازمی تقاضے ہیں جن کو پورا کیے بغیر توحید پر ایمان مکمل نہیں ہوتا اور نہ اس کا کچھ اثر اور فائدہ ہوتا ہے۔ یہ تقاضے درج ذیل ہیں:

۱۔ اللہ سے محبت ہر محبت پر غالب ہو: انسان کو دنیا میں بہت سی چیزوں سے محبت ہوتی ہے۔ توحید پر ایمان رکھنے والے کے لیے لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس قدر محبت رکھے کہ وہ تمام محبتوں پر غالب ہو، اللہ کی محبت سے کسی محبت کا ٹکراؤ ہو تو وہ اللہ کی محبت کو قائم رکھتے ہوئے دوسری محبت کو چھوڑ دے۔ پھر اللہ تعالیٰ ہی کے لیے کسی سے محبت کرے اور اسی کے لیے کسی سے نفرت کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۔ (البقرہ ۱۶۵)

اور جو لوگ ایمان رکھتے ہیں وہ سب سے زیادہ اللہ سے محبت رکھتے ہیں۔

۲۔ ہر نیکی اللہ کی رضا کے لیے کی جائے: توحید پر ایمان رکھنے والا ہر نیکی اس نیت اور ارادے سے کرتا

Marfat.com

ہے کہ اس سے اللہ کی خوشنودی حاصل ہوگی، کوئی ادنیٰ دنیوی مفاد اس کے پیشِ نظر نہیں ہوتا اس کی تمام تر جدوجہد اللہ کی رضا جوئی کے لیے ہوتی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

(۱) وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ط (البقرہ ۲۰۷)

"اور لوگوں میں سے کوئی (یعنی مومن) ایسا ہوتا ہے جو رضائے الٰہی کی طلب میں اپنی جان تسلیم کر دیتا ہے۔"

(۲) قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔ (الانعام ۶، ۱۶۲)

"کہہ دیجیے کہ یقیناً میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔"

۳۔ صرف اللہ کی عبادت کی جائے: توحید کا تقاضا ہے کہ صاحبِ ایمان صرف اور صرف اللہ کی بندگی اور عبادت کرے۔ کسی بھی صورت میں اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرے۔ ارشاد ہے:

(۱) اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ۔ (یوسف ۱۲، ۴۰)

"اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو۔"

(۲) فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ (العنکبوت ۲۹: ۵۶)

"پس تم میری ہی بندگی بجا لاؤ۔"

۴۔ صرف اللہ کا خوف رکھے: صرف اللہ کا خوف رکھے اور اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ رکھے۔ نفع اور نقصان، زندگی اور موت، تندرستی اور بیماری، رزق کی تنگی اور فراخی سب اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ ارشادِ الٰہی ہے: وَاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ (البقرہ ۲،۱۰) "اور صرف مجھ ہی سے ڈرو۔"

۵۔ صرف اللہ سے مدد مانگے: کیسی بھی مشکل آن پڑے مدد صرف اللہ ہی سے مانگنی چاہیے۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ "ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔"

اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ۔ (البقرہ ۱۰۷)

"اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی خبر گیری کرنے والا ہے اور نہ کوئی مددگار۔"

Marfat.com

اور اللہ بہترین مددگار ہے : وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ۔ (البقرہ ۱۵۰، ۳ : ۱۶)

۶۔ **صرف اللہ پر بھروسہ رکھے۔** توحید پر ایمان رکھنے والے کو صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ مادی وسائل یا کوئی دوسری مخلوق بھروسہ کے قابل نہیں۔ ارشادِ الٰہی ہے : وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۔ (المائدہ ۵، ۲۳) "اور اللہ ہی پر بھروسہ رکھو، اگر تم ایمان رکھتے ہو۔"

۷۔ **اللہ کا شکر گزار رہے :** مومن ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار رہے۔ اللہ تعالیٰ کی انسان پر اتنی نعمتیں اور احسان ہیں کہ انہیں شمار کرنا چاہے تو شمار نہیں کر سکتا اور مومن پر تو اس کا سب سے بڑا یہ احسان ہے کہ اس نے اسے ایمان کی توفیق بخشی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

فَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ (البقرہ ۲، ۱۷۲) "اور اللہ کے شکر گزار رہو۔"

۸۔ **شرک اور شائبہ شرک سے بچے :** شرک کی ہر صورت سے اجتناب کرنا چاہیے جس میں شرک کا شائبہ ہو اس سے بھی بچنا چاہیے۔

۹۔ **اللہ ہی کے قانون کی پیروی کرے :** ارشادِ باری تعالیٰ ہے : اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ (الاعراف ۷، ۳) "اسی کی پیروی کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اور اس کو چھوڑ کر دوسرے سرپرستوں کی پیروی نہ کرو۔" اہلِ ایمان کو حکومت کے کسی ایسے قانون کی پیروی نہیں کرنی چاہیے جس میں اللہ کی نافرمانی ہوتی ہو۔

توحید کے اثبات میں دلائل

ذاتِ الٰہیہ کی حقیقت (کنہ) کو پانا انسان کے بس کی بات نہیں ہے، البتہ کائنات، انسانی تاریخ اور خود انسان کے نفس میں آیاتِ الٰہیہ بکثرت موجود ہیں جو ذاتِ الٰہیہ کی طرف ہماری رہنمائی کرتی ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ وَفِىْٓ اَنْفُسِهِمْ ۔

(حٰمٓ السجدہ ۴۱ : ۵۳)

Marfat.com

ترجمہ: "ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفس میں بھی۔"

قرآن مجید میں بار بار آیاتِ الٰہیہ کے مشاہدے اور مطالعے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے تاکہ ذہنِ انسانی کو ذاتِ الٰہیہ کے تصور کا راستہ مل جائے۔ ان آیاتِ الٰہیہ کی حیثیت فلسفیانہ یا منطقی دلائل کی نہیں ہے اور سچی بات تو یہ ہے کہ فلسفیانہ یا منطقی دلائل سے ذاتِ الٰہیہ کا مثبت تصور قائم کرنے میں کوئی مدد نہیں مل سکتی۔ توحید کا تصور انسان کی فطرت میں موجود ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: "اور جب تیرے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا تھا اور انہیں خود ان کے اوپر گواہ بنا کر پوچھا تھا، کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا، کیوں نہیں! ہم نے اس کی گواہی دی۔ یہ ہم نے اس لیے کیا کہ کہیں تم قیامت کے روز یہ نہ کہہ دو کہ ہم تو اس بات سے بے خبر تھے۔" (الاعراف ۷: ۱۷۲)

پھر اللہ تعالیٰ یاد دہانی کے لیے انبیاء و رسل مبعوث فرماتا رہا، تمام انبیاء اور رسولوں نے توحید ہی کی تعلیم دی۔ آیاتِ الٰہیہ کا مطالعہ انسانی فطرت میں موجود تصورِ توحید کو اجاگر کرتا ہے۔ قرآن حکیم میں توحید کے اثبات کے لیے بکثرت آیاتِ الٰہیہ بیان کی گئی ہیں۔ ما چند مثالیں درج ذیل ہیں:

(الف) کائنات میں آیاتِ الٰہیہ: پوری کائنات اور اس میں موجود نظم و ربط اللہ کی بہت بڑی نشانی ہے جو اس حقیقت کی طرف رہنمائی کرتی ہے کہ ضرور اس وسیع کائنات کی تخلیق اور تدبیر کسی ایک قادرِ مطلق خدا کا کام ہے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۱۔ ترجمہ: یقیناً آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے بدلنے میں اور اُن کشتیوں میں جو لوگوں کو نفع دینے والی چیزیں لیے سمندر میں چلتی ہیں اور پانی میں جو اللہ اوپر سے نازل کرتا ہے پھر اس کے ذریعے مردہ زمین کو زندگی بخشتا ہے اور اس (زمین) میں ہر قسم کی جاندار مخلوق کو پھیلاتا ہے، اور ہواؤں کے پھیرنے میں اور آسمان اور زمین کے درمیان مسخر بادل میں نشانیاں ہیں۔ ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔"

(البقرہ ، ۱۶۴)

۲۔ (ترجمہ) "اور تمہارے لیے مویشیوں میں بھی ایک سبق موجود ہے۔ اُن کے پیٹ سے گوبر اور خون کے درمیان سے ہم تمہیں پاکیزہ دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں

[illegible]

[illegible]

Marfat.com

کے لیے نہایت خوشگوار ہے۔" (النحل ۱۶ : ۶۶)

(ب) **انسان کے اپنے نفس میں آیاتِ الٰہی:** عالم طبیعات کے علاوہ خود انسان کے اپنے نفس میں بے شمار آیاتِ الٰہیہ موجود ہیں، مثلاً:

(۱) ترجمہ: "تو انسان یہی دیکھ لے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ ایک اچھلنے والے پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔"

(۲) (الطارق ۸۶ : ۵ تا ۷)

(۲) ترجمہ: "اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری جنس کی بیویاں بنائیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی پیدا کر دی، یقیناً اس میں نشانیاں ہیں۔ ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔ اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا ہے اور تمہاری زبانوں اور رنگتوں کا مختلف ہونا ہے۔ یقیناً اس میں نشانیاں ہیں دانشمندوں کے لیے۔"

(الروم ۳۰ : ۲۱ تا ۲۲)

(ج) **تاریخ انسانی میں آیاتِ الٰہیہ:** انسانی تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے جو توحید کی طرف ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔
قرآنِ حکیم میں ایسے بعض واقعات کو آیاتِ الٰہیہ کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً قومِ نوحؑ کا غرق ہونا،[۱] عاد اور ثمود اور دوسری قوموں پر عذابِ الٰہی،[۲] حضرت ابراہیمؑ کا آگ کے الاؤ میں ڈالا جانا اور زندہ و سلامت رہنا،[۳] حضرت موسیٰؑ کے معجزات،[۴] حضرت عیسیٰؑ کی ولادت اور معجزات[۵] وغیرہ۔

توحید کی اہمیّت

اسلام میں عقیدۂ توحید تمام عقائدِ دینیہ کی اصل اور بنیاد ہے۔ قرآنِ حکیم کا اصل پیغام توحید ہے۔ قرآنِ حکیم کے بیان کے مطابق تمام سابقہ انبیاء و رسل کی تعلیمات کا مرکز و محور بھی توحید ہی تھا۔ حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت لوطؑ اور حضرت ابراہیمؑ کی نسل سے اٹھنے والے تمام انبیاء مثلاً حضرت اسماعیلؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ اور حضرت عیسیٰؑ سب نے خالص توحید پر ایمان لانے کی دعوت دی اور ہر قسم کے شرک سے منع کیا۔ اللہ تعالیٰ کے آخری

---

[۱] دیکھیے مثلاً الفرقان ۲۵ : ۳۷ [۲] الفرقان ۲۵ : ۳۸ تا ۴۰ [۳] الانبیاء ۲۱ : ۶۸ تا ۷۰
[۴] الاعراف ۷ : ۱۰۶ تا ۱۳۶ [۵] آل عمران ۳ : ۴۹

Marfat.com

نبی و رسول، امام الانبیاء و سید المرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی توحید کی ہی تعلیم دی اور ہر طرح کے شرک کی نفی کی۔

کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک توحید پر ایمان نہ لے آئے۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے بغیر کوئی شخص اسلام میں داخل نہیں ہو سکتا۔

ایمان لانے کے بعد نیک اعمال کرنے والے ہی جنت میں داخل ہوں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ ۚ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ۔

(البقرہ ، ۲ : ۸۲)

ترجمہ: "اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے وہی جنتی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔"

ایک حدیث مبارک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام کے حوالے سے بتایا ہے کہ حضور کی امت میں سے جو شخص فوت ہوا اور اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہو وہ جنت میں داخل ہوگا۔[۱]

توحید کے مقابلے میں شرک ہے۔ شرک کو قرآن مجید میں ظلم عظیم قرار دیا گیا ہے۔[۲] اللہ تعالیٰ اس گناہ کو معاف نہیں فرمائے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے، اس کے سوا ہر گناہ جس کے لیے وہ چاہے گا معاف کر دے گا۔[۳]

اگر توحید پر ایمان نہ ہو اور اللہ کے ساتھ شرک کیا جائے تو تمام نیک اعمال اکارت جائیں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اُولٰٓئِکَ لَمْ یُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰہُ اَعْمَالَھُمْ ؕ

(الاحزاب ، ۳۳ : ۱۹)

ترجمہ: "یہ لوگ ایمان نہیں لائے پس اللہ نے ان کے سارے اعمال ضائع کر دیے۔"

ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے سابقہ انبیاء حضرت ابراہیم، اسحٰق، یعقوب، داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ، ہارون، زکریا، یحییٰ، عیسیٰ، الیاس، اسماعیل، الیسع، یونس اور

---

[۱] ریاض الصالحین، فضل الزہد فی الدنیا ...... بحوالہ بخاری و مسلم۔ بخاری کی روایت میں اس سے آگے یہ الفاظ بھی ہیں کہ خواہ اس نے زنا کیا ہو اور خواہ چوری کی ہو۔

[۲] سورہ لقمٰن ، ۳۱ : ۱۳ [۳] النساء ، ۴ : ۴۸

Marfat.com

لوط علیہم السلام کی فضیلت کا ذکر فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا ہے:

وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

(الانعام ۶ : ۸۸)

ترجمہ: "اور اگر انہوں (یعنی مذکورہ انبیاءؑ) نے شرک کیا ہوتا تو ان کا سب کیا کرایا غارت ہو جاتا ہے۔"

حضرت آدمؑ سے لے کر ختم المرسلین ﷺ تک ہر نبی کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر یہ واضح کر دیا تھا کہ جو شخص توحید پر ایمان نہیں رکھے گا اور شرک کرے گا اس کے تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

(الزمر ۳۹ : ۶۵)

ترجمہ: "اور (اے نبیؐ) آپ ان لوگوں سے کہہ دیجیے کہ) آپؐ کی طرف اور آپؐ سے پہلے (تمام انبیاءؑ) کی طرف یہ وحی بھیجی جا چکی ہے کہ اگر تم نے شرک کیا تو یقیناً تمہارا عمل ضائع ہو جائیگا اور تم خسارے میں رہو گے۔"

انسانی زندگی پر توحید کے اثرات

توحید کے فوائد و ثمرات

افکار و نظریات کا انسان کی عملی زندگی سے گہرا تعلق ہوتا ہے بلکہ وہ انسان کے اعمال کا محرک ہوتے ہیں، جیسی سوچ ہوتی ہے ویسا ہی عمل ہوتا ہے۔ عقیدۂ توحید سے بھی انسان کی زندگی پر گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ دیگر کسی بھی نظریے کا دائرۂ اثر تو محدود ہوتا ہے یعنی زندگی کے کسی ایک پہلو یا چند پہلوؤں کو متاثر کرتا ہے جبکہ توحید کا تصور انسانی زندگی کے ہر پہلو پر خوشگوار اثرات مرتب کرتا ہے۔ توحید پر ایمان لانے سے انسانی زندگی یکسر بدل جاتی ہے۔ انسان کا خود اپنے بارے میں نقطۂ نظر، دوسرے انسانوں کے ساتھ تعلقات اور کائنات کے ساتھ اس کے تعلق سب میں اہم تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ عقیدۂ توحید سے انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی پر جو اثرات مرتب پاتے ہیں۔ ان میں سے چند اثرات درج ذیل ہیں:

Marfat.com

انسان کی انفرادی زندگی پر اثرات

۱۔ خودداری اور عزتِ نفس

توحید پر ایمان رکھنے والا خودداری اور عزتِ نفس کا مالک ہوتا ہے۔ چونکہ وہ نفع و نقصان، عزت و دولت، زندگی اور موت، غرض ہر چیز کا مالک صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو سمجھتا ہے اس لیے وہ کسی اور کے آگے نہ ہاتھ پھیلاتا ہے اور نہ سر جھکاتا ہے۔ وہ کائنات کی ہر چیز کو اللہ کی مخلوق سمجھتا ہے جسے اللہ نے اس کے فائدے کے لیے پیدا کیا ہے۔ کائنات کی کوئی چیز تعظیم اور سجدے کے لائق نہیں بلکہ انسان ہی تمام مخلوقات میں اشرف و افضل ہے۔

۲۔ آزادی و حریت:

عقیدہ توحید انسان کو کائنات کی ہر چیز کی بندگی سے آزادی اور نجات دلا دیتا ہے۔ سورج، چاند، ستارے، آسمان، پہاڑ، درخت، سانپ، آگ، زمین کسی بھی چیز کو دیوی نہ دیوتا سمجھتا ہے اور نہ ہی اسے لائق تعظیم مانتا ہے۔ وہ ہر مخلوق کی بندگی اور غلامی سے آزاد ہو جاتا ہے کیونکہ اس کا عقیدہ ہے کہ یہ تمام چیزیں تو اللہ کی مخلوق ہیں، ان کی کوئی عظمت اور کبریائی نہیں یعظمت اور کبریائی صرف اللہ کے لیے ہے۔ ان تمام چیزوں کو تو اللہ تعالیٰ نے انسان کے فائدے اور نفع کے لیے پیدا کیا ہے۔ انسان کو ان چیزوں کے لیے پیدا نہیں کیا۔ بقول اقبالؒ

نہ تو زمیں کے لیے ہے نہ آسماں کے لیے
جہاں ہے تیرے لیے تو نہیں جہاں کے لیے

توحید پر ایمان رکھنے والا کسی انسان کو بھی اپنا خدا نہیں مانتا خواہ وہ انسان کتنی ہی طاقت اور وسائل کا مالک کیوں نہ ہو۔ وہ کسی انسان کی نہ تو بندگی کر سکتا ہے اور نہ ہی غلامی وہ تو اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (حکم صرف اللہ کا ہے) پر ایمان رکھتا ہے۔

۳۔ عجز و انکسار:

عقیدہ توحید انسان کو کائنات میں سب سے اونچا مقام بھی دیتا ہے اور اسے تمام مخلوقات کی بندگی و غلامی سے آزادی دلا کر خودداری اور عزتِ نفس کا مالک بھی بناتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس میں عجز و انکساری بھی پیدا کرتا ہے۔ اس میں کبھی تکبر پیدا نہیں ہوتا کیونکہ اس کا عقیدہ ہے کہ کبریائی (بڑائی) صرف اللہ کے لیے ہے، اللہ ہی اکبر ہے، انسان کے پاس جو کچھ ہے وہ تو اللہ تعالیٰ ہی کا دیا ہوا ہے۔ توحید پر ایمان رکھنے والا کبھی کسی بھی صورت میں خود کو دوسرے انسانوں کا رب یا خدا نہیں سمجھتا وہ تو دوسرے انسانوں پر حکومت کرنے کے اختیار (اقتدارِ اعلیٰ) کا مالک بھی

Marfat.com

صرف اللہ تعالیٰ کو مانتا ہے۔ وہ یقین رکھتا ہے کہ عزت اور ذلت اللہ کے قبضے میں ہے وہ جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔ اس کے برعکس توحید پر ایمان نہ رکھنے والا شخص یہ سمجھ کر متکبر بن جاتا ہے کہ اس کا مال و دولت، اس کی حکومت اس کا بلند مرتبہ اس کی اپنی محنت اور قابلیت کی وجہ سے ہے۔

۴۔ شجاعت و استقامت :

توحید پر ایمان رکھنے والا بہادر اور جری ہوتا ہے کیونکہ وہ کائنات کی کسی چیز کو نفع و نقصان کا مالک نہیں سمجھتا، وہ کسی مخلوق سے نہیں ڈرتا۔ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (البقرہ ۲۶۲:۲)، "نہ انہیں کوئی ڈر ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔" اہلِ ایمان کی صفت ہے، اس کا ایمان ایسے خدائے واحد پر ہوتا ہے جو قادرِ مطلق ہے، جس کی قدرت سے باہر کوئی چیز نہیں، اس کی مدد اور تائید پر بھروسہ رکھتے ہوئے وہ اپنے راستے میں آنے والی بڑی سے بڑی طاقت سے ٹکرا جاتا ہے کیونکہ اس کا ایمان ہے کہ اللہ کے سوا کوئی طاقت اسے موت نہیں دے سکتی اور اللہ اس کے ساتھ ہے، تو پھر بھلا وہ کسی چیز سے کیوں ڈرنے لگا۔ تاریخ گواہ ہے کہ توحید پر سچا ایمان رکھنے والے بارہا اپنے سے کئی گنا بڑے لشکروں سے ٹکرا گئے اور فتح مند ہوئے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ ایمان رکھتے ہیں کہ فتح و نصرت صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ دنیوی اسباب سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ توحید پر ایمان نہ رکھنے والا دنیوی اسباب پر بھروسہ رکھتا ہے اور جب انہیں اپنے حریف کے مقابلے میں کم پاتا ہے گھبرا کر ہتھیار ڈال دیتا ہے۔ بقول اقبالؒ ؎

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

۵۔ اعلیٰ نصب العین اور تصورات :

توحید پر ایمان رکھنے والے کا نصب العین بہت اونچا اور اس کے تصورات بہت اعلیٰ ہوتے ہیں۔ اس کا نصب العین دنیوی مال و متاع حاصل کر کے عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنا نہیں ہوتا، بلکہ ایسے کام کرنا ہوتا ہے جن سے اس کی آخرت سنور جائے اور اس کا خدا راضی ہو جائے چونکہ اس کا خدا بے مثل و بے مثال ہے، اپنی ذات میں بھی اور صفات میں بھی، اس کی تمام صفات بہت اعلیٰ ہیں۔ اس کا علم، حلم، رحم، کرم، کبریائی، قدرت، جبروت، قدس، جمال، جلال غرض تمام صفات بے نظیر ہیں اور مومن تَخَلَّقُوا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ (اللہ کے اخلاق اپناؤ) کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے اپنے اندر ان صفات کو پیدا کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے اس لیے دنیا کی چیزیں اس کی نظر میں کوئی وقعت نہیں رکھتیں۔ یوں وہ فی الواقع دنیا اور اس کی چیزوں کا حکمران

Marfat.com

بن جاتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اس بات کو یوں بیان کیا ہے ۔

قہاری و جباری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

اس کے مقابلے میں کافر اور مشرک کا نصب العین صرف دنیوی زندگی اور دنیا کا مال و متاع ہی ہوتا ہے اس لیے وہ ان کا اسیر اور غلام ہو کے رہ جاتا ہے۔ اس کا نصب العین اور تصورات نہایت معمولی اور گھٹیا ہوتے ہیں۔

۶۔ رجائیت :

مومن کا نقطۂ نظر ہمیشہ OPTIMISTIC ہوتا ہے۔ وہ مشکل ترین حالات میں بھی کبھی مایوس نہیں ہوتا، کیونکہ اس کا ربط و تعلق ایسے خدا کے ساتھ قائم ہے جو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے جس کے لیے کوئی کام مشکل نہیں ہے۔ توحید پر ایمان رکھنے والا لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ "تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ" کی ہدایت پر عمل کرتا ہے۔

۷۔ اطمینانِ قلب :

توحید پر ایمان رکھنے سے انسان کو اطمینانِ قلب حاصل ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ اللہ کی رضا پر راضی رہتا ہے اور ہر کام میں اللہ کی حکمت پر یقین رکھتا ہے۔ وہ کبھی کسی مالی یا جانی نقصان پر غم سے نڈھال یا زندگی سے بیزار نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ یقین رکھتے ہوئے مطمئن اور پرسکون رہتا ہے کہ اس میں ضرور کوئی حکمت ہوگی۔ جسے میں فی الحال سمجھنے سے قاصر ہوں اور اللہ کے کسی فعل کو حکمت سے خالی نہیں سمجھتا اور نہ ہی اللہ کو ظالم سمجھتا ہے۔ اس کا ایمان ہے کہ اللہ رحیم، رحمن، رؤف اور حکیم ہے۔

۸۔ تقویٰ اور پرہیزگاری :

اللہ پر ایمان رکھنے سے انسان میں برائیوں سے پرہیز کرنے اور نیکیاں کرنے کا میلان پیدا ہوتا ہے جس کا یہ ایمان ہو کہ اللہ ہر جگہ موجود ہے۔ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ سب کچھ سن رہا ہے اور انسان کو اللہ سے محبت بھی ہو، دل میں اس کا خوف بھی ہو، وہ شخص برائی کا ارتکاب کیونکر کر سکتا ہے۔ جب انسان کو یقین ہو کہ وہ قانون کی گرفت سے مکمل طور پر محفوظ رہے گا تو اس وقت اللہ کا خوف ہی اسے برائی سے بچا سکتا ہے۔ توحید پر ایمان رکھنے والا یقین رکھتا ہے کہ اللہ تو اسے دیکھ رہا ہے۔ وہ تو دلوں کے بھید بھی جانتا ہے :

اِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ (البقرہ: ۲۸۴)

"تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے تم اسے ظاہر کرو یا چھپاؤ۔ اللہ تم سے ان کا حساب لے گا۔"

Marfat.com

انسان کی اجتماعی زندگی پر اثرات

۱۔ وحدتِ انسانی:

خدا کی وحدت سے بنی نوع انسان کی وحدت پیدا ہوتی ہے جبکہ خداؤں کی کثرت سے بنی نوع انسان میں تفریق و انتشار پیدا ہوتا ہے۔ متعدد اور مختلف خداؤں پر ایمان رکھنے اور ان کی پرستش کرنے سے تو انسان مختلف گروہوں اور قوموں میں ہی تقسیم ہوں گے۔

۲۔ اخوت اور مساوات:

توحید ابنائے آدم کو اخوت اور مساوات کا درس دیتی ہے۔ خدا ایک ہے سا سی ایک خدا نے آدم کو پھر حوّا علیہما السلام کو پیدا کیا۔ سب انسان آدم اور حوّا کی اولاد ہیں۔ سب ایک ہی ماں اور باپ کی اولاد ہیں تو ظاہر ہے کہ سب رشتۂ اخوت میں باہم منسلک ہیں اور سب بحیثیت انسان مساوی ہیں۔ کسی بھی وجہ سے دوسرے انسانوں پر برتری حاصل نہیں۔ رنگ، زبان، وطن، نسل، کوئی بھی چیز برتری کی وجہ نہیں بن سکتی۔

۳۔ عالمگیر معاشرہ:

توحید سے ایک عالمگیر معاشرہ وجود میں آسکتا ہے۔ اگر دنیا بھر کے تمام انسان صرف ایک خدا (جو مرئی اور محسوس نہیں) پر ایمان لے آئیں تو مختلف وجوہات کی بنا پر قائم ہونے والی موجودہ گروہ بندیاں ختم ہو سکتی ہیں۔

۴۔ عالمی امن:

عالمی امن کی خواہش آج کے انسان کی شاید سب سے بڑی خواہش ہے۔ انتہائی مہلک اسلحہ کے انباروں اور دو عالمی جنگوں کی تباہ کاریوں نے جنگ کے خوف کی وجہ سے انسان کی نیندیں حرام کر رکھی ہیں۔ اگر دنیا بھر کے تمام انسان توحید پر ایمان لا کر اپنے وضع کردہ ان جھوٹے امتیازات کو ختم کر کے اخوت و مساوات کا ماحول قائم کر لیں تو عالمی امن کے قیام کی یہ خواہش پوری ہو سکتی ہے۔

۵۔ ظلم اور استحصال کا خاتمہ:

آج دنیا بھر میں اکثر و بیشتر یہ حال ہے کہ افراد کے ہاتھوں افراد پر ظلم ہو رہا ہے اور طاقتور اور ترقی یافتہ قومیں کمزور اور پسماندہ قوموں کا استحصال کر رہی ہیں اور اس کو برائی نہیں بلکہ اپنا حق اور کارِ خیر سمجھتی ہیں۔ کمزور قومیں فریاد کرتی ہیں کہ منصفانہ عالمی معاشی نظام قائم کرو مگر شنوائی نہیں ہوتی۔ طاقتور قومیں اپنے بہتر علمی اور مالی وسائل کی وجہ سے کمزور قوموں میں اتنا زیادہ

Marfat.com

عمل دخل حاصل کر لیتی ہیں کہ ان کی حکومتوں کا بنانا اور بگاڑنا۔ ان کی معاشی منصوبہ بندی، تجارتی اور صنعتی پالیسیاں، غرضیکہ ہر چیز ان کے قبضے میں ہوتی ہے۔ ان کا استحصال جاری رکھنے کی غرض سے وہ انہیں صنعتی ترقی تک نہیں کرنے دیتیں۔ اگر عقیدۂ توحید کو اپنانے سے ایک عالمگیر اسلامی معاشرہ وجود میں آجائے تو یہ ظلم و استحصال ختم ہو سکتا ہے۔

Marfat.com

رِسالت

معنی و مفہوم: رسالت (رِسالۃ) کے لفظی معنی ہیں پیغام، پیغام پہنچانا۔ رسول کے لفظی معنی ہیں پیامبر، قاصد، ایلچی۔ مُرسَل کا معنی ہے رسول بنا کر بھیجا ہوا۔ دینی اصطلاح میں رسالت کا معنی ہے اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچانا اور رسول کا معنی ہے اللہ کا پیغام پہنچانے والا۔ نَبِیٌّ کا لفظی معنی ہے خبر دینے والا اور نُبُوَّت (نُبُوَّۃٌ) کا لفظی معنی ہے خبر دینا۔ نبی اور رسول اور نبوت اور رسالت ہم معنی اصطلاحیں ہیں۔ صرف اتنا فرق ہے کہ رسول صاحبِ شریعت و کتاب ہوتا ہے جبکہ نبی کے لیے صاحبِ شریعت و کتاب ہونا ضروری نہیں۔

رسول صرف اللہ تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک نہیں پہنچاتا بلکہ وہ اللہ کے احکام پر خود عمل کرکے دکھاتا ہے اور لوگوں کی سیرت کی تعمیر (تزکیہ) بھی کرتا ہے۔ رسالت کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر آکر ختم ہوگیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں آئے گا۔

رسالت پر ایمان کی اہمیت: عقیدۂ رسالت اسلام کے ان بنیادی عقائد میں شامل ہے جن پر ایمان لانا ضروری ہے جس کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا۔ رسالت پر ایمان سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ سے پہلے جتنے بھی انبیاء و رسل مبعوث فرمائے سب کو برحق مانا جائے (ان میں سے چند کا قرآن حکیم میں ذکر ہوا ہے)، بحیثیت رسول کے ان میں کوئی تفریق نہ کی جائے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ کا آخری رسول اور نبی مانا جائے، آپؐ کی شریعت پر عمل کیا جائے جس نے سابقہ شریعتوں کو منسوخ کر دیا ہے۔

رسالت کی ضرورت: دو حقیقتیں ایسی ہیں کہ ان سے انکار ممکن نہیں۔

(۱) انسان میں نیک اور بد ہر دو قسم کے عمل کی صلاحیت موجود ہے۔

(۲) صلاحیتوں کے اعتبار سے انسان پیدائشی طور پر ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ بعض بہت ذہین ہوتے ہیں بعض کم ذہین، بعض جسمانی طور پر بہت طاقتور ہوتے ہیں اور

Marfat.com

بعض کمزور، علیٰ ہذا القیاس۔ ہوتا یہ ہے کہ زیادہ اور بہتر صلاحیتیں رکھنے والوں پر جب بدی کا جذبہ غالب آجاتا ہے تو وہ اپنی بہتر صلاحیتوں کے زور پر ان لوگوں پر اپنی سیادت اور برتری قائم کر لیتے ہیں جو یا تو کمتر صلاحیتوں کے مالک ہوتے ہیں یا پھر جن میں نیکی کا جذبہ غالب ہوتا ہے اور وہ اس کے تحت شرافت سے کام لیتے ہیں۔ برتری قائم کر لینے والے بڑائی اختیار کر لیتے ہیں (قرآنی اصطلاح میں مستکبرین) وسائل رزق پر قبضہ کر کے عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے لگتے ہیں، دوسروں کو وسائل رزق سے محروم کر کے انہیں کمزور سے کمزور کرتے چلے جاتے ہیں (قرآنی اصطلاح میں مستضعفین) اور انہیں مغلوب کر کے ذلت کی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیتے ہیں اور یہ لوگ بالکل بے بس ہو جاتے ہیں۔ مستکبرین لوگوں کو کمزور بنانے اور کمزور رکھنے کے لیے جس ہتھکنڈے کا سب سے زیادہ استعمال کرتے ہیں وہ مسخ شدہ مذہب ہوتا ہے۔ وہ شرک کو رواج دیکر لوگوں کو گروہ در گروہ تقسیم کرتے چلے جاتے ہیں۔ مذہبی پیشواؤں کو ساتھ ملا کر نت نئے مذہبی رسوم و رواج کے ذریعے ان کمزور لوگوں کا مزید استحصال کرتے ہیں۔

ایسے حالات میں اللہ رب العالمین اپنے کمزور بندوں پر ترس کھا کر ان میں اپنا رسول مبعوث کرتا ہے۔ جو توحید کے پرچم تلے سب کو اکٹھا کر کے انہیں منظم کرتا ہے۔ ان میں ظالم مستکبرین کے چنگل سے نجات پانے کی جدوجہد کرنے کا عزم پیدا کرتا ہے اور خود ان کی قیادت کرتا ہے مستکبرین اس کی سخت مزاحمت کرتے ہیں لیکن بالآخر اللہ کے فضل و کرم سے حق غالب آجاتا ہے مستکبرین شکست کھا کر تباہ و برباد ہو جاتے ہیں اور مستضعفین کو عزت اور سیادت حاصل ہو جاتی ہے۔ یہی ہے خلاصہ قرآن حکیم میں بیان کردہ انبیاء و رسل کے قصص کا۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

۱۔ "ہم نے نہیں بھیجا کسی بستی میں ڈرانے والا مگر اس بستی کے دولت مند لوگوں نے کہا، تمہیں جس پیغام کے ساتھ بھیجا گیا ہے ہم اس سے منکر ہیں اور انہوں نے کہا، ہم زیادہ مال اور اولاد والے ہیں اور ہمیں عذاب نہیں دیا جائیگا۔ (سبا ۳۴، ۳۴ تا ۳۵)

۲۔ "وہ بولے، کیا ہم تجھ پر ایمان لائیں جبکہ تیری پیروی تو سب سے رذیل لوگوں نے کی ہے۔" (الشعراء ۲۶، ۱۱۱)۔ یہ بات حضرت نوحؑ سے ان کی قوم کے سرداروں نے کہی تھی۔

۳۔ "اس (یعنی صالحؑ) کی قوم کے سرداروں نے جنہوں نے بڑائی اختیار کر رکھی تھی کمزور بنائے گئے اُن لوگوں سے جو ایمان لے آئے تھے، کہا: کیا تم جانتے ہو کہ صالح اپنے رب کی طرف سے رسولؐ ہے؟ انہوں نے جواب دیا، یقیناً جس پیغام کے ساتھ وہ بھیجا گیا ہے ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ مستکبرین نے کہا جس چیز پر تم ایمان لائے ہو ہم اس

Marfat.com

کے منکر ہیں۔

(الاعراف ۷، ۷۵-۷۶)

۴۔ یقیناً فرعون زمین میں بہت بڑھ چڑھ گیا اور اس کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کردیا ان میں سے ایک گروہ کو وہ کمزور کرتا تھا، اس کے لڑکوں کو قتل کرتا اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا، یقیناً فساد برپا کرنے والوں میں سے تھا۔ (القصص ۲۸، ۴)

۵۔ اس کی قوم کے ان سرداروں نے جو بڑے بنے بیٹھے تھے، کہا: "اے شعیبؑ! ہم ضرور تجھے اور تجھ پر ایمان لانے والوں کو اپنی بستی سے نکال باہر کریں گے یا تو ہمارے مذہب میں واپس آجا۔"

(الاعراف ۷، ۸۸)

۶۔ حضرت ابراہیمؑ کی بعثت اس قوم میں ہوئی جس کے بادشاہ نے تباہی اور سرکشی کی انتہا کردی تھی، حاکم مطلق ہونے کے ساتھ ساتھ ان کا رب ہونے کا بھی مدعی تھا۔

۲۔ جن و انس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی بندگی کے لیے پیدا کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ۔ (الذّٰریٰت ۵۱، ۵۶)

ترجمہ: اور نہیں پیدا کیا میں نے جنوں اور انسانوں کو سوائے اس کے کہ وہ میری عبادت کریں۔

اللہ تعالیٰ کی بندگی، اطاعت اور عبادت کس طرح کی جائے یہ بتانے کے لیے انبیاء و رسل مبعوث ہوئے۔

۳۔ ایسا نہیں ہوا کہ بندگی اور اطاعت کے جو طریقے (شریعت) سب سے پہلے رسول کے ذریعے بتلائے گئے بعد میں آنے والے تمام رسولوں نے بعینہٖ وہی طریقے بتائے ہوں بلکہ شریعت بدلتی رہی ہے۔ پہلی شریعت کو منسوخ کر کے نئی شریعت کے ساتھ نیا رسول بھیجنے کی ضرورت اس لیے پیش آتی رہی کہ انسان کے تمدنی و تہذیبی حالات تغیر پذیر رہے ہیں۔ کچھ عرصے کے بعد نئے تقاضے پیدا ہوجاتے تھے جن کو پورا کرنے کے لیے نئی شریعت کی ضرورت ہوتی۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر یہ فضل نہ فرماتا تو انسانی تہذیب جمود کا شکار ہو کر زوال پذیر ہوجاتی اور انجام کار نابود ہو جاتی۔

رسالت بنی نوع انسان پر اللہ کا احسان ہے

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کا برا بھلا، نیکی بدی سمجھا دی ہوئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا (الشمس ۹۱، ۸)

ترجمہ: "پھر اس کی بدی اور اس کی پرہیزگاری اسے الہام کردی"

Marfat.com

اس کے بعد انسان کا استحقاق نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ انبیاء و رسل کے ذریعے اس کی رہنمائی کا انتظام فرماتا۔ پس یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر خاص لطف و کرم ہے کہ اس نے رسول مبعوث فرمائے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے بھی قرآنِ حکیم میں اسے اپنا احسان بتایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: "اللہ نے تو مومنین پر احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود انہی میں سے ایک رسول بھیجا ہے۔"
(آل عمران ۳، ۱۶۴:۳)

یہ احسان حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت کا ہے۔ حضرت موسیٰؑ کی رسالت کی بابت ارشاد ہے، ترجمہ: "اور ہم ان لوگوں پر احسان کرنا چاہتے تھے جن کو زمین میں کمزور بنا دیا گیا تھا۔"
(القصص ۲۸، ۵:۲۸)

ہر قوم میں رسول بھیجا گیا: اللہ تعالیٰ کا یہ احسان کسی ایک قوم کے لیے مخصوص نہیں تھا بلکہ اس نے ہر قوم میں رسول بھیجا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱) وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا (النحل ۱۶، ۳۶)

ترجمہ: اور ہم نے ہر قوم میں رسول بھیجا ہے۔

(۲) وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ (یونس ۱۰، ۴۷)۔ "اور ہر قوم کے لیے رسول ہے۔"

(۳) وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (الرعد ۱۳، ۷) "اور ہر قوم کے لیے ایک رہنما ہے۔"

قرآن حکیم میں صرف ایک خاص خطے میں مبعوث ہونے والے ان چند رسولوں کا ذکر کیا گیا ہے جن سے قرآن مجید کے اولین مخاطبین یعنی عرب آشنا تھے۔

رسول کی خصوصیات

۱۔ **بشریت:** رسول بشر ہوتا ہے اور اسی قوم کے مردوں میں سے ہوتا ہے جس قوم میں وہ مبعوث ہوتا ہے وہ کوئی فوق البشر ہستی نہیں ہوتا، نہ ہی وہ فرشتوں یا جنات کے گروہ سے ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِي إِلَيْهِم مِّنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ (یوسف ۱۲، ۱۰۹) "اور (اے نبیؐ!) آپؐ سے پہلے ہم نے جو رسول بھیجے تھے وہ سب بھی انسان ہی تھے اور انہی بستیوں کے رہنے والوں میں سے تھے اور ان کی طرف ہم وحی بھیجتے رہے ہیں۔"

سابقہ اقوام (قوم نوح، عاد اور ثمود اور ان کے بعد کی قوموں) نے اپنے رسولوں سے کہا تم تو ہماری ہی طرح کے بشر ہو۔ تمام رسولوں کی طرف سے ایک ہی جواب تھا:

Marfat.com

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ط (ابراہیم ۱۴: ۱۱)

ترجمہ: ان سے ان کے رسولوں نے کہا، ہم کچھ نہیں مگر تمہارے ہی جیسے انسان، لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے نوازتا ہے۔

لوگوں کو ہمیشہ یہ اچنبھا لگتا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنا رسول بنا کر بھیج دیا، اور یہ بات ان کے ایمان لانے میں رکاوٹ بنتی ہے۔ اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے یوں دیا ہے۔

ترجمہ: "لوگوں کے پاس جب بھی ہدایت آئی تو اس پر ایمان لانے سے ان کو کسی چیز نے نہیں روکا سوائے ان کی اس بات نے کی "کیا اللہ نے بشر کو رسول بنا کر بھیج دیا؟" ان سے کہیے، اگر زمین میں فرشتے اطمینان سے چل پھر رہے ہوتے تو ہم ضرور آسمان سے کسی فرشتے کو ہی رسول بنا کر اتارتے۔" (بنی اسرائیل ۱۷: ۹۴-۹۵)

۲۔ رسول غیر معمولی صفات کا مالک ہوتا ہے:

اگرچہ رسول بشر ہی ہوتا ہے لیکن غیر معمولی صلاحیتوں اور ممتاز اوصافِ حمیدہ کا مالک ہوتا ہے، ویسی صلاحیتیں اور اوصاف دوسرے انسانوں میں نہیں پائے جاتے۔ وہ انتہائی پرکشش شخصیت کا مالک ہوتا ہے، لوگوں کا بے حد خیر خواہ ہوتا ہے بچپن سے ہی اعلیٰ کردار کا مالک ہوتا ہے، بڑا صاحبِ عزیمت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے جب منصبِ رسالت پر سرفراز فرماتا ہے۔ اس کے بعد وہ اپنے مشن کو انجام دینے کے لیے اپنی جان تک کی قربانی سے دریغ نہیں کرتا۔ وہ صبر و استقامت میں بے مثال ہوتا ہے۔ بڑی سے بڑی مشکلات اس کے پائے استقلال کو ڈگمگا نہیں سکتیں۔

رسول کی بصیرت و فراست بھی غیر معمولی ہوتی ہے۔ اللہ کی دین سے اسے ان چیزوں کا بھی علم ہوتا ہے جو عام انسانوں سے اوجھل ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان سے ایسے کام سرزد ہوتے ہیں جو عام لوگوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتے ہیں اور جن کے کرنے سے عام انسان عاجز ہوتے ہیں (یعنی معجزات)۔ رسول کا منصب بہت عظیم اور کٹھن ہوتا ہے۔ اسی مناسبت سے اللہ تعالیٰ رسول کو اعلیٰ صلاحیتیں ودیعت کرتا ہے۔

۳۔ رسالت وہبی منصب ہے، اکتسابی نہیں:

رسالت کا منصب وہبی ہے یعنی اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے یہ منصب عطا کرتا ہے اور وہی بہتر جانتا ہے کہ اس منصبِ جلیل پہ کسے سرفراز کرنا ہے۔ کوئی انسان یہ منصب اپنی محنت اور جدوجہد سے حاصل نہیں کر سکتا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

Marfat.com

(۱) اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ (الحج ۲۲: ۷۵)

ترجمہ: اللہ منتخب کرتا ہے رسول اپنے فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے۔

(۲) اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ ؕ (الانعام ۶: ۱۲۴)

ترجمہ: اللہ بہتر جانتا ہے کہ اسے اپنی رسالت کسے سونپنی ہے۔

پس رسالت کا منصب کسی نسل، قوم یا قبیلہ کی میراث نہیں ہے جیساکہ بنی اسرائیل کا زعم باطل تھا۔ اوپر بتایا جا چکا ہے کہ اللہ نے ہر قوم میں رسول بھیجا۔ اللہ تمام انسانوں کا رب ہے پھر اس نعمت کے لیے وہ کسی ایک قوم کو مخصوص کیوں کرتا۔

۴- رسول معصوم ہوتا ہے: ہر نبی اور رسول ولادت سے لے کر وفات تک گناہوں اور خطاؤں سے معصوم ہوتا ہے۔ اس کی ساری زندگی اللہ تعالیٰ کی خصوصی نگہداشت میں گزرتی ہے جیساکہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ظاہر ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مخاطب کرکے فرمایا۔

وَاصْبِرْ لِحُکْمِ رَبِّکَ فَاِنَّکَ بِاَعْیُنِنَا۔ (الطور ۵۲: ۴۸)

ترجمہ: "اور اپنے رب کا فیصلہ آنے تک صبر کیجئے یقیناً آپ ہماری نگہداشت میں ہیں"۔ رسول نفسانی خواہشات اور باہر سے شیطان کے حملوں سے محفوظ ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے بے پناہ اخلاقی و روحانی قوت ودیعت کی ہوتی ہے نیز وہ مسلسل اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہوتا ہے۔ وحی اور الہام کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ہدایات اسے مسلسل وصول ہوتی رہتی ہیں۔

۵- ہر رسول پر ایمان لانا ضروری ہے: رسول جس قوم میں مبعوث ہوتا ہے اس قوم کے ہر فرد پر لازم ہوتا ہے کہ وہ اس پر ایمان لائے، جو ایمان نہیں لائے گا وہ کافر قرار پائے گا اور دنیا اور آخرت میں عذاب کا مستحق ہوگا۔ بعد میں آنے والے لوگوں کے لیے بھی ضروری ہے سابقہ تمام رسولوں پر ایمان لائیں، یعنی انہیں برحق رسول مانیں۔ ان میں تفریق و امتیاز نہ کریں۔ بعض کو رسول ماننے اور بعض سے انکار کرنیوالے کافر ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

(ترجمہ) "یقیناً جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کریں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان رکھتے ہیں اور بعض سے انکار کرتے ہیں اور اس (یعنی ایمان اور کفر) کے مابین راہ پکڑنا چاہتے ہیں وہی ہیں پکے کافر اور ہم نے (ایسے) کافروں کے لیے رسواکن عذاب تیار کر رکھا ہے۔

مسلم ہونے کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت پر ایمان لانا ضروری ہے

Marfat.com

مسلمان تو تمام انبیاء و رسل پر ایمان رکھتے ہیں لیکن یہودی نہ حضرت عیسیٰ پر ایمان رکھتے ہیں، نہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر۔ اسی طرح عیسائی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان نہیں رکھتے۔ مسلمان تو یہی کہتے ہیں کہ: لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (البقرہ، ۲۸۵) "ہم اس کے رسولوں کے درمیان تفریق نہیں کرتے۔

۶۔ رسول کی اطاعت ضروری ہے: رسول اس لیے بھیجا جاتا ہے کہ لوگ اس کی کامل اطاعت کریں، جس کام کے کرنے کا حکم دے وہ کریں اور جس سے منع کرے اس سے باز رہیں۔ اگر لوگ رسول کی اطاعت نہ کریں تو اس کی بعثت کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے اور اطاعت کے بغیر ایمان لانا بے سود اور لاحاصل ہے۔ اگر اطاعت نہ کریں گے تو لوگوں کی زندگی کیسے سنورے گی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (النساء ۴: ۶۴)

ترجمہ: اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا سوائے اس لیے کہ اللہ کے اذن کی بناء پر اس کی اطاعت کی جائے۔

رسول کی نافرمانی کرنیوالا عذاب الٰہی کا مستوجب ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ترجمہ: "اور جو نافرمانی کریگا اللہ کی اور اس کے رسول کی اور اس کی حدود سے تجاوز کرے گا وہ اسے آگ میں ڈال دے گا جس میں وہ مقیم رہے گا اور اس کے لیے رسواکن عذاب ہے۔"

۷۔ رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے: رسول لوگوں کو جن اوامر و نواہی کی تعلیم دیتا ہے وہ سب اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں۔ رسول اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا۔ ہر بات اللہ کی طرف سے وحی ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ (النجم ۵۳: ۳-۴)

ترجمہ: "اور وہ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتا یہ تو ایک وحی ہے جو اسے وحی کی جاتی ہے۔"

پس رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء ۴: ۸۰)

ترجمہ: جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

رسالتِ محمدی کی امتیازی خصوصیات

تمام رسول برحق ہیں اور اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں۔ اس اعتبار سے ان میں کوئی فرق

Marfat.com

نہیں ہے۔ لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے بعض رسولوں کو بعض پر فضیلت بخشی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۘ (البقرہ ۲، ۲۵۳)

"یہ رسول ہیں جن میں سے بعض کو ہم نے بعض پر فضیلت دی ہے۔"

اسی طرح ہر رسول کی رسالت بھی برحق ہے لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت میں کچھ خصوصیات ایسی ہیں جو کسی دوسرے رسول کی رسالت میں نہیں پائی جاتیں۔ مثلاً

۱۔ **عالمگیریت:** حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے جتنے بھی رسول مبعوث ہوئے ان کی رسالت اپنی اپنی قوم کے لیے مختص تھی۔ حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ اور حضرت شعیبؑ سب اپنی اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتے تھے۔ حضرت موسیٰؑ کو آلِ فرعون کی طرف بھیجا گیا تاکہ بنی اسرائیل کو ان کے مظالم سے نجات دلائیں۔ حضرت عیسیٰؑ کو بھی بنی اسرائیل کی طرف بھیجا گیا تھا لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت پورے بنی نوع انسان کے لیے ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

(۱) قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا۔ (الاعراف ۷: ۱۵۸)

"(اے نبیؐ!) کہہ دیجیے اے لوگو! یقیناً میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔"

(۲) وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا (سبا ۳۴: ۲۸)

"اور ہم نے آپؐ کو تمام ہی انسانوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔"

(۳) (ترجمہ) "وہی ہے جس نے امیوں میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا وہ انہیں اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے جبکہ اس سے پہلے یہ کھلی گمراہی میں تھے اور (اس رسول کی بعثت) ان دوسرے لوگوں کے لیے بھی ہے جو ابھی ان سے نہیں ملے ہیں۔" (الجمعہ ۶۲: ۳)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف عربوں کو ہی دین کی تبلیغ نہیں کی تھی بلکہ آپؐ نے اردگرد کے ملکوں کے بادشاہوں کو بھی خطوط لکھ کر اسلام کی دعوت دی تھی۔ آپؐ نے مصر، حبشہ اور ایران کے بادشاہوں کے نام تبلیغی خطوط کے ساتھ اپنے قاصد بھیجے تھے۔ آپؐ سے پہلے کسی رسول کی بابت نہ تو قرآن حکیم میں اور نہ ہی بائبل میں کوئی ذکر اس امر کا نہیں ملتا کہ ان کی بعثت اپنی قوم کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لیے بھی تھی۔ اس بات کا بھی کہیں ذکر نہیں ملتا کہ کسی رسول نے اپنی قوم کے سوا دوسرے لوگوں کو بھی دین کی دعوت دی ہو۔

Marfat.com

۲۔ ختمِ نبوت: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں۔ نبوت و رسالت کا جو سلسلہ حضرت آدمؑ سے شروع ہوا تھا وہ آپؐ پر ختم ہو گیا، آپؐ کے بعد کوئی نبیؐ یا رسول قیامت تک نہیں آئے گا۔ آپؐ کی رسالت قیامت تک تمام انسانوں کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ط (الاحزاب ۳۳: ۴۰)

ترجمہ: محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن اللہ کے رسول اور خاتم الانبیاءؑ ہیں۔" اوپر سورہ الجمعہ کی آیت ۳ کا ترجمہ دیا گیا ہے، اس سے بھی ظاہر ہے کہ آپؐ کی رسالت نہ صرف آپؐ کے مبارک زمانے کے لوگوں کے لیے تھی بلکہ بعد کے زمانے والوں کے لیے بھی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے متعدد احادیث میں صراحت کے ساتھ فرمایا ہے کہ آپؐ اللہ کے آخری نبی اور رسول ہیں اور آپؐ کے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں آئے گا۔ اس مضمون کی چند احادیث درج ذیل ہیں:

(۱) وَاَنَا الْعَاقِبُ الَّذِیْ لَیْسَ بَعْدَهٗ نَبِیٌّ (بخاری، مسلم کتاب الفضائل، باب اسماء النبی)، اور میں وہ عاقب ہوں کہ جس کے بعد کوئی نبی نہیں۔

(۲) "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بنی اسرائیل کی قیادت انبیاء کیا کرتے تھے جب بھی کوئی نبی وفات پاتا دوسرا نبی اس کا جانشین ہوتا، مگر میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا، خلفاء ہوں گے۔" (بخاری، کتاب المناقب، باب ما ذکر عن بنی اسرائیل)

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری اور مجھ سے پہلے گزرے ہوئے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے ایک عمارت بنائی اور خوب حسین و جمیل بنائی مگر ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوٹی ہوئی تھی۔ لوگ اس عمارت کے گرد پھرتے اور اس کی خوبی پر حیرت کا اظہار کرتے تھے اور کہتے تھے یہ اینٹ کیوں نہیں رکھی گئی۔ تو وہ اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔" (بخاری، کتاب المناقب، باب خاتم النبیین)

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یقیناً رسالت اور نبوت کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے پس میرے بعد نہ کوئی رسول ہے اور نہ نبی (ترمذی، کتاب الرؤیا، باب ذہاب النبوۃ)

(۵) وَاَنَا اٰخِرُ الْاَنْبِیَاءِ وَاَنْتُمْ اٰخِرُ الْاُمَمِ (ابن ماجہ، کتاب الفتن) اور میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو۔"

Marfat.com

صحابہ کرامؓ سے لے کر آج تک پوری امّت کا اس امر پر اجماع رہا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے آخری نبی اور رسول ہیں۔ آپؐ کے بعد اگر کوئی شخص نبوت کا دعویٰ کرے تو وہ بالکل جھوٹا ہے۔

۳۔ تکمیلِ دین: دین کے بنیادی اصول و عقائد تو تمام رسولوں کے ایک ہی تھے لیکن شریعت ارتقا پذیر رہی ہے۔ نئے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے نئے شرعی احکام آتے رہے ہیں تا آنکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت میں دین کی تکمیل ہو گئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ

(المائدہ ۵۰)

ترجمہ: "آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی۔"

ختم نبوت کا منطقی تقاضا بھی یہی بنتا ہے کہ آپؐ کی رسالت میں اللہ کے دین کی تکمیل ہو جائے اور ارتقا کا جو عمل شروع ہوا تھا وہ اپنے نقطۂ کمال کو پہنچ جائے۔ پس اب قیامت تک کے انسانوں کے لیے یہ دین ہدایت ربّانی کا کام دیتا رہے گا۔

۴۔ تمام انبیاءؑ نے حضورؐ پر ایمان لانے کا عہد کر رکھا تھا:

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اگرچہ بعثت کے لحاظ سے آخری نبی ہیں لیکن آپ کا نور اللہ تعالیٰ نے ازل ہی سے پیدا کر رکھا تھا۔ عالم مثال میں جب سب انبیاء علیہم السلام کی ارواح جمع ہوئیں تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ میں تمہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دوں گا۔ پھر اگر ایک رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تشریف لائیں، آپؐ تم سب کی تصدیق کریں گے تم اقرار کرو کہ تم آپؐ پر ایمان لاؤ گے اور آپؐ کی مدد کرو گے۔ سب انبیاء نے اللہ تعالیٰ سے اس بات کا پختہ عہد کیا۔ (دیکھیے آل عمران ۸۱)

جس قدر انبیاء دنیا میں تشریف لائے وہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پیشگوئی کر کے آئندہ لوگوں کو تلقین کر گئے کہ آپؐ جب تشریف لائیں تو ضرور مدد کرنا۔ حضرت عیسیٰؑ نے آپؐ کی تشریف آوری کی بشارت دی تھی اور آپؐ کا اسم گرامی تک بتا دیا تھا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: اور جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا، اے بنی اسرائیل! یقیناً میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں، تصدیق کرنے والا ہوں تورات کی جو مجھ سے پہلے آئی ہوئی

Marfat.com

موجود ہے اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا اور جس کا نام احمد ہو گا۔" (الصف ۶۱:۶)

۵. قرآن و سنت کی بےمثال محفوظیت: سابقہ رسولوں پر اتاری ہوئی صرف چند کتابیں آج موجود ہیں لیکن وہ بھی اس حال میں کہ ان میں کثرت سے تبدیلیاں اور اضافے کیے جا چکے ہیں۔ ان کا ہر ایڈیشن پہلے سے مختلف ہوتا ہے۔ ان کو ماننے والے بھی یہ یقین نہیں رکھتے کہ یہ اللہ کی اتاری ہوئی کتابیں ہیں۔ رسالتِ محمدی کی یہ امتیازی خصوصیت ہے کہ آپ پر نازل ہونے والی کتاب قرآن مجید بالکل اس شکل میں موجود ہے جس میں یہ اتاری گئی تھی۔ اس میں زیر زبر تک کی تبدیلی نہیں ہو سکی۔ چونکہ یہ کتاب قیامت تک انسانوں کے لیے ہدایت ربانی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت بھی اپنے ذمے لے رکھی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"یقیناً ہم نے ہی ذکر (یعنی قرآن حکیم) کو نازل کیا ہے اور یقیناً ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔"

قرآن حکیم کے علاوہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت بھی مکمل طور پر محفوظ ہے۔ پس دنیا بھر کے انسان پورے اعتماد اور یقین کے ساتھ آپؐ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کر سکتے ہیں۔

Marfat.com

آخرت

معنی و مفہوم

آخرۃ (اردو میں آخرت) مؤنث ہے آخِر کی۔ اور یہ ضد ہے اُولیٰ کی۔ جیسے آخر کی ضد اول ہے۔ آخرۃ کا معنی ہے بعد میں آنے والی۔ ہماری ارضی زندگی کو قرآن حکیم میں الحیٰوۃ الدنیا کہا گیا ہے، یعنی قریب ترین زندگی یا صرف الاُولیٰ کہا گیا ہے۔ یعنی پہلی یا ابتدائی (زندگی) موت کے بعد کی زندگی کو آخرۃ اور عقبیٰ کہا گیا ہے۔ عقبیٰ کا معنی ہے پیچھے آنے والی۔

اسلام کا تصورِ آخرت

اسلام میں آخرت کا نہایت واضح تصور دیا گیا ہے۔ قیامت برپا ہوگی، یہ ساری کائنات ٹوٹ پھوٹ جائے گی۔ مرے ہوئے تمام انسانوں کو دوبارہ زندگی دے کر اٹھایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے حضور سب کی پیشی ہوگی۔ دنیا میں کیے گئے اعمال کا حساب ہوگا، جس کی نیکیاں زیادہ ہوں گی وہ انعام پائے گا اور جس کے برے اعمال زیادہ ہوں گے وہ سزا پائے گا۔ اسلام کے تصورِ آخرت کے اہم نکات درج ذیل ہیں۔

۱۔ انسان کی اس ارضی یا دنیوی زندگی کا خاتمہ (موت سے) اس کی زندگی کا مکمل خاتمہ نہیں بلکہ یہ تو ایک زندگی سے دوسری زندگی میں تحویل و تبدیلی ہے۔ مرنے سے صرف انسان کا جسم فنا ہوتا ہے۔ اس کی روح فنا نہیں ہوتی۔

۲۔ یہ دنیوی زندگی بہت محدود مدت کی اور عارضی ہے جبکہ اُخروی زندگی دائمی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا مَتَاعٌ ز وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِیَ دَارُ الْقَرَارِ (المؤمن ۴۰: ۳۹)

ترجمہ: "اے میری قوم یہ دنیا کی زندگی تو چند روزہ ہے، ہمیشہ کے قیام کی جگہ تو آخرت ہے۔"

ایک اور مقام پر ارشاد ربانی ہے:

وَمَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ط وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ م لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ (العنکبوت ۲۹: ۶۴)

Marfat.com

ترجمہ: "اور یہ دنیا کی زندگی کچھ نہیں ہے مگر ایک کھیل اور دل کا بہلاوا۔ اصل زندگی تو دارِ آخرت ہے، کاش یہ لوگ علم رکھتے۔"

۳۔ دنیوی زندگی آخرت کی کھیتی ہے۔ (مزرعۃ الآخرۃ) یہاں انسان جو کچھ بوئے گا اس کی فصل آخرت میں کاٹے گا۔ یعنی یہاں جو بھی عمل کرے گا اس کی جزا یا سزا آخرت میں ملے گی۔

۴۔ یقیناً آخرت اس دنیوی زندگی سے بہتر ہے۔ "وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى" "اور یقیناً آخرت تیرے لیے اُولیٰ بہتر ہے۔ (الضحیٰ ۹۳: ۴) ایک اور مقام پر دنیا کی زندگی کا آخرت کے ساتھ یوں موازنہ کیا ہے،

وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ۔ (الرعد ۱۳: ۲۶)

ترجمہ: "یہ لوگ دنیوی زندگی پر خوش ہیں حالانکہ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں ایک متاعِ قلیل کے سوا کچھ نہیں ہے۔" رسولِ کریمؐ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اگر دنیا کی اہمیت و قدر مچھر کے برابر بھی ہوتی تو کافر کو اس کی دنیا سے پانی کا ایک گھونٹ بھی میسر نہ آتا[1]

۵۔ آخرت میں نجات اور کامیابی کا دارومدار صرف اور صرف ایمان اور عملِ صالح پر ہے۔ اس کے سوا وہاں کوئی چیز کام نہ آئے گی۔ نسل، قرابت داری، دولت، جاہ و حشمت وغیرہ کوئی چیز بھی کام نہ آئے گی۔

۶۔ انسان کے اعمال کو ترازو میں رکھ کر تولا جائے گا۔ ایک طرف نیکیاں اور ایک طرف برائیاں اگر نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوا تو انعام ملے گا اور اگر برائیوں کا پلڑا بھاری ہوا تو سزا ملے گی۔

۷۔ جو شخص انعام کا مستحق قرار پائے گا وہ جنت میں داخل ہوگا اور سزا کے حقدار کو جہنم میں پھینک دیا جائیگا۔

جنت اور جہنم:

جنت اخروی زندگی میں نیکوکاروں کا مقام ہے اور جہنم ان کا ٹھکانہ ہے جن کے بُرے اعمال نیکیوں کے مقابلے میں زیادہ ہوں گے۔ جنت کی زندگی دائمی ہے۔ جہنم کی زندگی کے بارے میں بزرگوں کی رائے یہ ہے کہ اہلِ ایمان اپنے گناہوں کی سزا پاکر آخرکار جہنم سے نجات حاصل کرکے جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ کفار اور مشرکین کی جہنم کی زندگی کے بارے میں علمائے اسلام کے درمیان اختلافِ رائے پایا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ کیونکہ قرآن حکیم میں ان کی بابت متعدد مقامات پر یہی بتایا گیا ہے۔ (خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا۔ اس میں ہمیشہ رہیں گے)

---

[1] ریاض الصالحین، بحوالہ ترمذی۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح بتایا ہے۔

Marfat.com

بعض کے نزدیک وہ بھی آخرکار جہنم سے چھٹکارا پالیں گے۔ ان کی دلیل ایک تو یہ آیت کریمہ ہے وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ "اور میری رحمت ہر چیز پر حاوی ہے۔" (الاعراف ۷ : ۱۵۶) اور دوسرے اس مفہوم کی متعدد احادیث مبارکہ ہیں کہ ایک وقت آئے گا کہ جہنم بالکل خالی ہو جائے گی۔

جنت میں انسان کو وہ سب کچھ حاصل ہوگا جس کی اس کے دل میں خواہش پیدا ہوگی۔ ارشادِ ربانی ہے: وَفِیْهَا مَا تَشْتَهِیْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْیُنُ "اور اس جنت میں ہر چیز وہ ہوگی جس کی دل خواہش کریں گے اور جو آنکھوں کو لذت دینے والی ہوگی۔" ایک اور جگہ ارشاد ہے۔ وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَشْتَهِیْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَدَّعُوْنَ "اور تمہارے لیے جنت میں وہ سب کچھ ہوگا جس کی تمہارے دل خواہش کریں گے اور تمہارے لیے اس میں وہ کچھ ہوگا جس کی تمنا کرو گے۔" (حٰمٓ السجدہ ۴۱ : ۳۱) قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر بڑے دلکش انداز میں جنت کا نقشہ کھینچا ہوا ہے۔ گھنے باغات، ان کے نیچے بہتی نہریں، پانی کی اور شہد کی نہریں، معتدل موسم، ہر قسم کے میوے، پھل، چاندی کے برتن، شیشے کے جام، حوریں اور غلمان یہ سب چیزیں وہاں موجود ہوں گی۔ احادیث مبارکہ میں آیا ہے کہ جنتیوں کو سب سے بڑا انعام یہ ملے گا کہ انہیں دیدارِ حق نصیب ہوگا۔

قرآن حکیم میں جہنم کی ہولناکیوں کو بھی جا بجا بیان کیا گیا ہے۔ جہنم کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔ جہنم کی بھڑکائی ہوئی آگ بدن کو چھوتی ہوئی دل تک پہنچے گی۔ جہنم کی آگ میں وہ نہ جئیں گے اور نہ مریں گے۔ وہ آگ کھال کو ادھیڑ دینے اور کبھی نہ بجھنے والی ہے۔ جہنم میں لوگوں کو کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا جو آنتوں کو کاٹ دے گا۔ اور کھانے کو خار دار جھاڑ کے سوا کچھ نہ ملے گا۔

عقیدۂ آخرت کی اہمیت

اگرچہ سب سے اہم اور بنیادی عقیدہ توحید ہی ہے لیکن اگر آخرت کا عقیدہ نہ ہو۔ نیک کام کرنے پر انعام کی امید اور بُرے کام کرنے پر سزا کا خوف نہ ہو تو پھر انسان کو کسی چیز پر ایمان لانے یا نیکی کرنے کی کیا ضرورت باقی رہ جائے گی۔ ایسے اعلیٰ طبیعت کے انسان تو بہت کم ہوتے ہیں جو خود نیکی VIRTUE کو ہی اس کا اجر سمجھ کر نیکی برائے نیکی کریں۔ یا حقائق اور صداقتوں کو صرف اس لیے مان لیں کہ وہ بس حقائق اور صداقتیں ہیں۔ اس لیے ان کو ماننا ہی چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں عقیدۂ آخرت (ایمان بالآخرۃ) کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔

ا۔ توحید اور آخرت کا یکجا ذکر

اسلام کے بنیادی عقائد تو پانچ ہیں لیکن قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر صرف ان دو عقائد یعنی توحید اور آخرت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان دو عقائد کو کس طرح اہمیت دی گئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

Marfat.com

ترجمہ: "بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے (نبی کریمؐ پر) اور یہودی، عیسائی اور صابی (ان میں سے) جو بھی اللہ پر اور آخرت پر ایمان لائیں گے اور نیک عمل کریں گے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور انہیں کوئی خوف ہوگا اور نہ رنج۔" (البقرہ ۲ : ۶۲)

یہی مضمون سورہ المائدہ (۵ : ۶۹) میں بھی بیان ہوا ہے۔

۲۔ آخرت پر دلائل:

قرآن حکیم میں جہاں آخرت پر ایمان لانے پر اتنا زور دیا گیا ہے وہاں اس کے ساتھ ساتھ آخرت کو حق ثابت کرنے کے لیے دل کو اپیل کرنے والے دلائل بھی دیے گئے ہیں اور منکرین آخرت کی باتوں کی تردید بھی کی گئی ہے۔ اس سے بھی اس کی اہمیت کا پتا چلتا ہے۔ مثال کے طور پر چند آیات کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے:

۱۔ "کیا تم نے یہ خیال کر لیا کہ ہم نے تمہیں فضول ہی پیدا کیا ہے اور تمہیں ہماری طرف کبھی پلٹنا ہی نہیں؟" (المومنون، ۲۳ : ۱۱۵)

۲۔ وہی ہے جو تخلیق کی ابتدا کرتا ہے۔ پھر وہی اس کا اعادہ کرے گا اور یہ اس کے لیے آسان تر ہے۔" (الروم، ۳۰ : ۲۷)

۳۔ انسان کہتا ہے کہ کون ان ہڈیوں کو زندہ کرے گا جب کہ یہ بوسیدہ ہو چکی ہوں۔ کہہ دیجیے کہ ان کو وہی زندہ کرے گا جس نے ان کو اول بار پیدا کیا تھا اور وہ تخلیق کے ہر کام کو خوب جانتا ہے۔" (یٰسین، ۳۶ : ۷۸، ۷۹)

۳۔ جنت و جہنم کا تفصیلی بیان

قرآن حکیم میں جا بجا جنت و جہنم کے نقشے کھینچے گئے ہیں تاکہ لوگوں کا آخرت پر ایمان مضبوط ہو۔ اس سے بھی آخرت کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے۔

۴۔ منکرِ آخرت کے سارے اعمال ضائع ہو جائیں گے

کوئی شخص کتنا ہی نیکوکار ہو اگر وہ آخرت پر یقین نہیں رکھتا تو اس کے سارے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور آخرت میں اسے ان کا کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ؕ

(الاعراف، ۷ : ۱۴۷)

ترجمہ: "اور جن لوگوں نے ہماری نشانیوں کو اور آخرت کی پیشی کو جھٹلایا ان کے سارے اعمال ضائع ہو گئے۔"

ایک اور مقام پر ارشادِ ربانی ہے:

Marfat.com

ترجمہ: "یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی نشانیوں اور اس کے حضور پیشی کو ماننے سے انکار کیا، لہٰذا ان کے سارے اعمال ضائع ہو گئے۔ قیامت کے روز ہم انہیں کوئی وزن نہ دیں گے۔" (الکہف، ۱۸: ۱۰۵)

۵۔ جو شخص آخرت پر ایمان نہ رکھے اسے دردناک عذاب کی سزا ملے گی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝

(بنی اسرائیل، ۱۷: ۱۰)

ترجمہ: "اور یہ قرآن یہ خبر دیتا ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

انسانی زندگی پر عقیدۂ آخرت کے اثرات

عقیدۂ آخرت کے انسانی زندگی پر بہت گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں جن میں سے چند اہم اثرات درج ذیل ہیں:

۱۔ **زندگی کی مقصدیت پر یقین:**

عقیدۂ آخرت کا سب سے بڑا اور اہم فائدہ یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنی دنیوی زندگی کو بامقصد سمجھنے لگتا ہے۔ وگرنہ اسے یہ زندگی بالکل عبث اور بے مقصد معلوم ہو۔ اگر اخروی زندگی نہ ہو تو پھر یہ دنیوی زندگی، یعنی پیدا ہونا، جوان ہونا، کھانا پینا، مصائب برداشت کرنا اور پھر مر جانا۔ یہ بالکل واہیات اور فضول ABSURD سا عمل محسوس ہوتا ہے۔ اس صورت میں اگر کوئی زندگی بسر کرے گا بھی تو محض فطرت کے جبر کے تحت، جیسے حیوان اور دوسرے جاندار زندگی بسر کرتے ہیں لیکن سخت اذیت کے ساتھ، کیونکہ دوسرے حیوانات کے برعکس انسان ایک ذی شعور جاندار مخلوق ہے۔

۲۔ **احساسِ ذمہ داری:**

آخرت پر یقین رکھنے سے انسان میں ذمہ داری کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ اسے معلوم ہوگا کہ وہ اپنے اعمال کے لیے اپنے خالق و مالک کے سامنے جوابدہ ہے۔

۳۔ **نیکی سے رغبت اور برائی سے اجتناب:**

یہ امرِ واقع ہے کہ بیشتر لوگوں کے لیے برائی میں کشش ہوتی ہے اور نیکی کا کام ان کے لیے گراں ہوتا ہے۔ یہ درست ہے کہ انسان کو اللہ نے بری فطرت پر پیدا نہیں کیا۔ پھر بھی مذکورہ امرِ واقع

Marfat.com

اپنی جگہ ایک حقیقت ہے۔ عقیدۂ آخرت کے سوا کوئی اور ایسی چیز نہیں جو انسان کو مؤثر طریقے سے نیکی کی طرف رغبت دلائے اور برائی سے اس کو باز رکھے۔ یہ صحیح ہے کہ انسان دوسرے انسانوں کے ساتھ زیادتی کرنے سے اس لیے بھی باز رہتا ہے کہ جواباً اس کے ساتھ زیادتی ہو جائے گی۔ اگر اس کا ستم رسیدہ اس قابل نہ ہو کہ انتقام لے سکے تو اتنا تو ہو گا کہ معاشرے میں زیادتی کرنے کے رجحان کو فروغ ملے گا جس کے نتیجے میں کوئی طاقتور اس کے ساتھ زیادتی کرے گا۔ اس سوچ کے نتیجے میں بننے والے قوانین کے سہارے چلنے والے معاشرے بھی دنیا میں آج موجود ہیں اور خاصے اچھے بھی ہیں لیکن قوانین کے ہمیشہ چور دروازے LOOP HOLES بھی ہوتے ہیں لہٰذا جب بھی قانون کی گرفت میں نہ آ سکنے کا یقین ہو گا۔ برائی کا ارتکاب ہو گا۔ اس کی مثال امریکہ کے ایک شہر میں چند منٹ کے لیے بجلی کے فیل ہونے پر ہونے والے شرمناک واقعات ہیں۔ اس لیے نیکی کی رغبت اور برائی سے نفرت پیدا کرنے میں قوانین اتنے مؤثر نہیں ہیں جتنا عقیدۂ آخرت مؤثر ہے۔ یہ اللہ کے حضور میں پیش ہو کر جوابدہی کا عقیدہ ہے اور اللہ سے انسان کا کوئی عمل پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ پھر نیک عمل کی جزا کا لالچ اور بدی کی سزا کا خوف بھی ہو گا۔

۴۔ حوصلہ و ہمت:

عقیدۂ آخرت انسان میں یہ حوصلہ و ہمت پیدا کرتا ہے کہ وہ اچھے کام کرتا چلا جائے خواہ دنیا میں ان اعمالِ صالحہ کا اسے کوئی اجر ملے یا نہ ملے۔ بعض اوقات حالات ایسے بھی بن جاتے ہیں کہ معاشرے میں اعمالِ صالحہ مثلاً دیانت داری، ایثار، ہمدردی، خدمتِ خلق وغیرہ کی نہ صرف یہ کہ قدر نہیں ہوتی بلکہ ایسا کرنے والوں کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔ ان کے لیے اس معاشرے میں زندگی بسر کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں عقیدۂ آخرت انسان کو حوصلہ و ہمت عطا کرتا ہے۔ اسے یقین ہوتا ہے کہ اس کے کیے ہوئے اعمالِ صالحہ رائیگاں نہیں جائیں گے۔ آخرت میں اسے ان کا پورا پورا اجر مل جائے گا اور اصل زندگی تو آخرت کی ہی ہے۔

۵۔ صبر و تحمل:

زندگی پھولوں کی سیج نہیں، یہاں کانٹے بھی ہیں۔ خوشحالی اور تنگدستی، پیدائش اور موت، صحت اور بیماری، رفاقت اور فراق، اعضاء کی سلامتی اور معذوری سبھی ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ انسان پر زندگی کے کسی مرحلے پر ایسے مصائب بھی ٹوٹتے ہیں کہ زندگی عذاب بن جاتی ہے۔ ایسے حالات میں عقیدۂ آخرت انسان کو صبر و تحمل عطا کرتا ہے کہ حقیقی اور دائمی زندگی تو آخرت کی ہے۔ یہ مصائب تو اس کی آزمائش کے لیے ہے۔ اگر وہ صبر و تحمل سے ان کو برداشت کرے گا تو اسے آخرت میں اس کا اجر ملے گا۔

Marfat.com

۶۔ جرأت و شجاعت:

آخرت پر ایمان سے انسان کے اندر یہ یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ اخروی زندگی اس دنیوی زندگی سے بہتر ہے۔ یہ عارضی ہے وہ دائمی ہے۔ اس لیے اس عارضی اور گھٹیا زندگی کی قیمت پر بھی اگر اس کی عقبیٰ سنور جائے تو یقیناً یہ سودا منافع کا ہے گھاٹے کا نہیں۔ اس لیے وہ اپنی جان کی بھی پرواہ نہیں کرتا۔ اس سے اس کے اندر بے مثال جرأت اور شجاعت کا وصف پیدا ہوتا ہے اور اگر یہ عقیدہ ہو کہ صرف یہی زندگی ہے اور اس کے بعد مکمل فنا ہے تو انسان اپنی جان سے بے حد پیار کی وجہ سے بزدل بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ اسلام کے صفحات استجاعت اور سرفروشی کے واقعات سے بھرے ہوئے ملتے ہیں۔

۷۔ دیگر اوصافِ حمیدہ:

عقیدۂ آخرت سے صرف حوصلہ و ہمت، صبر و تحمل اور جرأت و شجاعت کے اوصاف ہی پیدا DEVELOP نہیں ہوتے بلکہ دیگر تمام اوصافِ حمیدہ اور اخلاقِ حسنہ بھی پیدا ہوتے ہیں جن کی اسلام نے تعلیم دی ہے مثلاً ایثار، اخلاص، رحم، محبت، رواداری، سخاوت، حلم اور بردباری، تقویٰ اور پرہیزگاری، تواضع اور انکسار وغیرہ۔ اس طرح انسان اعلیٰ اوصاف سے متصف ہو کر انسانیت کے اعلیٰ و ارفع درجے پر فائز ہو جاتا ہے۔

۸۔ محرک عمل نہ کہ افیون:

یہ بات اچھی طرح واضح ہو جانی چاہیے کہ اسلام نے آخرت کا جو تصور دیا ہے وہ انسان کے اندر عمل اور جد و جہد کی تحریک پیدا کرتا ہے۔ نہ یہ کہ افیون بن کر اسے سلا دے۔ وہ ظلم و استحصال کو سہنے کی نہیں، اس کے خلاف لڑنے کی تعلیم دیتا ہے۔ دنیا کو حقیر جان کر محرومیوں پر راضی ہو جانا نہیں سکھاتا، بلکہ دنیا میں بھرپور زندگی بسر کرنے اور اپنے حقوق کے لیے جد و جہد کرنے پر ابھارتا ہے۔ غفلت کی نیند سونے اور مردہ دل بننے کی اجازت نہیں دیتا، بلکہ چاق و چوبند اور ہوشیار اور سرگرم عمل رہنے کی اُمنگ پیدا کرتا ہے۔ دنیوی زندگی آخرت کی کھیتی ہے۔ یہاں اعمال صالحہ کے بیج اگر نہیں بوئیں گے تو آخرت میں پھل کس چیز کا پائیں گے؟ اور اعمال صالحہ سے مراد گوشہ نشین ہو کر عبادت میں مصروف رہنا نہیں، رہبانیت تو اسلام میں حرام ہے۔ پیغمبر اسلام کی حیات طیبہ ہی اسوۂ حسنہ ہے اور آپؐ نے ساری زندگی لوگوں کے درمیان بسر کی ہے (سوائے غار حرا میں کچھ عرصہ غور و فکر کرنے کے)۔ آپؐ تو سراپا عمل تھے۔ آپؐ نے بھرپور زندگی بسر کی۔ ساری زندگی بدی کے خلاف جہاد کیا۔ لہٰذا ظلم و استحصال، حقوق کے غصب کو برداشت کرنا اور بدی کو فروغ پانے کی اجازت دینا یا تماشائی بن کر اس کے فروغ کو دیکھنا قطعاً نیکی نہیں، بلکہ اپنے اور دوسروں کے حقوق کے لیے جد و جہد کرنا اور بدی اور ظلم و استحصال کے خلاف لڑنا نیکی ہے۔

Marfat.com

صلوٰۃ (نماز)

معنی و مفہوم

صلوٰۃ کے لغوی معنی ہیں نیک تمنا۔ دعا۔ تعریف۔ دینی اصطلاح میں اس سے مراد اسلام کی وہ مخصوص عبادت ہے جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مخصوص ہیئت کے ساتھ خود ادا کی اور اپنی اُمت کو سکھائی۔ صلوٰۃ قیام، رکوع، سجدہ، تشہد، تسبیح، ثنا، قرارت اور دعا وغیرہ پر مشتمل ہوتی ہے۔ اردو اور فارسی میں اس مخصوص عبادت کو نماز کہتے ہیں۔

اقامتِ صلوٰۃ

قرآن حکیم میں اقامتِ صلوٰۃ کا حکم آیا ہے۔ مذکورہ بالا حدیث شریف میں بھی اقامتِ صلوٰۃ کو ارکانِ اسلام میں سے ایک رکن بتایا گیا ہے۔ اقامتِ صلوٰۃ سے مراد ہے نماز کو وقت کی پابندی کے ساتھ، باجماعت اور تمام شرائط و آداب کے ساتھ ادا کرنا۔

اہمیتِ صلوٰۃ

پانچ وقت کی نماز ہر عاقل اور بالغ مسلمان پر فرض ہے۔ نماز پہلی تمام اُمتوں پر بھی فرض رہی ہے۔ قرآن پاک و حدیث میں اقامتِ صلوٰۃ کی سخت تاکید کی گئی ہے۔

(الف) از روئے قرآن۔ قرآن حکیم میں اقامت صلوٰۃ کا ذکر بارہا آیا ہے۔ کہیں تو مومنین کی صفات بیان کرتے ہوئے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو (علاوہ اور نیکیوں کے) نماز قائم کرتے ہیں۔ کہیں نماز قائم کرنے والوں کے لیے اجر و انعام کا ذکر کیا گیا ہے۔ تقریباً بارہ مقامات پر حکم دیا گیا ہے۔

اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ : تم نماز قائم کرو

ایک جگہ (البقرہ ۲ : ۲۳۸) حکم ہے۔

حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ : تم نمازوں کی نگہداشت کرو

اہلِ جنت دوزخ والوں سے پوچھیں گے کہ تمہیں کیا چیز دوزخ میں لے آئی تو وہ دوزخ میں پھینکے جانے کی ایک وجہ یہ بتائیں گے

قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ (المدثر ۷۴ : ۴۳)

(ترجمہ) ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے

- نماز سے غفلت برتنے والے نمازیوں کے لیے عذاب کی وعید آئی ہے (سورہ ماعون)

(ب) از روئے حدیث : نبی کریم کا فرمان ہے۔

۱۔ آدمی اور کفر و شرک کے درمیان ترکِ صلوٰۃ ہے۔

Marfat.com

۲۔ نماز دین کا ستون ہے۔ جس نے اس کو ترک کیا اس نے دین کو گرا دیا۔

۳۔ جس دین میں نماز نہیں اس میں کوئی بھلائی نہیں۔

۴۔ جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑی اس نے کفر کیا۔

مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ

۵۔ قیامت کے روز سب سے پہلے نماز کے بارے میں باز پرس ہوگی (اَوَّلُ مَا سُئِلَ، سُئِلَ عَنِ الصَّلٰوةِ)

نماز کے فوائد و ثمرات

۱۔ برائیوں سے اجتناب

ارشادِ ربانی ہے:

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ (العنکبوت ۲۹، ۴۵)

ترجمہ: بے شک نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔

۲۔ صفائی اور پاکیزگی

نماز پڑھنے والا نہ صرف خود صاف ستھرا رہتا ہے بلکہ اس کا سارا ماحول (مسجد وغیرہ) بھی صاف ستھرا رہتا ہے۔ اس کے کپڑے بھی پاک صاف رہتے ہیں۔ ناپاک بدن یا ناپاک لباس کے ساتھ نماز نہیں ہوتی، لامحالہ نمازی کا بدن اور لباس پاک و صاف ہوں گے۔ پانچ وقت وضو کرنے سے ماحول سے جسم میں جو آلودگی آتی ہے وہ بھی صاف ہو جاتی ہے۔

۳۔ وقت کی پابندی

نماز پڑھنے سے وقت کی پابندی کی عادت پیدا ہوتی ہے۔ نماز مقررہ اوقات پر پڑھی جاتی ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ سے رابطہ

نماز سے انسان کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق استوار ہو جاتا ہے۔ وہ پانچ وقت اللہ تعالیٰ کے حضور میں عبادت کرنے، قرآن پاک پڑھنے اور دعا کرنے سے اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتا ہے اور رابطہ قائم کرتا ہے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

اِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا صَلّٰى يُنَاجِيْ رَبَّهٗ

ترجمہ: یقیناً تم میں سے کوئی شخص جب نماز پڑھتا ہے تو (گویا) اپنے رب سے چپکے چپکے

Marfat.com

بات کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے مسلسل رابطہ رہنے سے بہت سے فیوض و برکات حاصل ہوتے ہیں۔ روح کو بالیدگی، دل کو تقویت اور سہارا اور ذہن کو سکون ملتا ہے۔

۵۔ گناہ جھڑتے ہیں

نماز پڑھنے سے انسان کے گناہ جھڑتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مرتبہ ایک درخت کی ایک خشک ڈالی کو ہلایا جس سے اس کے پتے جھڑنے لگے۔ حضرت سلمان فارسیؓ آپؐ کے ساتھ کھڑے تھے۔ آپؐ نے ان سے فرمایا: جب ایک مسلمان اچھی طرح وضو کرتا ہے اور پانچ نمازیں پڑھتا ہے تو اس کے گناہ اسی طرح جھڑ جاتے ہیں جیسے یہ پتے۔

۶۔ اطاعت امیر

نماز باجماعت ادا کرنے سے امیر کی اطاعت کی تربیت ملتی ہے۔ نمازی مکمل طور پہ اپنے امام کی اتباع کرتے ہیں۔ امیر کی اطاعت اجتماعی زندگی کے ہر شعبے کے لیے اشد ضروری ہے۔ مسلمانوں کو اطاعت امیر کی تربیت نماز فراہم کرتی ہے۔

۷۔ مساوات کا درس

باجماعت نماز ادا کرنے سے مساوات کا عملی درس ملتا ہے جو پہلے آتا ہے وہ آگے جگہ پاتا ہے اور بعد میں آنے والا پیچھے کھڑا ہوتا ہے۔ اس میں کسی قسم کا امتیاز روا نہیں ہوتا۔ سب نمازی کندھے سے کندھا ملا کر صفیں باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں۔ امیر غریب، بڑے چھوٹے کا کوئی امتیاز نہیں ہوتا

۸۔ باہمی میل جول

باجماعت نماز اہل محلہ کو پانچ وقت روزانہ مسجد میں اکٹھا ہونے کا موقع فراہم کرتی ہے اس سے ان میں باہمی میل جول بڑھتا ہے۔ انس و محبت پیدا ہوتی ہے۔ ایک دوسرے کے حالات سے آگہی حاصل ہوتی ہے۔ ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہونے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

نوٹ: رسول اکرمؐ اور خلفائے راشدین کے دور میں پنجگانہ نماز اور نماز جمعہ و عیدین میں امامت کے فرائض حکمران ادا کرتے تھے۔ حضورؐ کے عہد مبارک اور خلفائے راشدین کے دور میں مسجد نبوی کی حیثیت صرف ایک عبادت گاہ کی نہیں تھی، بلکہ یہ پارلیمنٹ ہاؤس، سپریم کورٹ، جی ایچ کیو اور ایوان حکومت بھی تھی۔ یہیں مشاورت ہوتی تھی۔ یہیں سے نئے قوانین جاری ہوتے تھے۔ اسی جگہ سے لشکروں کے سپہ سالار مقرر کر کے لشکر روانہ کیے جاتے تھے۔ اہم جنگی امور سے متعلق فیصلے بھی یہاں ہوتے تھے، مقدمات کے فیصلے بھی یہاں ہوتے سربراہ حکومت بھی یہیں تشریف رکھتے تھے۔ کسی کو کوئی شکایت ہوتی تو بلا روک یہاں آکر اپنی

Marfat.com

شکایت سناتا اور داد پاتا۔ صوبوں میں صوبائی عمال اور دوسرے حاکم بھی اس نمونے کی تقلید کرتے تھے۔ اگر امامت کے فرائض تنخواہ دار اور بے اختیار علماء کے بجائے ارباب اقتدار اختیار ادا کریں تو اس سے مزید فوائد حاصل ہوں گے۔ مثلاً

و۔ حکمرانوں اور عوام الناس کے درمیان کوئی فاصلے اور رکاوٹیں حائل نہ ہوں گی۔ حکمرانوں کے ساتھ عام لوگوں کا ہر وقت رابطہ رہے گا۔

ب۔ چونکہ حکمرانوں کو پانچ وقت روزانہ لوگوں کا سامنا کرنا ہوگا اس لیے ان میں رعونت اور تکبر پیدا نہ ہو سکیں گے، وہ عوام میں گھل مل کر رہیں گے۔

ج۔ حکمران مجروی اختیار نہ کر سکیں گے نہ ہی اختیارات کا ناجائز استعمال کر سکیں گے کیونکہ لوگ مسلسل ان کا محاسبہ کرتے رہیں گے۔

د۔ لوگوں کے مسائل جمع نہ ہوں گے بلکہ ساتھ ساتھ حل ہوتے رہیں گے۔ حکمران مسئلہ کے پیدا ہوتے ہی اس سے آگہی حاصل کر لیں گے اور ان کے لیے اسے حل کیے بغیر کوئی چارۂ کار نہ ہوگا۔

ر۔ مسجدوں میں اجتماع زیادہ بڑے ہوں گے۔ ہر شخص جب تک کوئی مجبوری نہ ہو، مسجد میں جاکر باجماعت نماز ادا کرنے کی کوشش کرے گا۔ کیونکہ ایسا نہ کرنے کی صورت میں اسے بہت سے فوائد سے محروم ہونا پڑے گا۔ اس نقصان کو کوئی شخص برداشت نہ کرے گا۔

Marfat.com

زکوٰۃ

معنی و مفہوم

زکوٰۃ کے لغوی معنی ہیں (۱) پاک صاف کرنا (۲) نمو پانا۔ افزائش۔ دینی اصطلاح میں زکوٰۃ سے مراد مقررہ حد سے زیادہ مال رکھنے والوں سے مقررہ شرح سے مال وصول کر کے اسے مقررہ مصارف پر خرچ کرنا ہے۔ زکوٰۃ کے اصطلاحی مفہوم میں مذکورہ دونوں لغوی معنی موجود ہیں۔ زکوٰۃ سے مال پاک بھی ہوتا ہے اور اس میں برکت بھی آتی ہے۔

زکوٰۃ کی فرضیت

زکوٰۃ ہر اس عاقل اور بالغ مسلمان پر فرض ہے جو:

۱۔ مقررہ حد کے مال (نصاب) کا مالک ہو۔

۲۔ اس مال پر اس کو تصرف حاصل ہو (یعنی وہ اسے استعمال میں لا سکتا ہو)

۳۔ اس مال پر پورا سال گزر گیا ہو۔

۴۔ اس مال میں نمو یعنی بڑھنے کی صلاحیت ہو۔

(نوٹ) بنیادی ضرورت کی اشیاء مثلاً رہائشی مکان، لباس اور اسباب وغیرہ پر زکوٰۃ عائد نہیں ہوتی۔

زکوٰۃ کا نصاب اور شرح

۱۔ سونا چاندی

سونے کا نصاب ساڑھے سات (۷½) تولے اور چاندی کا ساڑھے باون (۵۲½) تولے ہے۔ ان پر زکوٰۃ کی شرح ۲½ فی صد ہے۔

۲۔ روپیہ اور مالِ تجارت

روپیہ پیسہ اور مالِ تجارت کی قیمت اگر ۷½ تولے سونے یا ۵۲½ تولے چاندی کے برابر ہو۔ اس کی قیمت لگا کر ۲½ فیصد کی شرح سے اس پر زکوٰۃ عائد ہوگی۔

۳۔ سوائم

یعنی چرنے والے وہ مویشی جو سال کا غالب حصہ چراگاہوں میں چرتے ہیں۔ ان کا نصاب اس طرح ہے:

Marfat.com

اونٹ	پانچ (۵) عدد
بقر (گائے، بیل، بھینس)	تیس (۳۰) عدد
غنم (بھیڑ بکریاں)	چالیس (۴۰) عدد

جانوروں کی زکوٰۃ کی شرحیں مقررہ ہیں۔ ان میں بڑی تفصیلات پائی جاتی ہیں جن کو بیان کرنے کی اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں۔

۴۔ زرعی پیداوار

کل زرعی پیداوار پر، بلالحاظ نصاب، زکوٰۃ عائد ہوتی ہے۔ زرعی پیداوار پر زکوٰۃ کو عُشر کہتے ہیں۔ عُشر کا معنی ہے دسواں حصہ۔ زمین بارش یا سیلاب یا قدرتی ندی نالے یا چشمے سے سیراب ہو تو اس پر عُشر کی شرح دس فیصد ہے۔ اور اگر کنوئیں یا ٹیوب ویل وغیرہ کسی مصنوعی ذریعے سے زمین سینچی گئی ہو تو عُشر کی شرح پانچ فیصد (یعنی بیسواں حصہ) ہو گی۔

مصارفِ زکوٰۃ

قرآنِ حکیم (سورہ توبہ، ۹: ۶۰) میں زکوٰۃ کے مندرجہ ذیل آٹھ مصارف بتائے گئے ہیں:

۱۔ فقراء:

فقراء جمع ہے فقیر کی۔ عربی زبان میں فقیر کا معنی ہے محتاج یعنی ایسا شخص جو کسی ایسی ضرورت سے دوچار ہو جس کو پورا کیے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں۔ مثلاً کسی موذی مرض میں مبتلا ہو جس کے علاج کے لیے اس کے پاس پیسہ نہ ہو۔

۲۔ مساکین

مساکین جمع ہے مسکین کی۔ مسکین اس شخص کو کہتے ہیں جو کام کرنے سے معذور ہو لیکن عزتِ نفس کا خیال اسے دوسروں کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے سے باز رکھے۔

۳۔ عاملین

یعنی وہ ملازمین جو زکوٰۃ کی وصولی، اس کے حساب کتاب اور تقسیم وغیرہ کے امور سرانجام دیں۔ ان کی تنخواہیں زکوٰۃ سے ادا کی جائیں گی۔

۴۔ مُؤَلَّفَۃُ الْقُلُوْب

اس کا لفظی معنی ہے وہ لوگ جن کے دل جوڑے گئے۔ اس سے مراد وہ لوگ تھے جو اسلام لائے تو بلالحاظ اس کے کہ وہ امیر تھے یا غریب، مال و دولت سے ان کی دلجوئی کی گئی تا کہ اسلام

Marfat.com

لانے والوں کی زکوٰۃ کے مال سے دلجوئی کی جا سکتی ہے، خواہ وہ امیر ہوں یا غریب۔

۵۔ غلاموں کی آزادی

زکوٰۃ کے مال سے غلاموں کو خرید کر آزاد کیا جائے۔

۶۔ غارمین

ایسے ضامن یا مقروض جو زرِ ضمانت یا مالِ قرض ادا کرنے سے قاصر ہوں۔

۷۔ فی سبیل اللہ

(اللہ کی راہ میں) اس سے مراد ان لوگوں کی مدد کرنا ہے جو اللہ کی راہ میں کوشاں ہیں اور روزی کمانے کی فرصت نہیں رکھتے۔ مثلاً جہاد کرنے والے، دین کی تبلیغ و اشاعت کرنے والے نادار طالب علم وغیرہ۔

۸۔ ابن السبیل

اس سے مراد وہ مسافر ہیں جو حالتِ سفر میں محتاج ہو جائیں خواہ وہ اپنے گھر میں مالدار ہوں زکوٰۃ سے مسافر کی مدد اس کی اصل حاجت کے مطابق کرنی چاہیے نہ کہ اس کی حیثیت کے مطابق۔

زکوٰۃ کہاں نہیں خرچ کی جا سکتی

۱۔ زیرِ کفالت افراد مثلاً اولاد، ماں باپ میاں بیوی وغیرہ کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی۔

۲۔ مسجد کی تعمیر، مردے کے کفن وغیرہ پر زکوٰۃ خرچ نہیں کی جا سکتی۔ اصول یہ ہے کہ زکوٰۃ میں کسی کو مالک بنانا ضروری ہے جبکہ مسجد وغیرہ مالک نہیں بن سکتے۔

۳۔ اہلِ بیت اور سادات کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی۔

زکوٰۃ کی اہمیت

زکوٰۃ اسلام کا ایک اہم رکن ہے۔ ہر صاحبِ نصاب پر زکوٰۃ فرض ہے۔ زکوٰۃ کا منکر مُرتد اور واجب القتل ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے منکرینِ زکوٰۃ کے خلاف جہاد کیا تھا، حالانکہ وہ لوگ اسلام کے باقی چار ارکان کو مانتے تھے۔

قرآن حکیم میں جہاں بھی اقامتِ صلوٰۃ کا حکم آیا ہے اس کے ساتھ زکوٰۃ ادا کرنے کا بھی حکم آیا ہے۔

اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ

ترجمہ: نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو

Marfat.com

یہ حکم متعدد بار آیا ہے۔ زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کے لیے سخت عذاب کی وعید آئی ہے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (التوبہ، ۹: ۳۴)

(ترجمہ) اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو ان کو دردناک عذاب کی بشارت دیجیے ــــــ حدیث شریف میں بھی زکوٰۃ ادا کرنے کی تاکید کی گئی ہے اور زکوٰۃ نہ دینے والے کے لیے دردناک عذاب کی وعید سنائی ہے۔ جس مال کی زکوٰۃ نہ دی جائے حدیثِ نبوی کی رُو سے وہ مال قیامت کے روز صاحبِ مال کے لیے عذاب بن جائے گا۔

اسلامی ریاست میں زکوٰۃ کی اہمیت

۱۔ اسلام کا نصب العین فلاحی ریاست WELFARE STATE کا قیام ہے جہاں ہر شخص کی بنیادی ضروریات کی ریاست ضامن ہو۔ صحت کے لیے ضروری خوراک، ستر ڈھانپنے اور موسم کی شدت سے بچاؤ کے لیے لباس، مکان، علاج، تعلیم یہ سب بنیادی ضروریات ہیں اور ہر شخص کو لازماً ملنی چاہئیں۔ کوئی بھی شخص ان میں سے کسی بھی ضرورت سے محروم نہیں رہنا چاہیے۔ اسلامی ریاست ان کی فراہمی کی ضامن ہے۔

۲۔ اسلام ہر فرد معاشرہ کو سماجی تحفظات SOCIAL SECURITIES مہیا کرنا چاہتا ہے۔ بیماری، بے روزگاری، مقروض یا دیوالیہ ہونے، یتیم یا بیوہ ہونے، غرض ہر ایسی مصیبت میں کہ جب انسان بے بس اور بے سہارا ہو کر مدد کا محتاج ہو جائے اسلامی ریاست پر فرض ہے کہ وہ اس کی ضروری مدد کرے۔ ہر فرد معاشرہ کو یہ احساس حاصل ہو کہ اس کا اور اس کے زیرِ کفالت افراد کا مستقبل محفوظ ہے اور وہ کسی بھی صورت کسمپرسی اور بے چارگی کی حالت سے دوچار نہ ہوں گے۔ ضرورت پڑنے پر ریاست ان کی مدد کو لپکے گی۔

۳۔ اسلام اس بات کا ہرگز روادار نہیں کہ دولت معاشرے کے چند افراد کے ہاتھوں میں مرتکز ہو کر رہ جائے۔ اس کی منشا تو یہ ہے کہ دولت تقسیم ہو اور گردش میں رہے۔

۴۔ اسلام اپنے پیروؤں کے دلوں سے مال و دولت کی محبت کو نکال دینا چاہتا ہے وہ انہیں دنیا کے بجائے آخرت کی اہمیت کا احساس دلانا چاہتا ہے۔ اگرچہ اسلام رہبانیت کا قائل نہیں۔ لیکن دنیوی مال و متاع سے محبت کرنے ان کے انبار لگانے کی بھی اجازت نہیں دیتا۔ وہ مال و دولت کے بجائے اللہ اور اس کی مخلوق سے محبت دیکھنا چاہتا ہے۔

Marfat.com

ان اعلیٰ اور ارفع مقاصد کے حصول کے لیے زکوٰۃ ایک اہم اور مؤثر ذریعہ ہے۔ ظاہر بات ہے کہ ریاست کو فلاحی بنانے اور سماجی تحفظات کی فراہمی کے لیے خاطر خواہ مقدار میں مالی وسائل کی ضرورت ہے۔ اسلامی ریاست کو یہ ضروری مالی وسائل زکوٰۃ سے فراہم ہوتے ہیں۔ زکوٰۃ کے بغیر اسلامی ریاست نہ تو ایک فلاحی ریاست بن سکتی ہے اور نہ ہی کسی فرد معاشرہ کو سماجی تحفظات مہیا کر سکتی ہے۔ دولت کو مرتکز ہونے سے روکنے اور مال و دولت کی محبت کو دلوں سے نکالنے کے لیے بھی زکوٰۃ ایک نہایت مؤثر ذریعہ ہے۔

زکوٰۃ کے فوائد و ثمرات

زکوٰۃ سے فرد اور معاشرے کو بے شمار فوائد و ثمرات حاصل ہوتے ہیں۔ ذیل میں بعض اہم فوائد و ثمرات کو بیان کیا جائے گا۔

زکوٰۃ دہندہ کو انفرادی فوائد:

زکوٰۃ دینے والے کو اس عمل سے کئی فوائد حاصل ہوتے ہیں مثلاً:

۱۔ مال پاک ہو جاتا ہے

زکوٰۃ ادا کرنے سے مال پاک ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ اپنے مال کو اطمینان قلب کے ساتھ اپنے جائز تصرف میں لا سکتا ہے۔ جب تک ■ زکوٰۃ نہ دے اس کا مال پاک نہ ہوگا، کیونکہ اس کے مال میں غریبوں کا حق ہے۔ زکوٰۃ دینے سے غریبوں کا حق ادا ہو جاتا ہے۔ نہ دینے سے وہ غریبوں کے حق کا غاصب ہوگا۔

۲۔ تزکیۂ نفس

زکوٰۃ ادا کرنے سے تزکیۂ نفس حاصل ہوتا ہے۔ اپنے ہاتھ سے اور اپنی خوشی سے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے جب انسان اپنے مال میں سے زکوٰۃ نکالتا ہے تو اس سے مال کی محبت کم ہوتی ہے، بخل اور کنجوسی کا جذبہ مغلوب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے تعلق استوار ہوتا ہے برائیوں سے اجتناب کرتا ہے۔ مال کی بے پناہ محبت بہت سی اخلاقی برائیوں کو جنم دیتی ہے ارشاد ربانی ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا (توبہ ۹: ۱۰۳)

ترجمہ: "اے نبیؐ! ان کے اموال میں سے صدقہ (زکوٰۃ) لیجیے جس کے ذریعے آپؐ انہیں پاک کریں اور ان کا تزکیہ کریں۔

۳۔ اللہ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے

زکوٰۃ ادا کرنے سے اللہ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کا

Marfat.com

اجر دے گا۔ ارشاد ربانی ہے:

(ترجمہ) جو نماز قائم کرتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے مال میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ حقیقی مومن ہیں۔ ان کے لیے ان کے رب کے پاس بڑے درجات اور مغفرت اور بہترین رزق ہے (الانفال، ۸: ۳، ۴)۔

۴۔ نیکی (بِرّ) حاصل ہوتی ہے

زکوٰۃ دینے سے نیکی حاصل ہوتی ہے۔ اس کے بغیر نیکی ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی۔ کوئی مسلمان خواہ کتنا ہی عبادت گزار کیوں نہ ہو، دیگر نیکیاں چاہے کتنی ہی کرتا ہو جب تک اپنے اوپر عائد زکوٰۃ ادا نہیں کرے گا اسے نیکی حاصل نہیں ہو سکتی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آل عمران، ۳: ۹۲)

ترجمہ: تم نیکی کو ہرگز نہیں پا سکتے جب تک کہ تم اپنی ان چیزوں میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ نہ کرو جو تمہیں محبوب ہیں۔

۵۔ مال بڑھتا ہے

زکوٰۃ دینے سے مال گھٹتا نہیں بلکہ بڑھتا ہے۔ اللہ کی راہ میں خرچ کیئے ہوئے مال کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے قرض بنایا ہے اور اس کا وعدہ ہے کہ وہ اسے بڑھا دے گا:

اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ (التغابن، ۶۴: ۱۷) (ترجمہ) اگر تم اللہ کو قرضِ حسن دو تو وہ اس کو تمہارے لیے دوگنا کر دے گا اور تمہاری مغفرت کر دے گا اور اللہ قدر کرنے والا بردبار ہے۔

سورہ البقرہ (۲: ۲۷۶) میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۭ

ترجمہ: اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔

اجتماعی فوائد

۱۔ دولت گردش میں آتی ہے

کسی بھی ملک کی معاشی ترقی کے لیے یہ بات اشد ضروری ہے کہ دولت مندوں کے پاس دولت منجمد ہو کر نہ پڑی رہے بلکہ معاشرے میں پھیل کر گردش میں آئے۔ زکوٰۃ کے ذریعے ۲½ فی صد مال و دولت مال داروں کی تجوریوں سے نکل کر گردش میں آتی ہے۔ کافی لوگوں کے

Marfat.com

ہاتھوں میں پیسہ گردش میں قوتِ خرید بڑھاتی ہے۔ وہ مارکیٹوں میں جا کر خریداری کرتے ہیں۔ اشیاء کی مانگ بڑھتی ہے پھر لامحالہ پیداوار بھی بڑھے گی۔ اگر عوام کی اکثریت قوتِ خرید سے محروم رہے تو لازماً کساد بازاری کا سامنا کرنا پڑے گا جس سے ملکی معیشت ترقی نہ کر سکے گی۔

۲۔ چند ہاتھوں میں ارتکازِ دولت میں کمی

اگر دولت چند ہاتھوں میں مرتکز ہو جائے جیسا کہ جاگیرداری اور سرمایہ داری نظام میں ہوتا ہے تو اس سے مال دار (HAVES) اور نادار (HAVENOTS) طبقوں کے درمیان تضاد و تفاوت بہت نمایاں اور گھناؤنی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ یہ معیشت اور معاشرے دونوں کے لیے بالآخر تباہ کن ثابت ہوتا ہے۔ زکوٰۃ ارتکازِ دولت کو کم کرتی ہے۔ اسلام چند ہاتھوں میں ارتکازِ دولت کا روادار نہیں۔ ارشادِ خداوندی ہے:

کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً ۢ بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ (الحشر، ۵۹:۷)

ترجمہ: تاکہ وہ (مال) تمہارے مالداروں کے درمیان ہی گردش نہ کرتا رہے۔

۳۔ سرمایہ کاری میں اضافہ

اگر مالدار شخص اپنے مال پر سانپ بن کر بیٹھا رہے اور اسے کسی کاروبار میں نہ لگائے تو ہر سال زکوٰۃ ادا کرنے سے اس کا مال مسلسل گھٹتا چلا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ کوئی ہوشمند مال دار اس صورتِ حال کو پسند نہیں کرے گا، چنانچہ وہ اپنے مال کو زکوٰۃ کے ہاتھوں ختم ہونے سے بچانے کے لیے کسی نفع بخش کاروبار میں لگانے پر مجبور ہو گا۔ اس طرح ملک میں سرمایہ کاری کا رجحان بڑھے گا۔ سرمایہ کاری میں اضافہ سے ملکی معیشت ترقی کرے گی۔

۴۔ سماجی تحفظات کی فراہمی

زکوٰۃ کی بدولت ریاست اس قابل ہوتی ہے کہ افرادِ معاشرہ کو سماجی تحفظات فراہم کر سکے۔ اگر انہیں سماجی تحفظات حاصل ہوں گے تو وہ اطمینان اور دلجمعی کے ساتھ ملکی ترقی میں اپنا کردار ادا کریں گے۔

۵۔ جرائم میں کمی

اگر معاشرے کی صورت یہ ہو کہ ہر شخص کو تن تنہا اپنی بقاء کی جنگ لڑنی پڑے۔ اس کا اور اس کے بال بچوں کا مستقبل غیر یقینی اور غیر محفوظ ہو۔ اسے اس طرف سے اطمینان نہ ہو کہ کسی ناگہانی مصیبت، بیماری، حادثہ وغیرہ کی صورت میں اس کے اہلِ خانہ عزت و آبرو کی زندگی بسر کر سکیں گے تو وہ اپنے اہلِ خانہ کے مستقبل کو محفوظ کرنے کے لیے دولت جمع کرنے کی کوشش

Marfat.com

کرے گا۔ وہ دولت کے حصول کے لیے جرائم کے ارتکاب سے بھی گریز نہیں کرے گا۔ اس طرح معاشرے میں اخلاقی و معاشی جرائم میں اضافہ ہو گا۔ اس کے برعکس زکوٰۃ کے نظام سے چونکہ فرد اپنی بقاء کی جنگ تن تنہا نہیں لڑتا بلکہ پورا معاشرہ اس کی پشت پر ہوتا ہے۔ اسے اطمینان ہوتا ہے کہ ناگہانی مصیبت کی صورت میں حکومت زکوٰۃ سے اس کی خاطر خواہ مدد کر کے اسے سنبھال لے گی۔ اس کی اور اس کے اہلِ خانہ کی بنیادی ضروریات بہر صورت پوری ہوتی رہیں گی تو اسے کیا ضرورت ہو گی جرائم کا ارتکاب کرنے کی۔

۶۔ طبقاتی کشمکش میں کمی

اگر امراء اپنے معاشرے کے غریب و نادار لوگوں کے ساتھ بے حسی اور لاپرواہی کا رویہ رکھیں جیسا کہ جاگیرداری اور سرمایہ داری نظام کا خاصہ ہے تو غریب لوگوں کے دلوں میں امیروں کے خلاف نفرت کا پیدا ہو جانا ایک فطری اور لازمی امر ہے۔ زکوٰۃ کے نظام میں چونکہ امراء غریبوں کی خبر گیری کرتے ہیں اور انہیں مالی امداد فراہم کرتے ہیں (حکومت کی وساطت سے) اس لیے غریب لوگوں کے دلوں میں ان کے خلاف پائی جانے والی نفرت میں کمی واقع ہوتی ہے۔ اس سے طبقاتی کشمکش اور منافرت بھی کمزور پڑ جاتی ہے جس کے نتیجے میں معاشرے کے افراد امن و سکون کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ امن و سکون کی فضا ملکی ترقی کے لیے نہایت مفید اور ضروری ہوتی ہے۔

۷۔ دینی و قومی بہبود کے کام

زکوٰۃ سے بہت سے دینی و قومی بہبود کے کام سرانجام دیئے جا سکتے ہیں۔ کیونکہ زکوٰۃ کا ایک مصرف فی سبیل اللہ بھی ہے۔ دین کی تبلیغ و اشاعت، جہاد فی سبیل اللہ اور نادار طلبہ کی امداد کے کاموں پر زکوٰۃ خرچ کر کے دین کے فروغ اور قومی و ملکی بہبود کے کام کیے جا سکتے ہیں۔

پاکستان میں نظامِ زکوٰۃ

پاکستان میں پچھلے چند برسوں سے زکوٰۃ کا نظام نافذ العمل ہے لیکن اس کے باوجود پاکستان ابھی تک فلاحی ریاست نہیں بن سکا۔ حکومت لوگوں کی بنیادی ضروریات کی ضامن نہیں اور نہ ہی افرادِ معاشرہ کو سماجی تحفظات حاصل ہیں۔ آج بھی بھوک اور غربت سے تنگ آ کر خودکشی کرنے کے واقعات ہوتے ہیں۔ بہت سے لوگ بنیادی ضروریات سے محروم ہیں ــ بیروزگاری

Marfat.com

عام ہے۔جرائم بڑھ رہے ہیں۔ اس صورتِ حال کے ذمہ دار بہت سے سیاسی، معاشی اور معاشرتی اسباب ہیں۔ ان کو بیان کرنے کی اس کتاب میں گنجائش نہیں۔ مختصر طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب تک معیشت و معاشرت میں ہمہ گیر تبدیلیاں نہ لائی جائیں پاکستان فلاحی ریاست نہیں بن سکتا۔

حج

معنی و مفہوم

حج کے لغوی معنی ہیں قصد کرنا۔ ارادہ کرنا۔ دینی اصطلاح میں حج سے مراد مقررہ ایام میں مکہ مکرمہ میں بیت اللہ شریف کی زیارت کرنا اور چند مخصوص مناسک (رسوم) ادا کرنا ہے۔

اسلام سے قبل بھی عرب کے لوگ بیت اللہ شریف کا حج کرتے تھے۔ اسلام نے ان کی بعض رسوم حج کی اصلاح کر کے اس عبادت کو جاری رکھا۔

حج کی فرضیت و اہمیت

حج اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ دیگر ارکان کی طرح اس رکن کا منکر بھی مرتد اور واجب القتل ہے۔ حج ہر آزاد، عاقل، بالغ، تندرست اور صاحبِ توفیق مسلمان پر زندگی میں ایک بار فرض ہے بشرطیکہ راستہ پُر امن ہو اور پیچھے گھر والوں کے پاس اس عرصے کے لیے ضروری اخراجات کے لیے مالی وسائل موجود ہوں۔ ارشادِ خداوندی ہے،

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا (آلِ عمران ۳: ۹۷)

ترجمہ: اور بیت اللہ کا حج لوگوں پر اللہ کا حق ہے جس کو اس کے راستہ کی استطاعت ہو۔

مناسکِ حج

حج کی رسوم کو مناسک کہا جاتا ہے۔ اہم مناسک درج ذیل ہیں:

میقات

مکہ معظمہ سے خاص فاصلوں پر بعض مقامات مقرر ہیں جن کو میقات کہتے ہیں۔ ان مقامات پر حج یا عمرہ کے لیے احرام باندھا جاتا ہے۔

احرام

احرام سے مراد ایسی حالت ہے کہ جس میں محرم (احرام والے) پر چند حلال چیزیں مثلاً زیب و زینت، خوشبو، شکار اور مباشرت وغیرہ حرام ہو جاتی ہیں۔ مرد سلا ہوا لباس نہیں پہن سکتا، بلکہ اَن سلی ہوئی دو چادروں سے جسم ڈھانپتا ہے۔ یہ چادریں پہننا بھی احرام

Marfat.com

کہلاتا ہے۔

تلبیہ

احرام کے بعد کثرت سے حاجی تلبیہ کرتا ہے یعنی لبیک (اے اللہ میں تیرے بلانے پر حاضر ہوا) کہتا ہے۔

استلام

اس کا لفظی معنی چومنا ہے۔ مراد ہے خانہ کعبہ کی ایک دیوار میں نصب حجر اسود کو چومنا۔

طواف

لفظی معنی چکر کاٹنا۔ حاجی خانہ کعبہ کے گرد دائیں طرف سے شروع ہو کر سات پے در پے چکر لگاتے ہیں۔ اس کو طواف کہتے ہیں۔

مقام ابراہیمؑ میں نماز

خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت جس پتھر پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیمؑ اپنے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو گارا اور پتھر دیتے تھے اس کو مقام ابراہیم کہتے ہیں۔ حاجی اس جگہ دو رکعت نماز پڑھتے ہیں۔

صفا و مروہ کی سعی

خانہ کعبہ کے قریب ہی صفا و مروہ نامی دو ٹیلوں کے درمیان حضرت ہاجرہؑ حضرت اسماعیلؑ کے لیے پانی کی تلاش میں بے چینی سے دوڑی تھیں۔ ان کی یاد میں صفا و مروہ کے درمیان حاجی سعی کرتے (دوڑ لگاتے) ہیں۔

منیٰ میں پڑاؤ

ذوالحجہ کی ۸ تاریخ کو حاجی یہاں جمع ہو کر ایک دن اور رات قیام کرتے ہیں۔ اس دن کو یوم الترویہ کہتے ہیں۔

عرفات میں وقوف

۹ ذی الحجہ کو حاجی منیٰ سے عرفات کے میدان میں جاتے ہیں۔ اس دن کو یوم عرفہ کہتے ہیں عرفات مکہ معظمہ سے کوئی چودہ میل کے فاصلے پر ایک وسیع و عریض میدان ہے۔ یہاں ایک پہاڑ ہے جسے جبل رحمت کہتے ہیں۔ اس پہاڑ کے پاس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حجۃ الوداع کا خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔ حاجی یہاں امام کا خطبہ سنتے ہیں۔ حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کی یہیں دوبارہ ملاقات ہوئی تھی۔

وقوف عرفات ہی اصل حج ہے جو شخص اس سے رہ گیا وہ حج سے رہ گیا۔ خواہ باقی تمام مناسک وہ ادا کرلے۔

Marfat.com

مغرب کے وقت حجاج یہاں سے کوچ کرتے ہیں۔ رات مزدلفہ میں بغیر خیموں کے گزارتے ہیں اگلی صبح آفتاب سے پہلے منیٰ کی طرف سفر کرتے ہیں۔

قربانی

۱۰ ذی الحجہ کو منیٰ میں پہنچ کر قربانی کرتے ہیں۔ اس کے بعد حاجی احرام کھول دیتے ہیں۔

رمیٔ جمرات

منیٰ میں تین پتھر نصب ہیں جن کو جمار یا جمرات کہتے ہیں۔ حجاج تین دن (۱۰ تا ۱۲ ذی الحجہ) رمی کرتے ہیں، یعنی ان پتھروں کو سات سات کنکریاں مارتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ جب حضرت اسماعیلؑ کو قربان کرنے کے لیے لے جا رہے تھے تو راستے میں شیطان نے ان تین جگہوں پر ان کو بہکانے کی کوشش کی تھی۔ آپؑ نے ہر موقع پر اس کو کنکریاں اٹھا کر ماری تھیں۔ رمی جمرات اسی واقعہ کی یادگار ہے۔

طوافِ زیارت

منیٰ میں ۱۰ ذی الحجہ کے بعد دو دن قیام کرنا واجب ہے۔ اگر کوئی حاجی چاہے تو تیسرے روز بھی قیام کر سکتا ہے۔ دسویں تاریخ کو خانہ کعبہ کا دوسری بار طواف کرتے ہیں۔ اسے طوافِ زیارت کہتے ہیں۔

طوافِ وداع

مکہ سے روانہ ہونے سے قبل حاجی بیت اللہ کا تیسری مرتبہ طواف کرتے ہیں اسے طوافِ وداع کہتے ہیں۔

حج کے فوائد و ثمرات

۱۔ گناہوں کی مغفرت

حج مبرور یعنی مقبول حج کے نتیجے میں حاجی پچھلے گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ حج اور عمرہ محتاجی اور گناہوں کو اس طرح مٹا دیتے ہیں جس طرح بھٹی لوہے کے زنگ کو۔ ایک اور حدیث کی رو سے انسان حج کرنے کے بعد اس طرح معصوم ہو جاتا ہے جیسے پیدائش کے وقت معصوم ہوتا ہے۔

۲۔ ضبطِ نفس کی تربیت

احرام باندھنے کے بعد کئی حلال چیزیں حرام ہو جاتی ہیں۔ وہ ان چیزوں کے میسر ہوتے ہوئے

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں ان سے اجتناب کرتا ہے اس سے ضبطِ نفس کی تربیت ملتی ہے۔

۳۔ نظم وضبط کی تربیت

حج کے موقع پر لاکھوں انسان ایک جگہ جمع ہوتے ہیں۔ بعض مناسک مثلاً طواف، رمی، جمرات، عرفات سے واپسی کی ادائیگی کے وقت سخت ہجوم ہوتا ہے لیکن نہ کبھی لڑائی جھگڑا ہوتا ہے اور نہ کوئی حاجی کسی دوسرے حاجی کو گالی دیتا یا بُرا بھلا کہتا ہے۔ حجاج کے لیے لڑنا جھگڑنا اور گالی گلوچ ممنوع ہے۔ نادانستہ طور پر ایک دوسرے کے ہاتھوں سخت تکالیف بھی اٹھانا پڑتی ہیں لیکن کیا مجال کہ کوئی شخص تکلیف پہنچانے والے کو سخت الفاظ بھی کہے۔ حج کے موقع پر مسلمانوں کو نظم وضبط کی بہت اعلیٰ تربیت ملتی ہے۔

۴۔ جفاکشی کی تربیت

زندگی پھولوں کی سیج نہیں بلکہ مسلسل جدوجہد کا نام ہے۔ وہی افراد اور قومیں عزت اور کامیابی حاصل کرسکتی ہیں جو جفاکش ہوں۔ حج جفاکشی کی تربیت کا ایک بہت اچھا ذریعہ ہے۔ انسان اپنے گھر سے دور اپنے گھر والوں اور اہلِ وطن سے دُور سخت تکالیف اور صعوبتیں اٹھا کر مناسک حج ادا کرتا ہے، اس سے اس میں مشقت اٹھانے کی عادت پیدا ہوتی ہے۔

۵۔ سادگی کی تربیت

حج میں سادگی کی تربیت ملتی ہے۔ ایک تو اپنے گھر اور وطن سے دور ویسے بھی آدمی ناز و نعمت کی زندگی نہیں گزار سکتا، خواہ وہ ارب پتی ہی کیوں نہ ہوں۔ وہاں تو خیموں میں رہنا پڑتا ہے۔ آسمان کے نیچے فرشِ زمین پر بھی سونا پڑتا ہے۔ دوسرے حالتِ احرام سے انتہائی سادگی پیدا ہوتی ہے۔ اَن سلی ہوئی دو چادروں سے جسم ڈھانپتا ہے۔ سر ننگا ہوتا ہے۔ ننگے سر تیز دھوپ میں پھرنا ہوتا ہے، آرائش، خوشبو وغیرہ کا استعمال حرام ہوتا ہے۔

۶۔ روحانی بالیدگی اور تقربِ الٰہی

گھر سے روانہ ہونے کے بعد گھر واپس آنے تک حاجی کا تمام تر وقت عبادت و ریاضت میں گزرتا ہے۔ وہ دنیا و مافیہا سے الگ تھلگ صرف یادِ الٰہی میں ہر وقت مصروف رہتا ہے۔ اس کا دھیان ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف لگا رہتا ہے۔ اس سے اس کی روح کو بالیدگی حاصل ہوتی ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔

۷۔ مساوات کا عملی مظاہرہ

اسلام مساوات کا علمبردار ہے اور حج کے موقع پر مساوات کا شاندار عملی مظاہرہ ہوتا ہے۔ سب حاجی خواہ کوئی امیر ہو یا غریب، حاکم ہو یا محکوم، چھوٹا ہو یا بڑا، ایک جیسا لباس پہنے یکساں پابندیوں کے

Marfat.com

ساتھ ایک جیسے حالات میں رہتے ہوئے ایک جیسے مناسکِ حج ادا کرتے ہیں۔ کسی بھی موقع پر کسی قسم کا امتیاز روا نہیں ہوتا۔

۸۔ اتحادِ ملی

حج دنیا بھر کے مسلمانوں کے اتحاد و یگانگت کا مظہر ہے۔ دنیا کے کونے کونے سے مختلف رنگوں، زبانوں اور نسلوں کے مسلمان ایک جگہ جمع ہو کر مل جل کر رہتے اور مناسک حج ادا کرتے ہیں۔ اس سے دنیا بھر کے مسلمانوں میں یہ احساس اجاگر ہوتا ہے کہ وہ ایک ملت ہیں۔

۹۔ مرکزیت

حج مسلمانوں کی مرکزیت کی علامت ہے۔ بیت اللہ شریف تمام مسلمانوں کا مرکز ہے۔ دنیا بھر کے مسلمان اس ایک مرکز پر جمع ہوتے ہیں۔ ایک مرکز ان میں وحدت کا احساس پیدا کرتا ہے۔

۱۰۔ شکوہِ ملی کا اظہار

حج کے موقع پر دنیا بھر سے آئے ہوئے لاکھوں مسلمانوں کے ایک جگہ عظیم انسانی اجتماع سے مسلمانوں کے شکوہ ملی کا اظہار ہوتا ہے اور دوسری تمام اقوام بھی محسوس کرتی ہیں کہ مسلمان ایک عظیم ملت ہیں۔

۱۱۔ علمی و اقتصادی فوائد

حج سے علمی و اقتصادی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔ بری، بحری اور ہوائی راستوں سے سفر کا تجربہ۔ نئے علاقوں کی سیاحت مختلف علاقوں سے آئے ہوئے مسلمانوں کے ساتھ تبادلۂ خیالات سے انسان کی معلومات میں خاطر خواہ اضافہ ہوتا ہے۔ حج کے موقع پر مکہ معظمہ اور اس کا نواحی علاقہ، نیز مدینہ منورہ عالمی منڈی کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ مختلف مسلم علاقوں کی مصنوعات وہاں پہنچتی ہیں۔ ان سے واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ وہاں ان کی خرید و فروخت ہوتی ہے اور بعد ازاں مختلف مسلم ممالک میں باہم تجارت ہوتی ہے۔

صومِ رمضان (روزہ)

معنی و مفہوم

صوم یا صیام کا لغوی معنی ہے کسی کام یا چیز سے رک جانا دینی اصطلاح میں اس سے مراد صبح صادق سے لے کر غروبِ آفتاب تک عبادت کی نیت کے ساتھ کھانے پینے اور مباشرت سے پرہیز کرنا ہے۔

Marfat.com

فرضیت

ماہِ رمضان کے روزے ہر عاقل، بالغ اور مقیم مرد و زن پر فرض ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (البقرہ، ۲: ۱۸۳)

ترجمہ: اے ایمان والو، تم پر روزہ فرض ٹھہرایا گیا ہے جیسے ان پر فرض ٹھہرایا گیا تھا جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم پرہیزگار ہو۔

اسی سورت میں تھوڑا آگے حکمِ ربانی ہے:

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ (البقرہ، ۲: ۱۸۵)

ترجمہ: پس تم میں سے جس نے یہ مہینہ (یعنی رمضان المبارک) پایا تو وہ اس میں روزے رکھے۔

رخصتیں

۱۔ اگر کوئی شخص بیمار ہو اور اس میں روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو، یا روزہ رکھنے سے اس کے مرض کے بڑھ جانے کا اندیشہ ہو تو اسے رخصت ہے کہ روزہ نہ رکھے اور رمضان کے بعد مناسب وقت پر قضا کرے۔

۲۔ سفر میں روزہ رکھنے کی رخصت ہے بشرطیکہ سفر کم از کم تین منزل یعنی ۳/۴ ۵۷ میل کی مسافت کا ہو اور منزل پر پندرہ دن سے زیادہ قیام کا ارادہ نہ ہو۔ سفر میں جتنے روزے رہ جائیں گے بعد میں ان کی قضا کرے۔

۳۔ عمر رسیدہ اور کمزور آدمی چاہے تو روزہ نہ رکھے۔ اس کی جگہ فدیہ ادا کرے۔ فدیہ یہ ہے کہ ہر روزے کے بدلے میں ایک مسکین کو دو وقت کا کھانا کھلائے یا کھانے کے برابر جنس دے دے۔

۴۔ بچے کو دودھ پلانے والی ماں کو رخصت ہے کہ رمضان کے روزے نہ رکھے تاکہ بچے کے لیے دودھ میں کمی واقع نہ ہو۔ رمضان کے بعد ان روزوں کو قضا کرے۔

روزے کا مقصد

تقویٰ روزہ کا مقصد اور اس کی غرض و غایت ہے۔ یہ مقصد خود روزہ فرض کرنے والے نے بیان کیا ہے:

(تاکہ تم میں تقویٰ پیدا ہو) تقویٰ سے مراد ہے برائیوں اور گناہوں سے اجتناب۔

Marfat.com

روزے کے فوائد و ثمرات

۱۔ تقویٰ پیدا ہوتا ہے

خود باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ روزے اس لیے فرض کیے گئے ہیں تاکہ تم میں تقویٰ پیدا ہو۔ روزے میں انسان ممنوع اور حرام چیزیں تو کجا بعض حلال چیزوں سے بھی پرہیز کرتا ہے۔ رمضان المبارک میں یہ ٹریننگ اسے بعد میں بھی برائیوں سے اجتناب کرنا سکھاتی ہے۔

۲۔ ضبطِ نفس

روزے سے انسان کے اندر ضبطِ نفس کا ملکہ پیدا ہوتا ہے۔ روزہ ضبطِ نفس کی تربیت ہے اور ضبطِ نفس کا ملکہ تعلقات اور دنیوی امور میں کامیابی کا ضامن ہے۔

۳۔ اخلاص

روزے سے انسان کے اندر اخلاص پیدا ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسی عبادت ہے جو محض بندے اور خدا کو ہی معلوم ہوتی ہے۔ انسان تنہائی میں بھی ممنوعہ چیزوں سے پرہیز کرتا ہے صرف اللہ کے لیے۔ روزے میں دکھاوا، ریاکاری اور کوئی دنیوی مفاد و منفعت مقصود ہی نہیں ہوتے۔

۴۔ دوسروں کی محرومیوں کا احساس

روزے میں انسان بھوک پیاس برداشت کرتا ہے تو اسے دوسرے غریب بھائیوں کی محرومیوں کا بھی احساس ہوتا ہے۔ اس سے اس کے اندر غریبوں سے ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

۵۔ طبّی فائدے

روزے سے پیٹ کی کئی بیماریوں سے نجات ملتی ہے۔ پیٹ کی کئی بیماریاں بسیار خوری کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ موٹاپا جو کئی بیماریوں کا موجب ہے۔ روزہ رکھنے سے کم ہوتا ہے اور بھی کئی طبّی فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

۶۔ قبولِ دُعا

روزہ دار سے اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوتا ہے، اس لیے روزہ دار کی دُعا قبول ہوتی ہے ارشادِ نبوی ہے کہ افطار کے وقت روزہ دار کی دُعا ضرور قبول ہوتی ہے۔

۷۔ اجرِ عظیم

روزہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتا ہے اس لیے اس کا اجر بھی عظیم ہے۔ حدیثِ قدسی ہے کہ روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔ (فَاِنَّهٗ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ)۔

Marfat.com

رمضان المبارک کی فضیلت

رمضان کے مبارک مہینے میں قرآنِ حکیم اتارا گیا۔ اسی مہینے میں ایک رات ہے جسے لیلۃ القدر کہتے ہیں جس میں عبادت ایک ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل ہے۔
پاکستانی مسلمانوں کے لیے اس مبارک مہینے کی ایک خصوصی اہمیت بھی ہے رمضان المبارک کی ستائیسویں شب کو پاکستان کا قیام عمل میں آیا اور ہمیں آزادی نصیب ہوئی۔

جہاد

معنی و مفہوم

جُہد کا معنی ہے کوشش، مشقت، طاقت اس سے لفظ جہاد نکلا ہے جس کا لغوی معنی ہے کسی کے مقابلے میں کوشش کرنا۔ قتال یعنی دشمن سے جنگ کرنا۔ جہاد کا مفہوم بہت وسیع ہے اپنی نفسانی خواہشات کے خلاف کوشش بھی جہاد ہے۔ خیر کے غلبے اور شر کو مٹانے کے لیے جو بھی کوشش کی جائے گی وہ جہاد ہے لیکن عام اصطلاحی مفہوم میں جب جہاد کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے مراد حق کے دفاع کے لیے جنگ یا قتال ہوتا ہے۔

جہاد کی اقسام

۱۔ اپنے نفس کے خلاف جہاد

اپنے نفس کے خلاف جہاد سب سے مشکل کام ہے۔ اسی لیے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے جہادِ اکبر قرار دیا ہے۔ یہ نفس انسان کو غرور (دھوکہ) میں مبتلا کرتا ہے۔ انسے اپنی خواہشات کا غلام بنانا چاہتا ہے۔ اسے تکبر میں ڈالنے کی کوشش کرتا ہے اس کو قابو میں رکھنا فی الواقع بڑا مشکل کام ہے۔ بڑے بڑے آدمی بھی اس کے دھوکے میں آجاتے ہیں اور پھر ذلیل و رسوا ہوتے ہیں۔

۲۔ علم و فکر کے میدان میں جہاد

علم و فکر کے میدان میں جہاد بہت عظیم جہاد ہے اس جہاد کے ثمرات سے پوری موجودہ اور آنے والی انسانی نسلیں بہرہ ور ہوتی ہیں۔ یہ جہاد دینی علوم میں ہو یا طبعی علوم (فزیکل سائنسز) میں عمرانی علوم (سوشل سائنسز) میں ہو یا طب (میڈیکل سائنس) میں، انجینئرنگ میں ہو یا ٹیکنالوجی میں اس کے اثرات نہایت گہرے اور دور رس ہوتے ہیں۔ ایک سائنس دان دن رات ایسے اسلحہ کی ایجاد میں لگا رہتا ہے جس سے حق کے علمبردار حق کے دشمنوں کے خلاف (اپنا دفاع کر سکیں یا

Marfat.com

عمر بھر محنت اور تحقیق کر کے ایسی چیزیں ایجاد کرتا ہے جو بنی نوع انسان کی کسی مشکل یا مصیبت کو دور کر کے ان کی زندگی آسان بنا دے یا کسی مہلک بیماری کا علاج دریافت کرنے میں مگن رہتا ہے جس سے مجاہدین اسلام اور عام انسانوں کو فائدہ ہو، یا کائنات کے اسرار اور اس میں کارفرما قوانین کو دریافت کرنے کے لیے اپنی عمر صرف کر دیتا ہے یا تحقیقات کر کے گندم چاول وغیرہ کا ایسا بیج وضع کر لیتا ہے جس سے انسانوں کا خوراک کا مسئلہ حل ہو جائے، یا اکنامکس کے کسی مسئلے کا حل دریافت کر لیتا ہے یا معاشرے میں سرایت کی ہوئی برائیوں کا حل سوچ نکالتا ہے، یا اجتہاد کر کے کسی دینی مسئلے کا حل تلاش کرتا ہے تو ایسی ہر کاوش ایک عظیم جہاد ہے۔

افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ پچھلی کئی صدیاں سے مسلمان اس جہاد سے غافل ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے تو دوسری قوموں کے محکوم بن گئے اور اب اگر سیاسی طور پر آزاد ہوئے ہیں تو دفاع، سائنس ٹیکنالوجی، مصنوعات اور علم و فکر میں ترقی یافتہ غیر مسلم اقوام کے دست نگر ہیں۔ ان کی شرائط پر ان سے اسلحہ خرید کر اپنے دفاع کا معمولی سامان کرتے ہیں۔ اپنا خام مال سستے داموں ان کے ہاتھ بیچ کر ان کی مصنوعات مہنگے داموں خریدتے ہیں۔ مسلمانوں کی معیشت ان کے سودی قرضوں کے شکنجے میں جکڑی ہوئی ہے اور یہ نادان تفرقہ و انتشار پیدا کرنے والی دینی موشگافیوں میں اُلجھے ہوئے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ تو زمیں مضبوط اور خوشحال ہیں اور مسلمان کمزور اور بدحال ہیں۔ حالانکہ اسلام نے علم کے حصول کو ہر مرد و زن پر فرض قرار دیا تھا، طلب علم کے راستے کو اللہ کا راستہ قرار دیا اور تاکید کی کہ مہد سے لحد تک علم حاصل کرو خواہ اس کے لیے تمہیں چین جانا پڑے۔ قرآن حکیم نے بار بار غور و فکر کرنے کی دعوت دی ہے۔ جن قوموں کے مذہب ان کے غور و فکر کرنے اور علم کی جستجو پر قدغنیں لگاتے تھے وہ ان سے بغاوت کر کے علم و فکر میں بے انتہا ترقی کر گئے جبکہ اسلام اپنے پیروکاروں کو غور و فکر کرنے اور علم حاصل کرنے کی تلقین کرتا ہے اور یہ اس جہاد سے دستکش ہو گئے۔

۳۔ جہاد بالقول

اس سے مراد ہے کلمۂ حق کہنا اور باطل اور جھوٹ کی نفی کرنا۔ اس میں اسلام کی حقانیت کو دلائل کے ساتھ ثابت اور واضح کرنا، نیکی کی ترغیب دلانے اور بُرائی سے نفرت پیدا کرنے کی غرض سے وعظ کرنا، جابر سلطان کے سامنے کلمۂ حق کہنا، ظالم کے خلاف مظلوم کی قولاً حمایت کرنا، سچی گواہی دینا اور حق کو چھپانے کے بجائے اس کو ظاہر کرنا، یہ سب باتیں، جہاد بالقول میں شامل ہیں لیکن امت میں انتشار اور تفرقہ پیدا کرنے کے لیے عوام کے سامنے علمی باریکیاں اور موشگافیاں بیان کرنا جہاد فی سبیل اللہ نہیں بلکہ فساد فی سبیل اللہ ہے۔

Marfat.com

۴۔ جہاد بالمال

اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا بھی جہاد ہے۔ اللہ کی راہ میں قتال کرنے والوں کو اسلحہ اور دیگر اشیاء کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان کی ضروریات کی فراہمی کے لیے مال چاہیے۔ آج کل تو ملکی دفاع کے لیے کل وقتی فوج کی ضرورت ہے جس کے اخراجات کثیر ہوتے ہیں اس لیے آج کل پوری قوم جہاد بالمال میں شریک ہوتی ہے۔ انہیں کے دیئے ہوئے ٹیکسوں سے اتنی بڑی فوج رکھی جاسکتی ہے۔ اسلحہ کی فیکٹری لگانے، نئے اسلحہ کی ایجاد کے لیے سائنس و ٹیکنالوجی کی تحقیقات کا مرکز قائم کرنے وغیرہ پر پیسہ خرچ کرنا بھی جہاد بالمال ہے۔ آپ کے پاس جتنا اعلیٰ درجے کا اسلحہ ہوگا آپ کا دفاع اتنا ہی مضبوط ہوگا اور کسی ملک کو آپ پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوگی۔ اسلام حکم دیتا ہے کہ آپ اپنے دفاع کی بھرپور تیاریاں رکھیں اور ہر ضروری ساز و سامان مہیا رکھیں۔ تیاری سے غفلت کرنا جہاد سے منہ موڑنے کے مترادف ہے، لیکن ظاہر ہے کہ یہ تیاری دوسروں کی شرائط پر اور گراں قیمت پر اسلحہ خریدنے سے نہیں ہوسکتی۔ سودی قرضے کر اسلحہ خریدنے سے دفاع مضبوط نہیں ہوسکتا۔ ضرورت ہے کہ مسلم ممالک اسلحہ کی پیداوار میں خود کفیل ہوں اور اسلحہ کے سوداگروں کے ظالم شکنجوں سے رہائی پائیں۔ اس کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کو حاصل کریں۔ اس میں محنت اور تحقیقات کریں۔ اس کے بغیر وہ اپنے دین اور اپنی آزادی و خود مختاری کا تحفظ کرنے کے کبھی قابل نہ ہوسکیں گے۔

۵۔ اسلحہ سے جہاد (قتال)

عام طور پر جہاد سے مراد اس کی یہی قسم ہوتی ہے۔ درحقیقت پہلی چار اقسام اس جہاد (قتال) کی تمہید اور اس کی تیاری کے ذیل میں آتی ہیں۔

۶۔ جنگ اور جہاد میں فرق

(۱) جنگ ایک عام لفظ ہے، کسی بھی مقصد کے لیے اور کسی بھی طریقے سے لڑائی یا قتال جنگ ہے جبکہ جہاد صرف حق کے دفاع کے لیے ہوتا ہے، مثلاً ملک گیری کی غرض سے لڑنا جنگ ہے جہاد نہیں۔ عام جنگ میں آبادیوں کو جلایا اور اجاڑا جاسکتا ہے۔ لاشوں کا مثلہ کیا جاسکتا ہے لیکن جہاد میں یہ چیزیں ممنوع قرار دی گئی ہیں۔ اہل ایمان اور کفار کی جنگ کے فرق کے لیے ملاحظہ ہو ارشاد باری تعالیٰ:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ (النساء، ۴: ۷۶)

ترجمہ: "جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور جنہوں نے کفر کیا وہ طاغوت (یعنی شیطان) کی راہ میں لڑتے ہیں۔"

Marfat.com

جہاد کن حالات میں فرض ہے

اسلام صلح کا دین ہے جنگ کا نہیں لیکن اپنی عزت اور آزادی کی قیمت پر امن کی خواہش کرنے کی اجازت بھی نہیں دیتا۔ اسلام بلا وجہ جنگ کرنے کا روادار نہیں لیکن مخصوص حالات میں جہاد سے منہ موڑنے کو بھی برداشت نہیں کرتا۔ مندرجہ ذیل حالات میں مسلمانوں کو جہاد کرنے کا حکم ہے:

۱۔ اگر دشمن اسلامی ملک پر حملہ کر دے تو اپنا دفاع کرنے کے لیے مسلمانوں پر فرض ہے کہ جہاد کریں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱) وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ

(البقرہ، ۱۹۰)

ترجمہ: اور اللہ کی راہ میں ان سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی نہ کرو۔

(۲) كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ (البقرہ، ۲ : ۲۱۶)

ترجمہ: "تم پر جہاد فرض کیا گیا ہے۔"

۲۔ اگر کفار و مشرکین مسلمانوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بنائیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ؕ (النساء، ۴ : ۷۵)

ترجمہ: "اور تمہارے پاس کیا عذر ہے کہ تم جہاد نہ کرو اللہ کی راہ میں اور ان کمزور مردوں اور عورتوں اور بچوں کی خاطر جو دعا کر رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور ہمارے لیے اپنی جناب سے کوئی دوست بنا دے اور ہمارے لیے اپنی جناب سے کوئی مددگار بنا دے۔"

۳۔ اگر دشمن لوگوں پر مذہبی جبر کرے۔ انہیں اپنے مذہب کی تعلیمات پر عمل کرنے سے روکے۔ خواہ اس کا یہ جبر اسلامی ملک کے غیر مسلم باشندوں پر ہی ہو۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ (الانفال، ۸ : ۷۲)

Marfat.com

ترجمہ: "اور اگر وہ تم سے دین کے کام میں مدد چاہیں تو مدد کرنا تم پر فرض ہے" (اس حکم کی تفصیل کے لیے دیکھیے سورۃ الانفال، ۸ : ۲، تا ۷۵)۔

۴۔ اگر دشمن بدعہدی یا غداری کا مرتکب ہے:
ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: جن سے (کئی بار) تمہارا عہد ہوا اور وہ ہر بار اپنا عہد توڑ دیتے ہیں اور وہ ڈرتے نہیں ہیں (عہد شکنی سے) سو اگر آپ لڑائی میں ان پر قابو پالیں تو ان کے ذریعے سے ان کے پیچھے والوں کو منتشر کر دیجیے تاکہ انہیں نصیحت ہو" (الانفال، ۸ : ۵۷)۔

۵۔ اگر دشمن فتنہ برپا کرے اور فساد پھیلائے:
ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۭ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۝ (البقرہ، ۱۹۳)

ترجمہ: "اور ان سے لڑو حتیٰ کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ ہی کا ہو جائے۔ پس اگر وہ باز آجائیں تو کوئی سختی نہ ہونی چاہیے سوائے ظالموں پر"۔

جنگی اصلاحات

۱۔ صرف حق کا دفاع کرنے کے لیے جنگ کی اجازت ہے۔ دنیوی مفاد و مقصد کے لیے انسانوں کا خون بہانے کی اجازت نہیں۔
۲۔ دشمن کے صرف ایسے لوگوں کو قتل کرنے کی اجازت ہے جو لڑنے کے قابل ہوں، بوڑھے، بچے اور عورتوں کو قتل کرنے کی اجازت نہیں۔
۳۔ مکانوں کو جلانا، پھل دار درختوں اور فصلوں کو اجاڑنا ممنوع ہے۔
۴۔ لوٹ مار کرنا اور دہشت گردی کرنا ممنوع ہے۔
۵۔ دشمن کی لاشوں کا مثلہ کرنا (اعضاء کاٹنا) ممنوع ہے۔

جہاد کی اہمیت و ضرورت

۱۔ فتنہ و فساد کا انسداد

(۱) انسان کا انسان کے خلاف لڑنا اور ایک دوسرے کا خون بہانا اچھی بات نہیں لیکن تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ انسان ہمیشہ باہم برسرِ پیکار رہے ہیں۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے۔ یہ بات بھی یقینی ہے کہ لڑنے والے دو فریقوں میں سے ایک حق پر ہوگا اور ایک باطل پر۔ اگر اہلِ حق اپنا دفاع نہ کریں

Marfat.com

تو وہ مغلوب ہو جائیں گے۔ دنیا میں فساد پھیل جائے گا۔ بدی کا غلبہ ہو جائے گا۔ اس حقیقت کو قرآن مجید میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ (البقرہ ۲:۲۵۱)

ترجمہ: اور اگر اللہ بعض لوگوں کو بعض لوگوں کے ذریعے نہ ہٹاتا تو زمین میں فساد برپا ہو جاتا چنانچہ فتنہ و فساد کے انسداد اور قیامِ امن کے لیے جہاد ضروری ہے۔

۲- مدافعت

ہر شخص کو جان، مال، عزت اور آزادی کا حق حاصل ہے، اگر ان پر حملہ ہو اور حملہ آور کو روک کر اپنا دفاع نہ کیا جائے تو دفاع نہ کرنے والے اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے اور اگر زندہ بچ رہے تو عزت اور آزادی سے محروم ہو جائیں گے اس لیے ایسی صورتوں میں جہاد لازم ہے۔

۳- مظلوم کی حمایت

اگر مسلمانوں کے اڑوس پڑوس میں کفار و مشرکین کفر و شرک کے غلبے کے لیے جد و جہد کریں، ان کی حکومتیں عوام بالخصوص مسلم اقلیتوں پر زندگی اجیرن کر دیں تو ایسی صورت میں اگر مسلمان ان کی مدد کرنے کے لیے جہاد نہ کریں تو ظالم قوت پکڑتے جائیں گے اور آخر کار ان کے ہاتھ ان کی گردنوں تک بھی پہنچ جائیں گے۔ ویسے بھی اپنے پڑوس میں بنی نوع انسان اور بالخصوص اپنے دینی بھائیوں پر مظالم ہوتے دیکھ کر خاموش بیٹھے رہنا انتہائی بے حسی اور بے غیرتی ہے۔

۴- جہاد فرض کفایہ ہے

ضرورت پڑنے پر جہاد کرنا اہل اسلام پر فرض کفایہ ہے یعنی سب پر فرض ہے، اگر ضروری تعداد میں مسلمان باہر نکل کر جہاد کرتے ہیں تو سب کی طرف سے یہ فرض ادا ہو جائے گا لیکن اگر وہ جہاد سے منہ موڑتے ہیں یا تھوڑی اور ناکافی تعداد میں جہاد کے لیے نکلتے ہیں اور باقی سب گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں تو جہاد میں شریک نہ ہونے والے سب لوگ سخت گنہگار ہوں گے۔ (دیکھیے سورۃ النساء، ۴: ۹۵) لیکن اگر نفیر عام ہو تو پھر سب پر فرض ہے کہ جہاد کے لیے نکل کھڑے ہوں، خواہ کوئی پیادہ ہو یا سوار، امیر ہو یا غریب، بوڑھا ہو یا جوان۔ کوئی شخص بیٹھا نہ رہ جائے اور کوئی عذر نہ پیش کرے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (التوبۃ، ۹:۴۱)

ترجمہ: "نکلو ہلکے اور بوجھل اور جہاد کرو اپنے اموال اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں، یہ بہتر ہے تمہارے حق میں، اگر تم جانو۔"

Marfat.com

جہاد کی فضیلت

قرآن و حدیث میں جہاد کی بہت فضیلت بیان کی گئی ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی جہاد میں گزری۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں جہاد کے چند فضائل ذیل میں بیان کیے جاتے ہیں۔

۱۔ سب سے افضل عبادت

جہاد سب سے افضل عبادت ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد میں ایک دن رات کا پہرہ دینا ایک ماہ کے روزوں اور شب بیداری سے بہتر ہے۔

۲۔ سب سے اعلیٰ نعمت

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک دن محاذِ جنگ پر گزارنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

۳۔ بھلائیوں اور کامیابی کا ذریعہ

جہاد فی سبیل اللہ دنیا و آخرت کی بھلائیوں اور کامیابی کا ذریعہ ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۡ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

ترجمہ: لیکن رسولؐ اور آپؐ کے ساتھ ایمان لانے والوں نے اپنے اموال اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کیا۔ انہیں کے لیے ہیں بھلائیاں اور وہی ہیں کامیاب۔ (التوبہ ۹ : ۸۸)

۵۔ جنت کے حصول کا ذریعہ

مذکورہ بالا آیت سے اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ

ترجمہ: "اللہ نے ان (جہاد کرنے والے) لوگوں کے لیے جنتیں تیار کر رکھی ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔" ارشادِ نبوی ہے:

اَلْجَنَّةُ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوْفِ (یعنی جنت تلواروں کے سائے تلے ہے)۔

۶۔ اللہ کی محبت کا حصول

جہاد فی سبیل اللہ کرنے سے اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہوتی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝

Marfat.com

ترجمہ: بے شک اللہ تو ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں صف باندھ کر لڑتے ہیں۔ گویا وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔ (الصف، ۶۱ :۴)

اہم سوالات

۱۔ اسلام کے تصورِ توحید پر ایک جامع مضمون سپردِ قلم کیجیے۔ (۹۱ء گروپ II ، ۸۹ء I، ۸۷ء I، ۸۶ء سپلیمنٹری II)

۲۔ اسلام کے تصورِ رسالت پر ایک جامع مضمون تحریر کیجیے۔ (۹۱ء۔ گروپ I)

۳۔ اسلام کے تصورِ آخرت پر ایک جامع مضمون لکھیے۔

۴۔ اسلام کے نظامِ زکوٰۃ پر ایک جامع مضمون سپردِ قلم کیجیے۔ (۸۸ء، گروپ II)

۵۔ اسلام کے تصورِ جہاد پر مدلل مضمون لکھیے (۹۲ء گروپ II ، ۹۰ء II)

۶۔ مندرجہ ذیل پر نوٹ لکھیے۔

۱۔ نماز ۲۔ روزہ ۳۔ حج ۴۔ عقیدۂ آخرت ۵۔ عقیدۂ رسالت

رسولؐ پر ایمان لانے سے مراد یہی ہے کہ آپؐ کو اللہ برحق رسول یقین کیا جائے اور آپؐ کے حکم کو مانا جائے۔

Marfat.com

باب سوم

اُسوۂ حسنہ

سیرتِ طیبہ کا مطالعہ

ا۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی مکّی زندگی
(ولادت تا ہجرت۔ طریقۂ تبلیغ)

ب۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی مدنی زندگی
(مواخات۔ میثاقِ مدینہ۔ فتح مکہ۔ حجۃ الوداع)

ج۔ اُسوۂ حسنہ
(حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام بحیثیت تاجر، معلّم، مبلّغ و داعی، سربراہِ خاندان، سپہ سالار۔)

Marfat.com

مکّی زندگی

نسب اطہر

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ کی نسل میں فہر نام کا ایک مشہور سردار ہوا۔ فہر کا لقب قریش تھا۔ اس کی اولاد قریش کہلائی۔ فہر کی ساتویں پشت میں قصیّ کو بہت ناموری ملی۔ اس نے کعبہ کی پاسبانی لڑکر دوبارہ قریش کو دلوائی اور قبیلے کو منظم کیا۔ قصیّ کے ایک بیٹے کا نام عبد مناف تھا۔ عبد مناف کے بیٹے ہاشم تھے جن کا اصل نام عمرو تھا۔ ہاشم کے بیٹے عبد المطلب تھے جن کا اصل نام شیبہ تھا۔ انہی کے زمانہ میں ابرہہ نے ہاتھی (فیل) کے ساتھ مکہ پر چڑھائی کی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے حملے کو ناکام کر دیا۔ حضرت عبد المطلب کے بارہ بیٹے تھے جن میں سے ایک حضرت عبد اللہ تھے۔ حضرت عبد اللہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد ماجد تھے۔

حضرت عبد اللہؓ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ قریش میں کوئی شاخ اور قبیلہ ایسا نہیں جس کے ساتھ حضورؐ کی قرابت نہ ہو۔ اہل عرب میں آپؐ کو نسبی لحاظ سے مرکزیت حاصل تھی اور ہر قبیلہ کسی نہ کسی طرح آپؐ سے رشتہ داری کا تعلق رکھتا تھا۔

ولادت باسعادت

حضرت عبد المطلب نے اپنے نہایت خوبصورت اور غیر معمولی طور پر روشن پیشانی والے فرزند ارجمند حضرت عبد اللہ کا نکاح بنو زہرہ کے ایک معزز سردار وہب بن عبد مناف کی بیٹی حضرت آمنہ سے کر دیا۔ حضرت آمنہ کے بطن مبارک میں نور نبوت کے منتقل ہونے کے بعد حضرت عبد اللہ نے سفر کے دوران میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ ان کی رحلت کے چند ماہ بعد حضور علیہ السلام کی ولادت باسعادت ہوئی۔ جدید تحقیقات کی رُو سے آپؐ کی تاریخ ولادت ۹ ربیع الاوّل بمطابق ۲۱ اپریل ۵۷۱ء ہے۔

رضاعت

آپ کی رضاعت (دودھ پلائی) چند روز آپؐ کی والدہ ماجدہ اور پھر آپؐ کے چچا ابولہب کی لونڈی ثُوَیبہ نے کی۔ اس کے بعد آپؐ کو عرب کے دستور کے مطابق صحرا نشین قبیلے بنو سعد کی ایک خاتون حضرت حلیمہ سعدیہ کے سپرد کر دیا گیا۔ چار برس کی عمر تک آپؐ نے انہی کے پاس پرورش پائی۔

والدہ ماجدہ کی وفات

آپؐ کی عمر مبارک چھ برس تھی جب حضرت آمنہ آپؐ کو ساتھ لے کر مدینہ تشریف لے گئیں۔ مدینہ میں ایک مہینہ قیام فرمانے کے

Marfat.com

بعد واپسی پر راستے میں حضرت آمنہ بیمار پڑ گئیں اور اَبوا نام کی ایک پہاڑی کے قریب وفات پائی۔ آپ کی آیا حضرت اُمِ ایمنؓ آپ کو مکہ لے آئیں۔ اب آپ کی نگہداشت آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب کرنے لگے۔

حضرت عبدالمطلب کی وفات

آپ کے ذاتی اوصاف و کمالات کی وجہ سے حضرت عبدالمطلب آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ آپ کو خانہ کعبہ کی مجلسوں میں اپنے ساتھ بٹھاتے۔ لوگوں کے سامنے آپ کے عظیم الشان مستقبل کی پیش گوئیاں کرتے، لیکن دو ہی سال گزرے تھے کہ وہ بھی رحلت فرما گئے۔ اور آپ کی نگہداشت کی ذمہ داری آپ کے چچا حضرت ابوطالب کو سونپ گئے۔

حضرت ابوطالب بھی آپ سے بے حد محبت کرتے تھے۔ آپ کا اپنی اولاد سے بھی بڑھ کر خیال کرتے تھے۔ شام وغیرہ کی طرف تجارتی سفروں میں بھی آپ کو اپنے ہمراہ لے جاتے۔ حضرت ابو طالب ہی کی کفالت میں آپ اپنے شباب کو پہنچے۔

حربِ فجار

عرب چار مہینوں (ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب) کا احترام کرتے تھے۔ ان چار مہینوں میں لڑائی کو حرام جانتے تھے اور ان مہینوں میں ہونے والی لڑائی کو حربِ فجار قرار دیتے تھے۔ آپ کی عمر مبارک بیس برس تھی کہ ایسی ہی ایک جنگ قریش اور قیس قبیلوں کے درمیان لڑی گئی۔ قریش حق پر تھے۔ اس جنگ میں آپ نے اس قدر شرکت کی کہ اپنے چچاؤں کو تیر پکڑاتے تھے۔

حلف الفضول

مذکورہ حربِ فجار کے بعد قریش نے ایک سابقہ عہد نامے کی تجدید کی کہ آئندہ ہم ہر مظلوم کی حمایت کریں گے خواہ وہ اہلِ مکہ سے ہو یا مکہ سے باہر کا ہو۔ اس عہد نامے کو جس کی تجدید کی گئی حلف الفضول کہتے ہیں۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ تھی کہ اس عہد نامے کے شرکاء کے ناموں میں فضل کا مادہ مشترک تھا۔ اس لیے حلف الفضول کا معنی ہوگا : فضل نام والوں کا عہد نامہ۔ اس کی تجدید کے موقع پر آپ بھی موجود تھے۔ یہ عہد نامہ چونکہ ظالم کے خلاف مظلوم کی حمایت کے لیے تھا اس لیے آپ کو بہت پسند تھا۔ بعثت کے بعد بھی آپ فرمایا کرتے تھے کہ اس عہد کے بدلے میں اگر مجھے سُرخ اونٹ بھی دیے جائیں تو نہ لوں اور اگر آج بھی کوئی شخص اس کا واسطہ دے کر مدد طلب کرے تو میں اس کی مدد کروں گا۔

صادق اور امین کے القاب

آپ کی صدق گوئی اور امانت داری کی وجہ سے لوگ آپ کو صادق اور امین کے القاب سے پکارتے تھے۔

Marfat.com

حضرت خدیجہؓ سے نکاح

حضرت خدیجہؓ بنت خویلد مکہ کی ایک نہایت قابلِ احترام اور مالدار خاتون تھیں۔ لوگ انہیں طاہرہ (پاکیزہ) کے لقب سے پکارتے تھے۔ ان کا تجارتی کاروبار عرب کے باہر کے ملکوں تک پھیلا ہوا تھا۔ ان کی دولت مندی اور کاروبار کی وسعت کا یہ عالم تھا کہ مکہ والوں کا تجارتی قافلہ مکہ سے روانہ ہوتا تو اکیلا حضرت خدیجہؓ کا تجارتی سامان تمام قریش کے سامان کے برابر ہوتا تھا۔ وہ معاوضے پر آدمی رکھ کر ان کے ذریعے اپنا کاروبار چلاتی تھیں۔ ان کی دو بار شادی ہو چکی تھی۔ اب بیوہ تھیں۔ آپؐ کی امانت داری اور حسنِ اخلاق کا شہرہ سنا تو آپؐ کو دوسروں کے مقابلے میں دوگنا معاوضے پر اپنا تجارتی مال بیرونِ ملک لے جانے کی پیشکش کی جسے آپؐ نے قبول کر لیا۔

آپؐ شام کی طرف تجارتی مال لے کر گئے۔ حضرت خدیجہؓ کا غلام میسرہ بھی آپؐ کے ہمراہ تھا۔ واپسی پر میسرہ نے حضرت خدیجہؓ کو آپؐ کی امانت داری اور اعلیٰ اخلاق کی بابت بتایا۔ اس کے چند ماہ بعد حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کو اپنے ساتھ نکاح کی پیشکش کی۔ جسے آپؐ نے قبول فرما لیا۔ نکاح کے وقت آپؐ کی عمر ۲۵ سال اور حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس[1] سال تھی۔ حضرت خدیجہؓ سے شادی کے بعد بھی عرب سے باہر مختلف علاقوں شام، بصریٰ، تہامہ، یمن، بحرین وغیرہ کی طرف آپؐ نے تجارتی سفر کیے۔ حضورؐ کی تمام اولاد، سوائے حضرت ابراہیم کے حضرت خدیجہؓ کے بطن سے پیدا ہوئی۔

کعبہ کی تعمیرِ نو

سیلاب کے پانی سے کعبہ کی عمارت بہت خستہ ہو گئی تھی۔ قریش نے اس کی تعمیرِ نو کی۔ اس وقت آپؐ کا سنِ مبارک ۳۵ یا ۲۹ برس تھا۔ آپؐ نے بھی تعمیرِ نو کے کام میں حصہ لیا۔ کعبہ کی دیوار میں حجرِ اسود کو نصب کرنے کا وقت آیا تو جھگڑا ہو گیا، کیونکہ قریش کی ہر شاخ کے سردار کی خواہش تھی کہ یہ شرف اسے حاصل ہو۔ آخر کار یہ طے ہوا کہ اب جو شخص سب سے پہلے حرم میں قدم رکھے اسے ثالث بنا لیا جائے۔ اتنے میں آپؐ تشریف لائے۔ سب بول اٹھے "امین آگئے۔ ہمیں منظور ہیں۔" آپؐ نے ایک چادر زمین پر بچھائی۔ اس میں حجرِ اسود کو رکھا اور آپؐ کے فرمانے پر سب سرداروں نے چادر کو کناروں سے تھام کر اٹھایا۔ آپؐ نے حجرِ اسود کو چادر میں سے اٹھا کر نصب فرما دیا۔ اس طرح جھگڑا رفع ہو گیا۔

بعثت

غارِ حرا میں عبادت

آپؐ کو شروع سے ہی مشرکانہ رسوم سے نفرت تھی اور اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے۔ غور و فکر کرنا آپؐ کی طبیعت کا خاصہ تھا۔ نبوت

[1] مشہور یہی ہے۔ اگرچہ حضرت خدیجہؓ کی عمر ۲۸ سال کی روایت بھی ملتی ہے اور دورِ حاضر کے محققین ۲۸ سال والی روایت کو زیادہ قرینِ صواب سمجھتے ہیں۔

Marfat.com

سے تھوڑا عرصہ پہلے غور و فکر کی طرف رجحان بڑھ گیا تو آپؐ مکہ سے تین میل کے فاصلے پر حرا نام کی ایک پہاڑی میں واقع ایک غار میں کئی کئی دن عبادت اور غور و فکر میں مصروف رہتے۔

نزولِ وحی آپؐ اپنی عمر مبارک کے اکتالیسویں برس میں تھے۔ آپؐ غارِ حرا میں حسبِ معمول مصروفِ عبادت تھے کہ جبرائیل امینؑ نمودار ہوئے اور آپؐ سے کہا اِقْرَأْ (پڑھیے) آپؐ نے فرمایا: مجھے پڑھنا نہیں آتا۔ دو بار جبریلؑ نے یہی کہا اور آپؐ نے یہی جواب دیا۔ جبریلؑ نے آپؐ کو سینے سے لگا کر بھینچا اور آپ کو اللہ کا یہ پیغام سنایا۔

(ترجمہ) "پڑھیے اللہ کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ اس نے انسان کو خون بستہ سے پیدا کیا۔ پڑھیے اور آپ کا رب بڑا کرم کرنے والا ہے جس نے قلم سے تعلیم دی۔ انسان کو سکھا دیا وہ جو نہ جانتا تھا۔ (سورہ علق کی پہلی پانچ آیات)

آپؐ سخت اضطراب کی حالت میں گھر تشریف لائے اور فرمایا: مجھے کپڑا اڑھاؤ، مجھے کپڑا اڑھاؤ۔ کچھ دیر کے بعد طبیعت پرسکون ہوئی تو آپؐ نے حضرت خدیجہؓ کو سارا واقعہ سنایا۔ حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کو تسلی دی کہ آپؐ کے اخلاق نہایت اعلیٰ ہیں۔ اس لیے اللہ ضرور آپؐ کا ساتھ دے گا۔ حضرت خدیجہؓ آپؐ کو اپنے چچا زاد ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو توریت و انجیل کا عالم تھا۔ اس نے واقعہ سن کر آپؐ کی نبوت کی تصدیق کی اور تسلی دی۔[1]

اس کے بعد تقریباً چھ ماہ تک وحی نازل نہ ہوئی۔ اس وقفہ کو فَتْرَةُ الْوَحِی کہتے ہیں۔ دوسری وحی میں سورہ مُدَّثِّر کی آیات نازل ہوئیں جن میں آپؐ کو تبلیغ کا حکم دیا گیا۔

دعوتِ اسلام

خُفیہ تبلیغ اور اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْن دوسری وحی کے بعد آپؐ نے خفیہ طریقے سے تبلیغ شروع کر دی، یعنی صرف ان لوگوں تک پیغام پہنچایا جو خاص اعتماد کے آدمی تھے اور آپؐ کو قریب سے جانتے تھے۔ وہ فوراً ایمان لے آئے۔ حضرت خدیجہؓ، حضرت علیؓ، آپؐ کے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہؓ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت یاسرؓ اور ان کا سارا خاندان

---

[1] جدید محققین نبوت سے قبل بحیرا راہب سے حضورؐ کی ملاقات اور نزولِ وحی کے بعد ورقہ بن نوفل کی تصدیقِ نبوت والے واقعے سے متعلق روایات کو محلِ نظر سمجھتے ہیں، کیونکہ ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عیسائی علماء کے تصدیق کرنے سے ہی آپؐ کو اپنے نبی ہونے کا یقین ہوا۔

Marfat.com

سب سے پہلے اسلام لائے۔

علانیہ تبلیغ

تین سال تک آپ خفیہ تبلیغ فرماتے رہے۔ اس کے بعد آپؐ کو علانیہ تبلیغ کرنے اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو دعوت دینے کا حکم ہوا۔ آپ کوہِ صفا پر تشریف لے گئے اور اہلِ مکہ کو ندا دی۔ لوگ اکٹھے ہو گئے تو آپؐ نے فرمایا: اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑی کی اوٹ سے شہسواروں کا ایک دستہ نکلا چاہتا ہے تو کیا تم یقین کرو گے۔ لوگوں نے کہا ہم نے آپ کی زبان سے کبھی جھوٹ نہیں سُنا۔ آپؐ نے فرمایا، تو میں تمہیں اللہ کے عذاب سے ڈراتا ہوں۔ آپؐ کے چچا ابولہب نے ناراض ہو کر کہا، تُو (نعوذ باللہ) ہلاک ہو، کیا تو نے ہم سب کو اسی لیے بلایا تھا۔

اس کے بعد آپؐ نے گھر پر خاندان والوں کو کھانے پر مدعو کیا۔ کھانے کے بعد آپؐ وعظ فرمانے لگے تو ابولہب نے رکاوٹ ڈال دی۔ دو دفعہ ایسا ہی ہوا۔ تیسری بار دعوت کی تو لوگ آپؐ کی باتیں سننے کے لیے بیٹھ گئے۔ آپؐ نے اسلام کی دعوت دی لیکن سوائے حضرت علیؓ کے کسی نے لبیک نہ کہا۔

مشرکین کی طرف سے مخالفت و مزاحمت

اہلِ مکہ کی غالب اکثریت نے دعوتِ اسلام کو قبول نہ کیا الٹا مخالفت و مزاحمت شروع کر دی۔ انہوں نے مٹھی بھر مسلمانوں بالخصوص غلاموں اور غریب طبقے سے تعلق رکھنے والوں کو اپنے مظالم کا تختۂ مشق بنا لیا۔ حضرت بلالؓ بن رباح، حضرت خبابؓ بن ارت، حضرت صہیبؓ رومی، حضرت ابوفکیہہ، چاروں غلام تھے۔ ان پر ایذا رسانی کے نت نئے طریقے آزمائے جاتے تھے۔ یہی حال ان لونڈیوں کا تھا جو اسلام لے آئی تھیں۔ حضرت لُبینہؓ، حضرت زنیرہؓ اور حضرت سمیہؓ کو بھی سخت اذیتوں کا نشانہ بنایا گیا۔ حضرت یاسرؓ اور ان کے خاندان کے تمام افراد پر بھی انسانیت سوز مظالم ڈھائے گئے لیکن یہ مسلمان چٹانوں کی طرح مضبوط دل رکھتے تھے۔ کوئی بھی اذیت ان کے پاؤں کو نہ ڈگمگا سکی۔

ہجرتِ حبشہ (رجب ۵ نبوی)

پہلی ہجرت

مشرکین کے مظالم حد سے بڑھ گئے تو حضورؐ نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی تجویز فرمائی۔ حبشہ سے اہلِ مکہ کی تجارت رہتی تھی اس لیے مسلمان وہاں کے حالات سے واقف تھے۔ نیز حبشہ کا بادشاہ نجاشی (اصحمہ) ایک نیک دل فرمانروا تھا۔ تقریباً پندرہ مسلمانوں کا ایک گروہ جس میں گیارہ مرد اور چار عورتیں تھیں پوشیدہ طور پر حبشہ کو ہجرت کر گیا۔ ان میں حضرت عثمانؓ اور ان کی زوجہ حضرت رقیہ بنت رسولؐ بھی شامل تھیں۔ اسے حبشہ کی

Marfat.com

ہجرتِ اُولیٰ کہتے ہیں۔

دوسری ہجرت

تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ حبشہ میں کسی نے یہ افواہ پھیلا دی کہ اہلِ مکہ نے اسلام قبول کر لیا ہے اس لیے بعض مہاجرین واپس مکہ آ گئے۔ لیکن یہاں تو ایذا رسانیوں میں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا؛ چنانچہ اب تقریباً ۸۰ مرد اور ۱۲ عورتیں چھوٹے چھوٹے گروہوں کی شکل میں حبشہ ہجرت کر گئے۔ اسے حبشہ کی ہجرت ثانیہ کہتے ہیں تاہم حضرت عثمانؓ اور حضرت رقیہ نے دوبارہ ہجرت نہیں کی۔

شاہِ حبشہ کے دربار میں قریشی وفد

قریش نے حبشہ سے مسلمانوں کو واپس مکہ لانے کے لیے عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ مخزومی پر مشتمل ایک وفد مع قیمتی تحائف کے نجاشی کے پاس بھیجا۔ انہوں نے درباری پادریوں کو تحائف دے کر اپنا ہمنوا بنا لیا۔ بادشاہ سے کہا کہ ہم میں سے کچھ نوجوان اپنے آبائی دین سے بغاوت کر کے یہاں پناہ گزین ہو گئے ہیں۔ آپ انہیں ہمارے ساتھ واپس کر دیں۔ نجاشی نے مسلمانوں کو بلوا کر ان سے بات پوچھی۔ حضرت جعفر طیارؓ نے اسلام کی تعلیمات کا خلاصہ بیان کیا۔ نیز بتایا کہ اسلام سے قبل وہ کیسی اخلاقی پستی میں گرے ہوئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ یہ مشرکین مکہ ہمیں اسلام کی ان اعلیٰ تعلیمات پر عمل کرنے میں مزاحم ہوتے تھے اس لیے ہم آپ کے وطن میں آ گئے۔ آپ کو دوسروں پر ترجیح دی، اس امید پر کہ آپ کی سلطنت میں ہم پر ظلم نہیں ہوگا۔ نجاشی نے مسلمانوں کو قریشی وفد کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ دوسرے دن عمرو بن العاص نے ایک نئی تدبیر پر عمل کیا۔ اس نے بادشاہ کو کہا کہ ان مسلمانوں کا حضرت عیسیٰؑ کی بابت جو عقیدہ ہے وہ آپ (یعنی عیسائیوں) کے عقیدہ سے بالکل مختلف ہے۔ نجاشی کے استفسار پر حضرت جعفر طیارؓ نے جواب دیا کہ عیسیٰ اللہ کا کلمہ اور روح ہیں۔ وہ پاکدامن مریم کو القا کیے گئے جنہیں کسی بشر نے نہیں چھوا۔ نجاشی نے ایک تنکا اٹھا کر کہا، تم نے حضرت عیسیٰؑ کے متعلق جو کچھ کہا ہے حضرت عیسیٰ اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں۔ نجاشی نے قریشی وفد کے دیے ہوئے تحائف واپس کر دیے اور مکہ سے ہجرت کر کے آنے والے مسلمانوں کو اپنے ملک میں امن و امان سے رہنے کی اجازت دے دی۔

مدینہ کی طرف ہجرت نبوی کے فوراً بعد اکثر مہاجرین حبشہ سے مدینہ آ گئے۔ باقی مہاجرین غزوۂ خیبر کے موقع پر مدینہ پہنچے۔

حضرت حمزہؓ کا قبولِ اسلام

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا اور آپؐ کے رضاعی بھائی حضرت حمزہؓ کو آپؐ سے

Marfat.com

بے حد محبت تھی۔ ایک دن حضرت حمزہؓ کی کنیز نے انہیں بتایا کہ ابوجہل نے حضورؐ کے ساتھ بدزبانی اور بدسلوکی کی ہے۔ حضرت حمزہؓ ابوجہل کی تلاش میں نکلے۔ وہ حرم میں بیٹھا مل گیا۔ حضرت حمزہؓ نے اس کے سر پر زور سے کمان ماری اور کہا کہ تم محمدؐ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو گالیاں دیتے ہو۔ میں بھی آپؐ کے دین پر ہوں۔ حضرت حمزہؓ نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ رات بھر سوچتے رہے۔ اگلی صبح آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔

حضرت عمرؓ کا قبولِ اسلام

قبولِ اسلام سے پہلے حضرت عمرؓ اسلام کے شدید مخالف تھے۔ ۶ نبوی میں ایک دن حضورؐ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ دو عمر (عمرؓ بن خطاب اور ابوجہل) میں سے کسی ایک کو قبولِ اسلام کی توفیق دے دے۔ باری تعالیٰ نے حضورؐ کی دعا قبول فرمائی اور حضرت عمرؓ بن خطاب نے اسلام قبول کر لیا۔ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا واقعہ یوں ہے کہ ایک دن وہ حضورؐ کو قتل کرنے (نعوذ باللہ) کے ارادے سے نکلے۔ راستے میں پتہ چلا کہ ان کے بہنوئی اور بہن بھی اسلام لا چکے ہیں۔ بہن کے گھر پہنچے۔ بہن اور بہنوئی دونوں کو مار مار کر زخمی کر دیا۔ اس کے بعد دل میں نرمی پیدا ہوئی تو بہن سے کہا مجھے بھی قرآن کے وہ اوراق دکھاؤ جن کی تم میرے آنے سے پہلے تلاوت کر رہی تھیں۔ قرآن پڑھنے سے ایسا اثر ہوا کہ حضرت ارقم کے مکان پر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ حضرت عمرؓ کے قبولِ اسلام سے مسلمانوں کو بہت تقویت ملی۔ پہلی بار حضور اکرمؐ اور صحابہؓ نے بیت اللہ میں علانیہ نماز ادا کی۔ رسولِ کریمؐ نے حضرت عمرؓ کو فاروق کا لقب عطا کیا۔

دھمکیاں اور لالچ

مشرکینِ مکہ نے حضرت ابوطالب کے پاس ایک وفد بھیجا کہ اپنے بھتیجے کو ہمارے بتوں کی مذمت سے باز کرا دو ورنہ ہم میں سے ایک فریق ہلاک ہو جائے گا۔ حضرت ابوطالب نے یہ کھلی دھمکی سن کر حضورؐ سے کہا کہ بھتیجے! مجھ پر اور اپنے آپ پر ترس کر۔ مجھ پر وہ بوجھ نہ ڈال جسے میں اٹھا نہ سکوں۔ آپؐ نے جواب دیا۔ یہ لوگ اگر میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیں تو بھی میں اپنے دین سے نہ ہٹوں گا تا آنکہ اللہ اس دین کو غالب کر دے یا میری جان چلی جائے۔ حضرت ابوطالب

Marfat.com

نے آپ کے اس عزمِ صمیم کو دیکھا تو کہا کہ آپ اپنی تبلیغ جاری رکھیں۔ میں آپ کا ساتھ کبھی نہ چھوڑوں گا۔
یہ دھمکی کارگر ثابت نہ ہوئی تو قریش نے لالچ دینے کا راستہ اختیار کیا۔ اپنے ایک سردار عُتبہ بن ربیعہ کو حضورؐ کی خدمت میں بھیجا۔ اس نے آپؐ سے کہا کہ اگر آپؐ کو دولت چاہیے تو ہم آپؐ کو اتنا مال اکٹھا کر کے دے دیتے ہیں کہ آپؐ سب سے زیادہ دولت مند ہو جائیں گے۔ اگر سرداری چاہیے تو ہم آپؐ کو اپنا سردار بنا لیتے ہیں۔ آپؐ نے جواب میں چند آیاتِ قرآنی کی تلاوت کی۔ عُتبہ ناکام ہو کر چلا گیا۔

شعبِ ابی طالب میں بنو ہاشم کی محصوری

نبوت کے ساتویں برس مشرکین مکہ نے جن میں قریش اور کنانہ دونوں قبیلے شامل تھے بنو ہاشم کے سوشل بائیکاٹ کا فیصلہ کیا۔ طے پایا کہ جب تک بنو ہاشم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہمارے حوالے نہیں کرتے کوئی شخص ان کے ساتھ کسی قسم کا کوئی لین دین نہ کرے اور نہ ہی ان کے ساتھ کوئی رشتہ ناطہ کرے۔ اس فیصلے کو لکھ کر کعبہ کی دیوار پر آویزاں کر دیا گیا۔ بنو ہاشم (جن میں بعض افراد مشرک بھی تھے) حضورؐ کی جان کو خطرہ دیکھ کر پہاڑ کے دامن میں قلعہ نما ایک گھاٹی میں اُٹھ آئے جو بنو ہاشم کی ملکیت تھی اور شعبِ ابی طالب کے نام سے معروف تھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا ابولہب نے اپنے خاندان کے بجائے مشرکین مکہ کا ساتھ دیا۔ مشرکین نے اس گھاٹی میں پناہ لینے والوں کا سخت محاصرہ کیا جس کی وجہ سے محصورین کو مسلسل کئی کئی دن فاقوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اشیائے خوردونوش کے لیے سخت جتن کرنے پڑتے تھے، کیونکہ مشرکین مکہ برابر تعاقب کرتے رہتے تھے۔ بچے بھوک اور پیاس کی وجہ سے بلک بلک کر روتے تھے۔

ان حالات میں بھی حضورؐ نے اپنی تبلیغی سرگرمیاں بدستور جاری رکھیں۔ تین سال اسی طرح محصوری میں گزر گئے۔ ہشام بن عمرو نے سوشل بائیکاٹ کو ختم کرنے کے لیے خفیہ طور پر کوششیں شروع کیں۔ زہیر، مطعم بن عدی، ابوالبختری اور زمعہ بن اسود نے بھی ہشام کا ساتھ دیا۔ آخر کار ان کی کوششیں کامیاب ہوئیں۔ انہوں نے بائیکاٹ کے عہد نامے والے کاغذ کو چاک کر دیا اور بنو ہاشم گھاٹی سے واپس مکہ میں آ گئے۔

عَامُ الْحُزْن (غم کا سال)

نبوت کے دسویں برس نبی اکرمؐ کو دو صدمے برداشت کرنا پڑے، اس لیے اس سال کو

Marfat.com

عَامُ الْحُزْن یعنی غم کا سال کہا جاتا ہے۔ پہلے حضرت ابوطالب وفات پا گئے اور اس کے تین دن کے بعد حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہو گیا۔ ان مشکل حالات میں رسول کریمؐ کو ان دو ہستیوں سے ملنے والی تائید وحمایت بہت اہمیت کی حامل تھی۔ یہ دونوں آپؐ کے مخلص، مونس اور غمگسار تھے۔ ان کی رحلت کے بعد مشرکین کے حوصلے بڑھ گئے اور آپؐ کو اور مسلمانوں کو ایذارسانی میں شدت آگئی۔

طائف کا سفر

مشرکین مکہ کی روزافزوں مخالفت ومزاحمت کی وجہ سے آپؐ نے اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز طائف کو بنانا چاہا۔ طائف مکہ سے تقریباً ساٹھ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ آپؐ حضرت زیدؓ بن حارثہ کو اپنے ہمراہ لے کر طائف تشریف لے گئے۔ آپؐ نے طائف کے سرداروں کو اسلام کی دعوت دی لیکن انہوں نے نہ صرف یہ کہ گستاخانہ جواب دیا بلکہ اوباش قسم کے لڑکوں کو آپؐ کے پیچھے لگا دیا۔ انہوں نے آپؐ پر پتھر پھینکے۔ آپؐ کی مبارک ٹانگوں میں زخم ہو گئے اور جوتے خون سے لت پت ہو گئے۔ حضرت زیدؓ کو بھی چوٹیں آئیں۔ آخر شہر کے چند آدمیوں نے آپؐ کو اس ایذارسانی سے نجات دلائی اور آپؐ کو اپنی حفاظت میں ایک باغ میں چھوڑ آئے۔ وہاں جبریلِ امینؑ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور کہا، آپؐ حکم دیں تو یہ پہاڑ طائف والوں کے اوپر گرا دوں۔ رحمۃ للعالمین نے جواب دیا، نہیں۔ مجھے امید ہے کہ ان کی اولاد میں سے اہلِ ایمان اٹھیں گے۔

معراج شریف

۲۷ رجب المرجب ۱۰ نبوی کی رات کو آپؐ نیند فرما رہے تھے کہ جبریلِ امین براق سواری ہمیت حاضر ہوئے۔ آپؐ براق پر سوار ہو گئے۔ مسجدِ اقصیٰ پہنچے۔ دو رکعت نماز ادا کرنے کے بعد آسمانوں کی جانب سفر شروع ہوا۔ سات آسمانوں کی سیر کی۔ انبیاءؑ سے ملاقاتیں ہوئیں اور پھر سِدرۃُ المنتہیٰ پہنچے۔ یہاں جبریلِ امینؑ رک گئے اور آگے آپؐ تنہا تشریف لے گئے۔ اللہ جلّ شانہٗ کا دیدار ہوا۔ ہم کلام ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ پانچ نمازوں کی فرضیت کا حکم ملا۔ واپسی پر انبیائے کرامؑ بھی مسجدِ اقصیٰ تک آپؐ کے ساتھ آئے۔ یہاں سب نے آپؐ کی امامت

Marfat.com

میں نماز پڑھی۔ اس کے بعد بُراق پر سوار ہوئے اور واپس مکہ تشریف لے آئے۔ اگلی صبح آپؐ نے لوگوں کے سامنے معراج کا واقعہ بیان فرمایا۔ حضرت ابوبکرؓ نے بلا تامل تصدیق کی اور صدیق لقب پایا۔

مدینہ میں اِسلام کی روشنی

مکہ سے تین سو میل شمال میں ایک شہر ہے جس کا نام یثرب تھا۔ بعد میں مدینۃ النبیؐ اور مختصر ہو کر مدینہ ہوا۔ مدینہ کی آبادی دو بڑے گروہوں پر مشتمل تھی۔

۱۔ اوس و خزرج

۲۔ بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ پر مشتمل یہود

نبوت کے دسویں برس ایک شب منیٰ کے قریب ایک بلند پہاڑی راستے (عقبہ) سے آپؐ گزرے تو آپؐ کی ملاقات مدینہ سے آئے ہوئے سات زائرین (حاجیوں) سے ہوئی۔ آپؐ نے انہیں اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور کہا کہ ہم مدینہ جا کر دوسروں کو بھی اسلام لانے کی دعوت دیں گے۔

بیعتِ عقبہ اُولیٰ ان سات مسلمانوں نے مدینہ پہنچ کر دوسروں کو بھی اسلام کی دعوت دی چنانچہ اگلے سال یعنی ۱۱؁ نبوی میں وہ بیت اللہ کے حج کے لیے آئے تو پانچ مزید مسلمان ان کے ساتھ تھے۔ اسی مقام پر آپؐ کی ان بارہ اصحاب کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ انہوں نے حضورؐ کے دستِ مبارک پر بیعت کی اس بیعت کو بیعتِ عقبہ اولیٰ کہتے ہیں۔ بیعت کی شرطیں یہ تھیں۔

(۱) شرک نہیں کریں گے اور صرف اللہ کی عبادت کریں گے۔ (۲) چوری نہیں کریں گے۔ (۳) زنا نہیں کریں گے۔ (۴) اولاد کو قتل نہیں کریں گے۔ (۵) تہمت نہیں لگائیں گے۔ (۶) حضورؐ کی نافرمانی نہیں کریں گے۔

ان اصحابؓ کی فرمائش پر آپؐ نے حضرت مصعبؓ بن عُمیر اور حضرت عبداللہؓ بن اُمّ کلثوم کو ان کے ہمراہ بھیج دیا تاکہ مدینہ میں جا کر وہ ان کو قرآن مجید کی تعلیم اور اسلام کی دعوت دیں۔ حضرت مصعبؓ قرآن کی تلاوت فرماتے تو سننے والوں کے دلوں میں اس کی تاثیر اتر جاتی، چنانچہ اوس کے سردار سعدؓ بن معاذ اور خزرج کے سردار سعدؓ بن عبادہ سمیت بہت سے لوگ اسلام لے آئے۔

بیعتِ عقبہ ثانیہ ۱۲؁ نبوی میں حج کے موقع پر مدینہ سے حضرت مصعبؓ کے ساتھ ۷۳ مرد اور دو عورتیں آئیں۔ انہوں نے عقبہ ہی کے مقام پر

Marfat.com

بیعت کی جسے بیعت عقبہ ثانیہ کہتے ہیں۔ انہوں نے حضورؐ کو مدینہ کی طرف ہجرت کی دعوت بھی دی۔ اس بیعت میں حضورؐ نے ان سے یہ عہد لیا کہ جس طرح وہ اپنی جانوں، عورتوں اور اپنے بچوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ اسی طرح حضورؐ کی حفاظت بھی کریں گے۔ ایک انصاری نے حضورؐ سے عرض کیا۔ اللہ تعالیٰ آپؐ کو کامیاب کر دے تو آپؐ ہمیں چھوڑ کر واپس مکہ تو نہیں آجائیں گے۔ حضورؐ نے فرمایا: میں تمہارا ہوں اور تم میرے ہو۔ تم نے جس سے صلح کی اس سے صلح کروں گا اور تم نے جس سے جنگ کی اس سے جنگ کروں گا۔ اسی لیے بیعت عقبہ ثانیہ کو بیعت الحرب یعنی جنگ کی بیعت بھی کہتے ہیں۔

ہجرتِ مدینہ

بیعتِ عقبۂ ثانیہ کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے صحابہ کرامؓ کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ ایک ایک، دو دو کر کے خفیہ طریقے سے مدینہ کو ہجرت کرنے لگے۔ مشرکینِ مکہ نے رکاوٹیں ڈالنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی لیکن ان کی تمام تر مزاحمت کے باوجود صحابہ کرامؓ مدینہ پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ اور مکہ میں صرف نبی اکرمؐ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت علیؓ اور وہ صحابیؓ رہ گئے جو مشرکین کی قید میں تھے۔ بعد میں نبی کریمؐ، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ نے بھی مدینہ کو ہجرت کر لی۔

اپنا آبائی وطن، گھربار، کاروبار وغیرہ چھوڑنا کوئی معمولی اور آسان بات نہیں۔ اہلِ اسلام نے ہجرت مدینہ خوشی سے نہیں بلکہ مجبور ہو کر کی تھی۔ رسولِ کریمؐ نے ہجرت کے وقت مکہ سے رخصت ہوتے وقت ان الفاظ میں اپنے جذبات کا اظہار فرمایا تھا: "اللہ کی قسم! تو (یعنی مکہ) مجھے اللہ کی ساری زمین سے بڑھ کر پیارا ہے اور اللہ کو اس کی تمام زمین سے بڑھ کر عزیز ہے۔ اگر تیرے باشندے مجھے نکلنے پر مجبور نہ کرتے تو میں نہ جاتا۔" ذیل میں ان حالات واسباب کا مختصر طور پر ذکر کیا جائے گا جو ہجرت مدینہ کا باعث بنے۔

ہجرتِ مدینہ کے اسباب

۱۔ مکہ والوں کا کفر و شرک پر بضد ہونا

مکہ کے لوگوں کا رویہ بتا رہا تھا کہ اب یہ لوگ اسلام قبول نہ کریں گے۔ حضورؐ مکہ میں ۱۳ سال سے دعوتِ اسلام دے رہے تھے لیکن چند لوگوں کے سوا کسی نے لبیک نہ کہا۔ اہلِ مکہ کفر و شرک پر بضد ہو گئے تھے اور آپؐ کی تمام مبلغانہ کوششیں بے اثر ثابت ہو رہی تھیں۔

Marfat.com

۲۔ مکہ میں دعوتِ اسلام پر پابندی یہی نہیں کہ اہل مکہ نے اسلام قبول نہ کیا بلکہ ان کی اسلام اور اہلِ اسلام کی مخالفت میں اضافہ ہو رہا تھا اور اب حضورؐ کے لیے مکہ میں رہ کر تبلیغی سرگرمیوں کو جاری رکھنا ممکن نہ رہا تھا اس لیے مکہ میں مزید قیام محض وقت کا ضیاع ثابت ہوتا۔

۳۔ ایذا رسانی حد سے بڑھ گئی مشرکین مکہ شروع سے ہی اسلام کے خلاف معاندانہ رویہ اپنائے ہوئے تھے لیکن ان کی ایذا رسانیوں میں مسلسل اضافہ ہوتا گیا اور اب تو وہ حد سے بڑھ گئی تھیں۔ پہلے ہجرت حبشہ اور پھر مدینہ میں اسلام کی اشاعت اور مدینہ کو مسلمانوں کی ہجرت نے تو ان کی آتشِ غضب کو بھڑکا کے رکھ دیا تھا۔

۴۔ اہلِ طائف کا مایوس کن رویہ آپؐ نے اہلِ مکہ سے مایوس ہو کر طائف میں منتقل ہونے کا ارادہ فرمالیا تھا۔ چنانچہ آپؐ طائف تشریف لے گئے تھے۔ وہاں کے سرداروں کو اسلام کی دعوت دی لیکن ان کا رویہ انتہائی مایوس کن تھا۔

۵۔ اشاعتِ اسلام کے لیے ایک نئے مرکز کی ضرورت مکہ میں اب تبلیغی سرگرمیوں کو جاری رکھنا ممکن نہ رہا تھا اس لیے ضروری تھا کہ اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لیے ایک نیا مرکز تلاش کیا جائے طائف والوں نے سخت مایوس کیا۔ مدینہ میں اسلام کو مسلسل فروغ حاصل ہو رہا تھا۔ اس لیے یہ نیا مرکزِ دعوت و تبلیغ مدینہ ہی ہو سکتا تھا۔

۶۔ اہل مدینہ کی طرف سے دعوتِ ہجرت بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر مدینہ سے آئے ہوئے مسلمانوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہجرت مدینہ کی دعوت دی تھی۔ انہوں نے عہد کیا تھا کہ وہ آپؐ کی حفاظت اسی طرح کریں گے جس طرح اپنی جانوں، اپنی عورتوں اور اپنے بچوں کی کرتے ہیں۔

۷۔ ہجرتِ حبشہ کا حوصلہ افزا ہونا آٹھ سال قبل (۵ سنہ نبوی) مسلمانوں نے پہلی ہجرت حبشہ کی، اس کے بعد دوسری ہجرت کی۔ تب سے وہ بڑے امن و سکون کے ساتھ زندگی بسر کر رہے تھے۔ ہجرت کے اس کامیاب تجربے نے باقی مسلمانوں کی بھی ہجرت کے لیے حوصلہ افزائی کی۔ مکہ میں رہنے والے مسلمانوں کو معلوم ہو گیا کہ ہجرت کر کے کفار و مشرکین کے مظالم سے نجات حاصل کی جا سکتی ہے۔

۸۔ رسولِ اکرمؐ کو قتل کرنے کا ناپاک منصوبہ کفار و مشرکین نے حق کی آواز کو دبانے کے لیے تمام حربے استعمال کیے۔ اذیتیں دیں۔

Marfat.com

دھمکیاں دیں۔ لالچ دیا، لیکن وہ آپؐ کو دعوتِ اسلام سے دست کش ہونے پر مجبور کرنے میں سخت ناکام رہے۔ اب انہوں نے حضورؐ کو قتل کرنے کا ناپاک منصوبہ بنایا۔ اس لیے اب ہجرتِ مدینہ ناگزیر ہو گئی تھی۔

ہجرتِ نبوی کے واقعات

کفارِ مکہ نے اپنے اجلاس میں حضورؐ کو قتل کرنے کا فیصلہ کر لیا اور یہ طے پایا کہ قریش کے ہر خاندان سے ایک جوان منتخب کیا جائے اور یہ سب جوان حضورؐ پر یکبارگی حملہ کریں تاکہ تمام خاندان قتل کے برابر کے ذمہ دار ہوں۔ اور بنو ہاشم انتقام نہ لے سکیں۔ کیونکہ قریش کے تمام خاندانوں سے تو وہ لڑنے سے رہے۔ جبریل امینؑ نے آپؐ کو آگاہ کر دیا۔ فیصلے کے مطابق ایک سو جوانوں نے آپؐ کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ آپؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تم میری چادر اوڑھ کر میرے بستر پر سو جاؤ اور میرے پاس لوگوں کی جو امانتیں ہیں وہ ان کے مالکوں کو واپس کر کے مدینہ آ جانا۔ آپؐ باہر تشریف لائے، خاک پڑھ کر محاصرین پر پھینکی اور روانہ ہو گئے۔ محاصرہ کرنے والوں کو خبر تک نہ ہوئی۔ صبح کے وقت انہیں پتا چلا کہ حضورؐ نہیں بلکہ حضرت علیؓ ہیں جو آپؐ کے بستر پر سوئے ہوئے تھے۔

رسولِ اکرمؐ حضرت ابو بکرؓ کو ہمراہ لے کر راتوں رات مکہ سے پانچ میل کے فاصلے پر واقع غارِ ثور میں پہنچے۔ صبح ہوئی تو قریش نے آپؐ کو ادھر اُدھر تلاش کیا اور ناکام ہو کر اعلان کیا کہ جو شخص حضورؐ کو یا ابو بکرؓ کو قتل کر دے یا اسیر کر لائے اس کو ہر ایک کے عوض ایک سو اونٹ انعام میں دیے جائیں گے۔ چند آدمی تلاش کرتے ہوئے غار کے دہانے تک بھی پہنچے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان سے محفوظ رکھا۔ آپؐ غارِ ثور میں تین دن رہے۔ چوتھے روز صبح سویرے مکہ سے دو اونٹنیاں آ گئیں۔ آپؐ، حضرت ابو بکرؓ، حضرت ابو بکرؓ کے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہ اور راستے کے گائیڈ عبداللہ بن ارقط چاروں مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ سراقہ بن جعشم کو پتا چل گیا۔ اس نے تعاقب کیا۔ قریب پہنچا تو گھوڑے کے ٹھوکر کھانے سے نیچے زمین پر گر گیا۔ دوسری بار قریب پہنچا تو گھوڑے کی اگلی ٹانگیں زمین میں دھنس گئیں۔ اپنے ارادے سے باز آ گیا۔ حضورؐ سے امان لکھوا کر واپس ہو گیا۔ اس نے حضورؐ سے وعدہ کیا تھا کہ کسی کو آپؐ کی خبر نہ دوں گا، چنانچہ اسے راستے میں تلاش کرنے والا جو بھی ملا اسے راستے سے پھیر دیا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ۱۲ ربیع الاول ۱۳ نبوی کو مدینہ کے قریب بستی قبا میں پہنچے۔ قُبا میں آپؐ نے ایک مسجد کی بنیاد رکھی جسے مسجدِ قُبا یا مسجدِ تقویٰ کہتے ہیں۔ قبا میں چودہ روز قیام فرمانے کے بعد آپ مدینہ پہنچے۔ اہلِ مدینہ نے آپؐ کا نہایت گرمجوشی اور محبت سے استقبال کیا۔ خواتین اور بچیوں نے گیت گا گا کر آپؐ کا خیر مقدم کیا۔ مدینہ میں آپؐ نے حضرت ابو ایوب خالد بن زید انصاریؓ کے ہاں

Marfat.com

قیام فرمایا۔ بعد میں مسجد نبوی تعمیر ہوئی تو اس سے ملحق آپ کا ایک حجرے دکمرے، کا مکان بھی تعمیر ہوا اور آپ نے اپنے مکان میں اقامت فرمائی۔

ہجرت مدینہ کی اہمیت

اسلام کی اشاعت اور اس کی تکمیل میں ہجرتِ مدینہ کو بے حد اہمیت حاصل ہے۔ اس کے بڑے اہم اور دور رس نتائج نکلے جو سب کے سب اسلام اور اہلِ اسلام کے حق میں تھے۔ مثلاً:

۱۔ اسلام سے وابستگی میں شدّت انسان کسی نصب العین یا نظریے کے لیے جتنی قربانیاں دیتا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ اس کی وابستگی اور لگن اتنی ہی بڑھتی جاتی ہے۔ مسلمانوں نے اسلام کی خاطر اپنے وطن اور گھر بار، کاروبار سب کچھ چھوڑ دیا۔ فطری بات ہے کہ اس سے ان کے دلوں میں اسلام کی لگن اور بڑھی، اسلام کے لیے مزید قربانیاں دینے کا جذبہ پیدا ہوا۔ انصار مدینہ اور ہجرت کے بعد اسلام لانے والوں کو بھی پتا تھا کہ اسلام لانے کا مطلب کیا ہے۔ اس کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنا پڑے تو اس سے دریغ نہیں کرنا۔ ہجرت مدینہ درحقیقت اسلام کی فتح اور کفر و شرک کی شکست تھی۔

۲۔ اسلام کو محفوظ مرکز مل گیا ہجرتِ مدینہ کے اسباب میں بتایا جا چکا ہے کہ مکہ میں اب تبلیغ کا کام کرنا ممکن نہ رہا تھا۔ اور اس کے لیے ایک نئے اور محفوظ مرکز کی ضرورت تھی۔ ہجرت مدینہ کے بعد اسلام کو مدینہ میں ایک محفوظ مرکز مل گیا۔ مدینہ میں مشرکین مکہ کی طرح ایسی کوئی قوت نہ تھی جس سے اسلام اور مسلمانوں کو ہر وقت خطرہ لاحق تھا۔

۳۔ اشاعتِ اسلام میں تیزی چونکہ مدینہ میں اسلام کو ایک محفوظ مرکز مل گیا تھا اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اب بلا روک ٹوک تبلیغی سرگرمیاں جاری رکھ سکتے تھے۔ مکہ میں تبلیغی سرگرمیوں پر کفار کی طرف سے سخت قدغنیں عائد تھیں۔ اس کی راہ میں سخت رکاوٹیں پیدا کرتے تھے۔ اب ایسی کوئی رکاوٹ نہ تھی اس لیے ہجرتِ مدینہ کے بعد اسلام کو تیزی سے فروغ حاصل ہونے لگا۔

۴۔ مسلمان متحد اور منظم ہو گئے ہجرت مدینہ سے قبل مسلمان مختلف علاقوں میں بکھرے ہوئے اور غیر منظم تھے۔ کچھ مسلمان مکہ میں تھے، کچھ حبشہ میں اور کچھ مدینہ وغیرہ میں۔ ہجرت کے بعد تمام مسلمان ایک جگہ یعنی مدینہ میں اکٹھے ہو گئے اور یہ ہجرت کے منجملہ مقاصد میں سے ایک مقصد تھا۔ مسلمانوں نے صرف جان بچانے کے لیے مدینہ ہجرت نہیں کی تھی۔

Marfat.com

جان بچانا ہی مقصد ہوتا تو یہ تو ہجرت حبشہ سے حاصل ہو گیا تھا۔ پھر حضرت عمرؓ جیسے آدمیوں کو تو جان بچانے کے لیے ہجرت کی قطعاً ضرورت نہ تھی۔ ان کی جان تو مکہ میں بھی محفوظ تھی۔ ہجرت مدینہ کے بعد بھی مدینہ سے باہر کے کسی قبیلے کا کوئی شخص اسلام قبول کرتا تو چاہے اسے اپنے قبیلے اور علاقے میں مکمل امن چین حاصل ہوتا پھر بھی اسے مدینہ کو ہجرت کرنے کی ہدایت کی جاتی تھی، لہٰذا ہجرتِ مدینہ کا مقصد یہ بھی تھا کہ سب مسلمان مدینہ میں جمع ہو کر متحد و منظم ہو جائیں اور یہ مقصد مکمل طور پر حاصل ہو گیا تھا۔

۵۔ منفرد اور جداگانہ مسلم قومیت

مدینہ میں سب مسلمان یک جا، متحد اور منظم ہو گئے تو ان کی ایک منفرد اور جداگانہ قومیت قائم ہو گئی۔ اب وہ مختلف مقامات پر بکھرے ہوئے ہاشمی، اموی، مخزومی، خزاعی، اوسی، خزرجی، آقا، غلام نہ تھے بلکہ ایک جگہ رہنے والے ایک نئی قوم، ملتِ اسلامیہ کے افراد تھے۔ مدینہ میں جو معاہدہ (میثاقِ مدینہ) ہوا وہ بھی دو فریقوں یعنی مسلمانوں اور یہود کے درمیان ہوا۔ ہجرتِ مدینہ کے بعد مسلمانوں کا الگ تشخص اور جداگانہ قومیت قائم ہوئی۔ اب وہ مسلم قوم کی حیثیت سے ایک قوت کے طور پر ابھرنے لگے۔

۶۔ اسلامی ریاست کی بنیاد

مدینہ پہنچتے ہی رسول اکرمؐ نے اہلِ اسلام اور یہود کے دو فریقوں کے درمیان ایک معاہدہ کیا جسے میثاقِ مدینہ کہتے ہیں۔ اس معاہدے کی رو سے مسلمانوں کے رہبر و رہنما حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہر کا سربراہ تسلیم کر لیا گیا۔ اس طرح ہجرتِ مدینہ کے نتیجے میں اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی گئی۔ یہ ننھی سی شہری ریاست حضورؐ کی حیاتِ مبارکہ میں ہی پھیل کر پورے جزیرۃ العرب کو محیط ہو گئی اور بعد میں اس کی حدود ہندوستان سے لے کر سپین تک وسعت اختیار کر گئیں۔

۷۔ نئے احکام، تکمیلِ دین

ہجرتِ مدینہ کے بعد مسلمان ایک متحد و منظم قوم بن گئے تھے ان کی معاشرتی و سیاسی تنظیم قائم ہو گئی تھی۔ اس لیے اب ان امور سے متعلق بھی احکام نازل ہونے لگے۔ جہاد اور اس سے متعلقہ تمام احکام، روزہ کے احکام، زکوٰۃ کے احکام، معاشرتی زندگی سے متعلق احکام، حرمتِ ربوٰ کے احکام سب ہجرتِ مدینہ کے بعد نازل ہوئے۔ اگر مسلمان ہجرت نہ کرتے اور مکہ میں ہی مقیم رہتے تو یہ احکام شاید نازل نہ ہوتے کیونکہ مکہ میں مسلمانوں کے حالات انتہائی مختلف تھے۔ اس طرح ہجرتِ مدینہ تکمیلِ دین کا ذریعہ ثابت ہوئی۔

۸۔ اسلامی کیلنڈر کی بنیاد

ہجرتِ مدینہ آگے چل کر اسلامی کیلنڈر کی بنیاد بنی۔ سنہ ہجری جس کا اجرا حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں کیا، اس کی بنیاد ہجرت مدینہ ہی تو ہے۔

Marfat.com

مکّی زندگی میں حضورؐ کا طریقہ تبلیغ

تبلیغ کا اصلاحی مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیغام کو اس کے بندوں تک ایسے طریقے سے پہنچانا کہ یہ پیغام ان کے قلب و ذہن میں بیٹھ جائے۔ وہ اس کو مانیں یا نہ مانیں یہ ایک الگ بات ہے لیکن وہ اس کو اچھی طرح سمجھ جائیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام انتہائی کامیاب مبلغ تھے۔ آپؐ کی حیاتِ مبارکہ میں ہی سارا عرب اسلام کا گہوارہ بن گیا تھا۔ آپؐ کا تبلیغ کرنے کا طریقہ کیا تھا جس کی وجہ سے آپؐ کو اتنی شاندار کامیابی حاصل ہوئی؟

۱۔ خفیہ طریقے سے تبلیغ

تین سال تک آپؐ نے خفیہ طریقے سے تبلیغ کی۔ آپؐ نے صرف ان لوگوں کے سامنے دعوتِ اسلام پیش کی جو آپؐ کی سیرت و کردار سے اچھی طرح واقف تھے جو آپؐ سے انتہائی قریبی تعلق رکھتے تھے۔ جن پر آپؐ کو اعتماد تھا اور جنہیں آپؐ پر اعتماد تھا۔ جن کے دلوں کے آئینے صاف اور شفاف تھے۔ برائی، لالچ، مفاد پرستی کے زنگ سے مبرا۔ ان لوگوں میں آپؐ کی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہ طاہرہؓ، آپؐ کے دیرینہ دوست باوفا باصفا حضرت ابوبکرؓ، آپؐ کے زیرِ تربیت آپؐ کے عم زاد حضرت علیؓ، آپؐ کے آزاد کردہ غلام حضرت زیدؓ بن حارثہ شامل تھے۔ یہ سب فوراً اسلام لے آئے۔ آپؐ کی صداقت اور اسلام کی حقانیت کے بارے میں انہیں ذرا بھی تردد نہ ہوا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ جب آپؐ نے علانیہ تبلیغ شروع کی تو آپؐ تنہا نہ تھے بلکہ یہ لوگ آپؐ کے ساتھ تھے۔ یہ آپؐ کے پیغام کا پہلا ٹیسٹ تھا جس میں آپؐ کامیاب رہے اس سے آپؐ کو حوصلہ، تائید اور تقویت حاصل ہوئی۔

۲۔ اقارب کو علانیہ تبلیغ

تین سال کے بعد آپؐ نے مکہ میں رہنے والے اپنے رشتہ داروں کو علانیہ تبلیغ کرنا شروع کی۔ قرابت کا تعلق بہت اہم ہوتا ہے۔ بالخصوص قبائلی طرز کی معاشرت میں، اس کا بڑا لحاظ ہوتا ہے۔ وہ آپؐ کو قریب سے جانتے بھی تھے۔ آپؐ کی صداقت و امانت سے بخوبی واقف تھے۔

۳۔ تبلیغ عام

اس کے بعد آپؐ نے عام تبلیغ شروع کر دی، خواہ کوئی رشتہ دار ہو یا غیر رشتہ دار، مکہ کا رہنے والا ہو، یا مکہ سے باہر کا باشندہ ہو، حج کے موسم پر عرب کے مختلف علاقوں سے آئے ہوئے زائرین کو اسلام کی دعوت دیتے۔ طائف بھی تبلیغ کے لیے تشریف لے گئے۔ اس طرح آپؐ نے تدریج کا طریقہ اختیار کیا۔ پہلے بہت قریبی تعلق رکھنے والوں کو، پھر اقارب کو اور اس کے بعد سب کو۔

۴۔ موزوں مبلغین کا انتخاب و تربیت

آپؐ خود تبلیغ فرمانے کے ساتھ موزوں اشخاص کو تبلیغ کے لیے منتخب فرماتے، ان کی تربیت

Marfat.com

فرماتے ۔حضرت ابوبکرؓ کی تبلیغ سے حضرت عثمانؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے اسلام قبول کیا۔مدینہ منورہ میں حضرت مُصعب بن عُمیرؓ کو معلّم بنا کر بھیجا۔ ان کی قرآن خوانی میں ایسی تاثیر تھی کہ جو بھی سنتا اسلام لے آتا۔ مدینہ کے سرداروں سمیت بہت سے لوگ ان کی قرآن خوانی اور تبلیغ کی وجہ سے مسلمان ہوئے۔

۵۔ شیریں اور نرم لہجے میں گفتگو آپؐ نہایت شیریں اور نرم لہجے میں گفتگو فرماتے تھے۔ میٹھی زبان میں میٹھی میٹھی باتیں فرماتے۔ دھیمے لہجے میں ٹھہر ٹھہر کر بات کرتے۔ ہر لفظ صاف اور واضح طور پر سنائی دیتا۔ سننے والا آپؐ کے لفظوں کو گن سکتا تھا۔

۶۔ تقریر سے اجتناب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تبلیغ کرتے ہوئے لمبی چوڑی تقریریں نہیں فرمایا کرتے تھے۔ دھیمے لہجے اور مختصر الفاظ میں گفتگو فرماتے تھے۔ آپؐ لوگوں سے ہوش و خرد کو اپیل کرتے تھے۔ جذبات کو نہیں ابھارتے تھے۔ آپؐ نے کبھی شعلہ بیانی سے کام نہیں کیا۔ کبھی دھواں دھار اور لچھے دار تقریر نہیں فرمائی (جیسا کہ ہمارے علماء اور واعظین کرتے ہیں) شعلہ بیانی سے سننے والوں کو لذت تو آجاتی ہے ان کی اصلاح نہیں ہوتی۔ وقتی طور پر ان کے جذبات کو بھڑکایا جاسکتا ہے، ان میں یقین و ایمان پیدا نہیں کیا جاسکتا۔

۷۔ مناظرہ سے اجتناب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مناظرہ کے طور طریقے اور دلیل بازی سے ہمیشہ اجتناب فرماتے تھے۔ آپؐ کا مقصد لوگوں کو دلیل بازی میں شکست دے کر اپنے زورِ بیان اور منطقی استدلال کی فوقیت کے جھنڈے گاڑنا نہیں تھا، بلکہ معاشرے کی اصلاح مقصود تھی۔ نصب العین یہ تھا کہ اسلام کی صداقت و حقانیت ان کے دلوں میں اتر جائے۔ آپؐ سیدھے سادے اور مثبت طریقے سے لوگوں کو توحید پر ایمان لانے کی دعوت دیتے تھے۔

۸۔ دلآزاری سے پرہیز رسولِ کریم کبھی ایسی بات نہ فرماتے جس سے سامعین کی دلآزاری ہو۔ آپؐ نے کبھی کفار و مشرکین کے خداؤں کے لیے گالی گلوچ یا تکلیف دہ تنقید کی زبان استعمال نہیں کی۔ ان کے خداؤں کو کبھی بُرا بھلا نہیں کہا۔

۹۔ کلام میں فصاحت و بلاغت عربوں کو اپنی زبان پر بڑا ناز تھا۔ زبان دانی کی ان کے ہاں بڑی اہمیت تھی۔ شاعر اور خطیب کو بہت قدر و منزلت حاصل تھی۔ قرآنِ حکیم کے اسلوبِ معجزانہ نے ان کی زبان دانی کے سب غرور خاک میں ملا دیئے۔ جو شخص بھی قرآنی آیات کو سنتا متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا۔ قرآن مجید کے علاوہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نہایت فصیح و بلیغ عربی میں کلام فرماتے تھے۔ الفاظ کا چناؤ

Marfat.com

جملوں کی ترکیب نہایت عمدہ ہوتی۔ آپؐ کا کلام ابلاغ، ایجاز و اختصار، صوتی حسن، معنوی خوبصورتی کا شاہکار ہوتا۔ بلا ضرورت اور بے محل ایک لفظ بھی استعمال نہ فرماتے۔ یہی وجہ ہے کہ حضورؐ کو سب عرب اُدباء افصح العرب (یعنی عربوں میں سے سب سے زیادہ فصاحت والا) کہتے ہیں۔

۱۰۔ اخلاق و شخصیت میں جاذبیت

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اخلاقِ فاضلہ کی انتہائی بلندی پر فائز تھے۔ آپؐ کے اخلاق و عادات پُرکشش تھے۔ محبت و شفقت، رحمت، مروت، ہمدردی، ایثار، سادگی، مساوات غرض ہر خلق میں بے مثال تھے۔ اسی طرح آپؐ کی شخصیت میں بھی بے حد جاذبیت تھی۔ آپ انتہائی خوبصورت شخصیت کے مالک تھے۔ حضرت حسان بن ثابت نے اپنے نعتیہ اشعار میں اس طرح حضورؐ کی تعریف کی ہے (ترجمہ) آپ سے زیادہ حسین میری آنکھ نے کبھی نہیں دیکھا۔ اور آپؐ سے زیادہ جمیل عورتوں نے کبھی جنا نہیں۔ آپؐ ہر نقص سے پاک پیدا کیے گئے ہیں گویا کہ آپؐ اس طرح پیدا کیے گئے ہیں جس طرح آپؐ چاہتے تھے۔

۱۱۔ صبر و استقلال

آپؐ کو تبلیغ کے سلسلے میں شدید مخالفت اور مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ کفار و مشرکین آپؐ کی دعوت کے جواب میں نہایت نامعقول، نازیبا، گستاخانہ اور تکلیف دہ رویّہ اپناتے، آپؐ کو طرح طرح کی سخت اذیتیں دیتے۔ ہلاکت کی دھمکیاں دیں، لالچ دیئے، لیکن آپؐ نے کسی بھی حال میں اپنی تعلیمی سرگرمیوں کو مدھم نہیں پڑنے دیا۔ ہمیشہ صبر و ثبات اور استقلال و استقامت سے کام لیا۔ شعب ابی طالب میں محصوری کے زمانے میں بھی آپؐ نے اپنا مشن جاری رکھا۔ کبھی حوصلہ نہیں ہارا۔ مشکلات و مصائب سے کبھی گھبرائے نہیں۔

Marfat.com

مدنی زندگی

اب مدینہ کی آبادی چار عناصر پر مشتمل تھی۔ (۱) انصار یعنی مدینہ کے مقامی مسلمان، جو اوس اور خزرج قبیلوں سے تعلق رکھتے تھے۔ (۲) مہاجرین، جو مکہ سے ہجرت کرکے یہاں پہنچے تھے۔ (۳) مشرکین، جن کا سرغنہ عبداللہ بن ابی سلول تھا جس کو اہلِ مدینہ اپنا بادشاہ بنانے ہی والے تھے کہ اسلام نے اس کے خواب پریشان کر دیئے۔ (۴) یہود، جنہیں دکھ تھا کہ بنی اسرائیل کے بجائے بنی اسماعیل میں سے نبی کیوں مبعوث ہو گیا۔

میثاقِ مدینہ

مدینہ کی آبادی بنیادی طور پر تو چار مذکورہ بالا عناصر پر مشتمل تھی لیکن اہلِ مدینہ بہت سے گروہوں میں منقسم تھے۔ قبیلے، پھران کی آگے شاخیں، قبیلوں کے حلیف، موالی۔ یہ سب لوگ کسی قسم کی تنظیم سے قطعی طور پر ناآشنا تھے۔ اکثر باہم لڑتے جھگڑتے رہتے تھے، بلکہ لڑ لڑ کر تھک چکے تھے۔

رسولِ اکرمؐ نے مدینہ پہنچنے کے چند ماہ بعد اہلِ مدینہ کو ایک سیاسی وحدت میں پرو دیا۔ مدینہ کو ایک چھوٹی سی شہری ریاست کی شکل عطا کی۔ آپؐ نے ایک صحیفہ (تحریر، حکمنامہ) نافذ کیا جو ہمارے ہاں میثاقِ مدینہ کے نام سے معروف ہے۔ یہ دستاویز سیرت کی ابتدائی کتابوں میں محفوظ ہے۔ اس صحیفہ یا حکمنامہ یا ڈاکٹر حمید اللہ کے بقول، تحریری دستورِ مملکت کی کل ۴۷ دفعات (ARTICLES) ہیں۔ اہم دفعات درج ذیل ہیں:

میثاقِ مدینہ کی اہم دفعات

۱۔ یہ ایک تحریر ہے۔ اللہ کے رسول محمدؐ کی قریش اور اہلِ یثرب میں سے ایمان اور اسلام لانے والوں اور ان لوگوں کے مابین جو ان کے تابع ہوں اور ان کے ساتھ شامل ہو جائیں اور ان کے ساتھ جنگ میں حصہ لیں۔

Marfat.com

۲۔ تمام لوگوں کے بالمقابل یہ ایک الگ اُمت (مراد سیاسی وحدت) ہوں گے۔

۳۔ مسلمانوں کا ہر قبیلہ حسب سابق اپنے خون بہا دے گا اور اپنے قیدی کو فدیہ دے کر چھڑائے گا تاکہ ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف کا ہو۔ (ہر قبیلے کا نام لے لے کر الگ الگ دفعہ میں یہ بات کی گئی ہے۔

۴۔ اہلِ ایمان کسی قرض کے بوجھ سے دبے ہوئے (مسلمان بھائی کو) مدد دیئے بغیر چھوڑ نہ دیں گے تاکہ ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف کا ہو۔

۵۔ اہلِ ایمان کے ہاتھ ایسے شخص کے خلاف اٹھیں گے جو ان میں سرکشی کرے یا استحصال بالجبر کرے یا ظلم و زیادتی کرے یا ایمان والوں میں فساد پھیلانا چاہے اور ان کے ہاتھ سب مل کر ایسے شخص کے خلاف اٹھیں گے، خواہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

۶۔ کوئی ایمان والا کسی ایمان والے کو کسی کافر کے بدلے قتل نہ کرے گا اور نہ کسی کافر کی کسی ایمان والے کے خلاف مدد کرے گا۔

۷۔ ایمان والے باہم بھائی بھائی ہیں۔ لوگوں کے مقابل۔ ان کا ادنیٰ ترین فرد بھی کسی کو پناہ دے کر سب کو اس کا پابند کر سکے گا۔

۸۔ یہودیوں میں سے جو ہماری اتباع کرے گا اسے مدد اور مساوات حاصل ہو گی۔ نہ ان پر ظلم کیا جائے گا اور نہ ان کے خلاف کسی کو مدد دی جائے گی۔

۹۔ ایمان والوں کی صلح ایک ہی ہوگی۔ اللہ کی راہ میں لڑائی ہو تو کوئی ایمان والا کسی دوسرے ایمان والے کو چھوڑ کر صلح نہیں کرے گا جب تک کہ یہ صلح سب اہلِ ایمان کے لیے یکساں نہ ہو۔

۱۰۔ ان تمام گروہوں کو جو ہمارے ساتھ مل کر جنگ میں شریک ہوں گے۔ باری باری چھٹی دلائی جائے گی۔

۱۱۔ ایمان والے اس چیز کا انتقام لیں گے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں ان کے خون کو پہنچے۔

۱۲۔ بے شک متقی ایمان والے سب سے اچھے اور سب سے سیدھے راستے پر ہیں۔

۱۳۔ کوئی مشرک (یعنی ریاستِ مدینہ کا غیر مسلم شہری) قریش کی جان اور مال کو کوئی پناہ نہ دے گا۔

۱۴۔ جو شخص کسی مومن کو عمداً قتل کرے اور ثبوت پیش ہو تو اس سے قصاص لیا جائے گا سوائے اس کے کہ مقتول کا ولی خون بہا پر راضی ہو جائے۔ تمام اہلِ ایمان اس پر عملدرآمد کے لیے اٹھیں گے اور اس کے سوا ان کے لیے کوئی اور چیز جائز نہ ہوگی۔

۱۵۔ کسی ایمان والے کے لیے جائز نہ ہوگا کہ کسی قاتل کو مدد یا پناہ دے اور جو ایسا کرے گا تو قیامت کے دن اس پر اللہ کی لعنت اور غضب نازل ہوں گے۔

Marfat.com

۱۶۔ جب کبھی تم میں کسی چیز کی بابت اختلاف پیدا ہو، اس کے فیصلے کے لیے تم اللہ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف رجوع کرو گے۔

۱۷۔ یہودی اس وقت تک اہلِ ایمان کے ساتھ مل کر اخراجات برداشت کرتے رہیں گے جب تک مل کر جنگ کریں گے۔

۱۸۔ یہودی، اہلِ ایمان کے ساتھ، ایک اُمت (سیاسی وحدت) تسلیم کیے جاتے ہیں۔ یہودیوں کے کے لیے ان کا دین اور مسلمانوں کے لیے ان کا دین جو ظلم یا عہد شکنی کا مرتکب ہوگا تو اس کا وبال صرف اس کی ذات یا گھرانے پر ہوگا (مختلف یہودی قبائل میں سے ہر ایک کا نام لے کر الگ الگ دفعہ میں اُن کے ان حقوق و فرائض کا ذکر کیا گیا ہے)۔

۱۹۔ ان (یہودیوں) میں سے کوئی بھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اجازت کے بغیر (جنگی مقصد کے لیے) نہیں نکلے گا۔ اور کسی ضرب یا زخم کا بدلہ لینے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی۔

۲۰۔ اس صحیفہ کو ماننے والوں کے لیے یثرب کا جوف (یعنی پہاڑیوں میں گھرا ہوا میدان جس میں بستیاں آباد ہیں) حرم ہوگا۔

۲۱۔ پناہ لینے والے کے ساتھ وہی برتاؤ ہوگا جو اس کے پناہ دینے والے کے ساتھ ہے۔ نہ اسے ضرر پہنچایا جائے گا اور نہ وہ خود عہد شکنی کرے گا۔

۲۲۔ اس صحیفہ کے ماننے والوں میں اگر کوئی قتل یا جھگڑا ہو جس سے فساد کا اندیشہ ہو تو اس کے فیصلے کے لیے اللہ اور اس کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے رجوع کیا جائے گا۔

۲۳۔ اگر کوئی یثرب پر حملہ کرے تو مسلمان اور یہودی سب مل کر اس کا دفاع کریں گے۔

۲۴۔ قریش کو کوئی پناہ نہیں دی جائے گی اور نہ ہی اس شخص کو جو انہیں مدد دے گا۔

۲۵۔ اگر اہلِ ایمان کسی سے صلح کرنے کے لیے یہودیوں سے کہیں تو وہ بھی ان کے ساتھ مل کر صلح کریں گے اور اس پر قائم رہیں گے۔ اور اگر یہودی مسلمانوں سے کسی صلح کے لیے کہیں تو مسلمانوں پر بھی لازم ہوگا کہ ویسے ہی کریں۔ سوائے اس کے کہ کوئی دینی جنگ ہو۔

میثاقِ مدینہ کی اہمیت

یہ دستاویز جسے ہم میثاقِ مدینہ کہتے ہیں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی بصیرت و فراست کا نہایت شاندار مظہر ہے اور تاریخِ اسلام میں اسے بے حد اہمیت حاصل ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

Marfat.com

۱۔ امن کا قیام مدینہ کی آبادی مختلف عناصر پر مشتمل تھی۔ مشرکین، یہود، ان کے حلیف، ان کے دشمن، انصار، مہاجرین، کوئی مرکزیت نہ تھی۔ نہ ہی کوئی قانون اور کوئی تنظیم تھی۔ اسلام سے پہلے وہاں امن مفقود تھا۔ اب آبادی میں مزید تنوع پیدا ہو گیا۔ امن کا قیام سب سے پہلا اور بڑا مسئلہ تھا۔ میثاقِ مدینہ سے یہ مسئلہ بطریقِ احسن حل ہو گیا۔ امن قائم کر دیا گیا۔ قصاص کا قانون سب پر نافذ ہو گیا۔ باہمی لڑائی جھگڑے کی صورت میں ہر قبیلے نے سابقہ طریقے سے زور بازو سے کام نہیں لینا تھا۔ بلکہ حضورؐ کی طرف رجوع کرنا لازم ہو گیا تھا۔ سب کے حقوق و فرائض متعین ہو گئے تھے جس سے جھگڑے کے امکانات کم ہو گئے۔

۲۔ اسلامی ریاست کا قیام مدینہ میں پہلی مرتبہ ایک سیاسی تنظیم قائم ہوئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس ریاست و حکومت کا سربراہ تسلیم کر لیا گیا۔ مشرکین ہوں یا یہود، انصار ہوں یا مہاجرین سب کے سربراہ حضور پاکؐ تھے۔ آپؐ کے حکم کی پابندی سب پر لازم تھی۔ اس طرح آپؐ نے اس صحیفہ کے ذریعے تمام اہلِ مدینہ کو ایک سیاسی وحدت میں پرو دیا۔ مدینہ کی یہ چھوٹی سی شہری ریاست ترقی کرتے کرتے پورے عرب کو محیط ہو گئی بلکہ حضورؐ کی حیاتِ مبارکہ میں ہی اس کی حدود عرب سے باہر تک پھیل گئیں۔ اسی ریاست اور حکومت نے ارتقاء کی منازل طے کیں جس کو میثاقِ مدینہ کے ذریعے قائم کیا گیا تھا۔ اس کے بعد کسی نئے صحیفہ یا میثاق کا سہارا نہیں لینا پڑا۔

۳۔ مدینہ کو حرم تسلیم کر لیا گیا اس صحیفہ کی پیروی کرنے والوں نے مدینہ کو حرم تسلیم کر لیا یعنی جس طرح مکہ حرم تھا اب مدینہ بھی حرم بن گیا۔ اس شہر کو ہمیشہ کے لیے حرمت اور تقدس حاصل ہو گیا۔ اس کی حدود کے اندر قتل و غارت اور لڑائی جھگڑا تو کجا جانوروں کا شکار تک ممنوع ہو گیا۔

۴۔ مدینہ کا مشترکہ دفاع اس میثاق کی رُو سے طے پایا کہ سب اہلِ مدینہ مل کر مدینہ کا دفاع کریں گے۔ بصیرتِ نبوی نے بھانپ لیا تھا کہ قریشِ مکہ مسلمانوں کو مدینہ میں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیں گے۔ اس لیے آپؐ نے اس صحیفہ میں بیرونی حملوں سے مدینہ کے دفاع کی مؤثر تدبیر فرمائی۔ حضورؐ نے جنگ کی صورت میں بھی قیادت کو اپنے لیے تسلیم کرا لیا تاکہ اس وقت بھی کسی قسم کا انتشار پیدا نہ ہو سکے۔

۵۔ عدل و انصاف کا قیام حضورؐ نے اس صحیفہ کے ذریعے مدینہ میں مکمل طور پر عدل و انصاف قائم فرما دیا۔ اس کی رُو سے کسی مجرم کی حمایت کرنے کی کسی شخص کو اجازت نہ تھی۔ خواہ وہ مجرم کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔ کسی کو اجازت نہ تھی کہ قاتل یا مجرم

Marfat.com

کو پناہ دے یا اس کی مدد کرے۔ سب پر قانون کا اطلاق یکساں طور پر ہوگا۔ کوئی شخص قانون سے بالاتر نہ ہوگا۔ عدالتی انصاف کے لیے حضورؐ سے رجوع کیا جائے گا۔ اس دور میں ایسی شاندار بنیادوں پر عدل و انصاف کا قیام حضورؐ کا حیرت انگیز کارنامہ ہے۔

۶۔ سماجی تحفظات کی بنیاد

اس نوزائیدہ ننھی سی شہری ریاست میں جہاں امن قائم کر دینا ہی بہت بڑی بات تھی حضورؐ نے سماجی تحفظات بھی فراہم کرنے کی بنیاد رکھ دی۔ اگرچہ ریاست کے پاس ابھی کوئی مالی وسائل نہ تھے کیونکہ زکوٰۃ ابھی فرض نہ ہوئی تھی۔ پھر بھی اس صحیفہ میں ایک دفعہ رکھ دی گئی کہ اہل ایمان اپنے کسی بھائی کو قرض کے بوجھ کے نیچے دبا ہوا نہیں چھوڑیں گے اور اس کی مدد کریں گے۔ یہ بنیاد تھی، اس پر آگے چل کر نظامِ زکوٰۃ کے ذریعے سماجی تحفظات کی عظیم الشان عمارت کھڑی کی گئی۔ نیز قبائلی نظام کے اس طریقے کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس صحیفہ میں بھی برقرار رکھا کہ خون بہا اور زرِ فدیہ کی ادائیگی قبیلے کے ذمے ہوگی۔

۷۔ اہلِ ایمان کی بالادستی

اس صحیفہ کی رو سے اہل ایمان کی بالادستی قائم ہو گئی۔ اہل ایمان کے ہادی و رہنما ہی اس ریاست کے سربراہ ہے۔ قانون سازی، عدلیہ اور عاملہ سب کے اختیارات حضورؐ ہی کے پاس تھے۔ اس صحیفہ میں صاف طور پر بتا دیا گیا کہ متقی اہل ایمان سب سے اچھے اور سب سے سیدھے راستے پر ہیں۔ اس سے پہلے مدینہ میں یہود کو معاشی، دینی، فکری، تہذیبی ہر لحاظ سے برتری حاصل تھی۔ اس صحیفہ نے یہود کی بالادستی کا خاتمہ کر دیا اور اہلِ ایمان کی بالادستی قائم کر دی۔ اس سے ایمان و اسلام کو عزت و اہمیت ملی اور اشاعتِ اسلام کی رفتار کو تیز کرنے میں مدد ملی۔

۸۔ مسلم برادری کی منفرد حیثیت

اس صحیفہ میں اعلان کیا گیا کہ ایمان والے بھائی بھائی ہیں۔ تمام لوگوں کے مقابلے میں ان کا ادنیٰ ترین فرد بھی اگر کسی کو پناہ دے گا تو اس پناہ کے تمام مسلمان پابند ہوں گے۔ اس سے تمام مسلمان خواہ وہ کسی قبیلے یا علاقے سے تعلق رکھتے ہوں ایک برادری بن گئے جو منفرد حیثیت کی مالک تھی۔ اس میں "لوگوں کے مقابلے میں" کے الفاظ نہایت اہمیت کے حامل ہیں۔ یہ تمام مسلمانوں کے ایک اور منفرد قوم یا ملت ہونے کا اعلان تھا۔

۹۔ دنیا کا پہلا تحریری دستور

عصر حاضر کے ایک مسلمان محقق ڈاکٹر حمید اللہ کا کہنا ہے کہ میثاق مدینہ دنیا کا پہلا تحریری دستورِ مملکت ہے۔ بلاشبہ کتابوں میں اس سے پہلے بھی دستوروں کا ذکر ملتا ہے لیکن ان کی حیثیت یا تو درسی اور شوقی

Marfat.com

ہے جو مسلمانوں کے ہاں ملنے والی نصیحۃ الملوک قسم کی تالیفوں کے مشابہ ہیں یا کسی مقام کے دستور کا تاریخی تذکرہ ہیں۔ کسی مقتدر اعلیٰ کی طرف سے نافذ کردہ مستند دستورِ مملکت کی حیثیت ان میں سے کسی کو بھی حاصل نہیں۔ میثاقِ مدینہ سے پہلے تحریری دستور کی نظیر کہیں نہیں ملتی[۵۸]

میثاقِ مدینہ کے دستورِ مملکت ہونے میں تو کوئی شک و شبہ نہیں۔ اسی کی بنیاد پر ریاست قائم ہوئی۔ اس میں ریاست کی آبادی کے تمام عناصر کے حقوق و فرائض کا تعین کر دیا گیا۔ امورِ دفاع، امورِ خارجہ کے بارے میں رہنما اصول بتا دیئے گئے۔ حکومت کی بنیادی ذمہ داریوں امن و امان کا قیام، مال و جان کی حفاظت، عدل و انصاف کا قیام کی نشاندہی کر دی گئی۔ یہ وہ بنیادی باتیں ہیں جو تقریباً ہر دستورِ مملکت میں پائی جاتی ہیں۔

مواخات

معنی و مفہوم مواخات کا لفظ اَخ سے نکلا ہے جس کا معنی بھائی ہے۔ مواخات کا لغوی معنی ہے آپس میں بھائی بننا۔ اسلام اپنے پیروؤں کو بھائی (اخوت) کے مضبوط رشتے میں جوڑ دیتا ہے۔

(ترجمہ) ایمان والے تو آپس میں بھائی بھائی ہیں (الحجرات ۴۹ : ۱۰)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرآنِ حکیم کے اس منشا کو عملاً پورا فرما دیا۔ آپ نے صحابہ کرامؓ کی ایسی تربیت کی کہ وہ حقیقی بھائیوں سے بھی زیادہ ایک دوسرے کے خیر خواہ، ہمدرد اور معاون و مددگار بن گئے۔

مواخاتِ مدینہ جو مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ گئے وہ اپنا سب کچھ مکہ میں چھوڑ آئے تھے اور اب بے خانماں اور تہی دست تھے۔ نئی جگہ تھی، یہ ممکن نہ تھا کہ مدینہ میں آتے ہی وہ اپنے آپ معاشی طور پر اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں۔ حضورؐ نے اس مسئلے کو مسلمانوں کے فطری رشتۂ اخوت کے تحت حل کیا۔ آپؐ نے انصار اور مہاجرین کو ایک جگہ جمع کیا۔ ایک ایک انصاری اور ایک ایک مہاجر کو بلا کر ان میں مواخات قائم فرما دی جس کا مطلب تھا کہ یہ دونوں مواخاتی بھائی حقیقی بھائیوں کی طرح ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک اور ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہوں گے۔ حضورؐ کی قرار دی ہوئی مواخات کے تحت مواخاتی بھائی کے انتقال پر حقیقی بھائی کے بجائے متوفی کا مواخاتی بھائی اس کا وارث ہوتا تھا تاہم کچھ عرصہ کے بعد جب مہاجرین

---

[۵۸] ڈاکٹر محمد حمید اللہ، عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی، کراچی ۱۹۸۱ء ص ۷۶

Marfat.com

اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے تو حضورؐ نے وراثت کا یہ قاعدہ منسوخ فرما دیا۔

اخوت کی روشن مثالیں مواخات کے تحت اخوت کی نہایت شاندار مثالیں قائم ہوئیں۔ انصار نے اپنے مواخاتی بھائیوں کے لیے بے پناہ ایثار سے کام لیا۔ گھر کے اثاثے تک نصف نصف بانٹ دیئے۔ انہوں نے اپنی زرعی زمینوں اور نخلستانوں کو بھی اپنے مواخاتی بھائیوں میں تقسیم کرنے کی پیشکش کی، تاہم حضورؐ نے اس کو منظور نہ فرمایا۔ یہ فیصلہ ہوا کہ مہاجرین انصار کی زمینوں میں نصف پیداوار کی شرط پر کام کریں گے۔

مواخات کی اہمیت ۱۔ مواخات کی مدد سے مہاجرین کی آباد کاری کے سنگین مسئلے کو نہایت خوش اسلوبی سے حل کر لیا گیا۔ اس سے مہاجرین کو آہستہ آہستہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے میں بہت مدد ملی اور ان کی عزتِ نفس بھی مجروح ہونے سے محفوظ رہی۔

۲۔ اسلام نے اہلِ ایمان کے درمیان جو رشتۂ اخوت قائم کیا ہے مواخاتِ مدینہ اس کا عملی مظہر تھی۔ اس رشتے کی صداقت کا عملی ثبوت فراہم ہو گیا اور مسلمانوں کی تربیت بھی ہو گئی۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ دینی اخوت، حقیقی رشتۂ اخوت سے بھی زیادہ مضبوط ہے۔

۳۔ مواخاتِ مدینہ نے ثابت کر دیا کہ اہلِ ایمان کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے سامنے دنیوی مال و جائداد کی کوئی وقعت نہیں۔ حضورؐ کی اطاعت مسلمان کے نزدیک سب چیزوں پر مقدم ہے۔ حضورؐ سے محبت اور آپؐ کی اطاعت کا یہ جذبہ ہی تھا جو آگے چل کر مسلمانوں کی شاندار فتوحات کا موجب بنا۔

۴۔ مواخات سے قبائلی عصبیت، نسبی و نسلی تفاخر کو ختم کرنے میں مدد ملی۔ یہ چیزیں عربوں کے رگ و پے میں سرایت کیے ہوئے تھیں۔ مواخات کے تحت مختلف قبیلوں اور علاقوں کے مسلمان باہم بھائی بھائی بن گئے۔ غریب زراعت پیشہ انصار مکہ کے عالی نسب اور دولت و جاہ والے تجارت پیشہ قریشیوں کے بھائی بن گئے۔

۵۔ مواخاتِ مدینہ قیامت تک کے مسلمانوں کے لیے ایک روشن مثال بن گئی کہ اگر کچھ مسلمان بھائی کسی مصیبت یا مشکل میں مبتلا ہوں تو کس طرح ان کی اعانت کرنی چاہیے۔

فتح مکہ (۸ھ)

پس منظر ۶ھ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور قریش مکہ کے درمیان حدیبیہ کے مقام پر جو صلح ہوئی تھی اس میں منجملہ شرائط کے ایک شرط یہ تھی کہ ہر قبیلے کو اجازت ہو گی

Marfat.com

کہ صلح کے فریقین میں سے جس کا جی چاہے حلیف بن جائے چنانچہ بنو خزاعہ مسلمانوں کے حلیف بن گئے اور ان کے دیرینہ دشمن بنو بکر قریش کے حلیف بن گئے۔ بنو بکر نے خزاعہ کی آبادی پر شب خون مارا۔ قریش نے اپنے حلیف قبیلہ بنو بکر کا در پردہ ساتھ دیا۔ ایک خزاعی قتل ہو گیا۔ بنو خزاعہ نسبتاً کمزور تھے اس لیے انہوں نے حرم میں آکر پناہ لی۔ بنو بکر نے حرم کی پرواہ کی اور یہاں بھی ان کے کئی آدمی مار ڈالے۔ بنو خزاعہ نے یہاں سے بھاگ کر بدیل بن ورقاء وغیرہ سرداروں کے پاس پناہ لی۔

بنو خزاعہ کے ایک وفد نے مدینہ میں آکر اپنے حلیف یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام سے دستور کے مطابق مدد کی درخواست کی۔ آپؐ نے مدد کا وعدہ فرمایا۔ چنانچہ آپؐ نے قریش کے پاس اس پیغام کے ساتھ اپنا ایک سفیر بھیجا کہ:

۱۔ بنو خزاعہ کے مقتولوں کا خون بہا ادا کرو۔

۲۔ یا پھر بنو بکر کا ساتھ چھوڑ دو۔

۳۔ اگر ان دونوں شرطوں میں سے کوئی شرط بھی تمہیں منظور نہ ہو تو پھر ہمارا تمہارا کوئی معاہدہ نہیں۔ (یعنی صلح حدیبیہ ختم)

ایک قریشی نے جذبات میں آکر آپؐ کے سفیر سے یہ کہہ دیا کہ ہمیں تیسری بات منظور ہے۔ سفیر واپس آگیا۔ اب قریش کو ہوش آیا کہ ہم کیا کر بیٹھے ہیں۔ انہوں نے تجدید صلح کے لیے رئیس مکہ ابوسفیان کو آپؐ کی خدمت میں بھیجا۔ ابوسفیان نے آپؐ سے تجدید کی بات کی لیکن آپؐ نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر اس نے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ حتّٰی کہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ سے بھی فرداً فرداً درخواست کی کہ حضورؐ سے تجدید صلح کی سفارش کر دیں، لیکن سب نے انکار کر دیا۔ ہر طرف سے ناکام ہو کر ابوسفیان نے مسجد نبوی میں جا کر خود ہی اعلان کر دیا کہ لوگو! میں نے لوگوں کے درمیان بیچ بچاؤ کر دیا۔ اس کے بعد وہ مکہ واپس چلا گیا۔ مکہ جا کر اس نے سارا ماجرا بیان کیا تو لوگ سمجھ گئے کہ تجدید نہیں ہوئی۔

مکہ پر چڑھائی

رسول اکرمؐ نے مکہ پر چڑھائی کا فیصلہ کر لیا لیکن کسی کو بتایا نہیں۔ مسلمانوں کو جہاد کے لیے کوچ کرنے کی تیاری کا حکم دیا۔ آپؐ کی حکمتِ عملی یہ تھی کہ اہل مکہ آپؐ کے ارادے سے بے خبر رہیں۔ اسی حکمتِ عملی کا نتیجہ تھا کہ مکہ بغیر لڑائی کے فتح ہو گیا، چنانچہ آپؐ تقریباً دس ہزار کے قافلے کو لے کر ۱۰ رمضان ۸ھ کو مدینے سے روانہ ہوئے۔

راستے میں حضرت عباسؓ نے جو ہجرت کر کے مدینہ آرہے تھے وہ بھی قافلے میں شامل ہو گئے۔

حضورؐ نے مکہ سے ایک منزل کے فاصلے پر مرّ الظہران کی وادی میں پڑاؤ ڈالنے کا حکم فرمایا۔ مکہ والوں کو لشکر اسلام کی مکہ کی طرف روانگی کی خبر لگ گئی تھی، لیکن مکہ میں رہ کر آنے والے وقت کا انتظار کرنے کے سوا کچھ ان کے بس میں نہ رہا تھا۔ وہ مسلمانوں کے ساتھ متعدد جنگوں

Marfat.com

مسلمانوں کی طرف سے معاشی ناکہ بندی اور قحط کی وجہ سے بہت کمزور ہو چکے تھے۔

ابوسفیان گاہے گاہے مکہ سے باہر آ کر حالات کی ٹوہ لگایا کرتا۔ اسی طرح ایک شب وہ بُدیل بن ورقا، اور حکیم بن حزام کو اپنے ہمراہ لیے مرّالظّہران تک پہنچا۔ مختلف مقامات پر بکثرت آگ کو روشن دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ سمجھ نہ پائے تھے کہ یہ کیا ماجرا ہے کہ اتنے میں اسلامی پہرہ دار آ گئے اور ان تینوں کو پکڑ کر حضورؐ کی خدمت میں لے گئے۔ بُدیل اور حکیم فوراً اسلام لے آئے اور اگلی صبح ابوسفیان نے بھی اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔

۲۰ رمضان المبارک ۸ھ کو لشکرِ اسلام مکہ کی طرف روانہ ہوا۔

خونریزی سے اجتناب

حضورؐ کی خواہش تھی کہ خونریزی سے اجتناب کیا جائے، چنانچہ آپؐ نے اسلامی لشکر کو حکم دیا کہ جو شخص اسلامی لشکر کا مقابلہ نہ کرے اسے امان ہے۔ جو شخص ابوسفیان یا حکیم بن حزام کے احاطے میں داخل ہو جائے اُسے امان ہے۔ جو شخص مسجد حرام میں داخل ہو جائے اسے امان ہے۔ جو شخص اپنے گھر میں دروازہ بند کر کے بیٹھ رہے اسے امان ہے۔

مکہ میں فاتحانہ داخلہ

مکہ کو جانے کے چار راستے ہیں۔ حضورؐ نے اسلامی لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کر کے حکم دیا کہ چاروں الگ الگ راستے سے مکہ میں داخل ہو کر ایک جگہ جمع ہوں۔ آپؐ نے مجاہدین کو سخت ہدایت فرمائی کہ جب تک مخالف پہل نہ کرے اس پر تلوار نہیں اٹھانی۔ حضورؐ پاک مکہ میں داخل ہوتے وقت اونٹنی پر سوار تھے۔ عجز و انکسار کی وجہ سے سر مبارک اتنا جھکایا ہوا تھا کہ آپؐ کی ریش مبارک کجاوے کو چھو رہی تھی۔

ابوسفیان اہلِ مکہ کا سردار تھا۔ اس نے ان سے کہہ دیا کہ جنگ نہ کرو اور حضورؐ نے جس جس شخص کو امان عطا کی تھی، ابوسفیان نے ان کو اس سے آگاہ کر دیا، چنانچہ لوگ بھاگ کر اپنے گھروں میں چلے گئے اور دروازے بند کر لیے۔ اسلامی لشکر پُرامن طور پہ مکہ میں داخل ہوا۔ صرف حضرت خالد بن ولیدؓ کے دستہ پر بعض قریشیوں نے تیر اندازی کی جس سے دو مسلمان شہید ہوئے۔ حضرت خالدؓ کی جوابی کارروائی سے ۱۳ کافر مارے گئے۔ اس کے سوا کسی کا کوئی نقصان نہیں ہوا۔

تطہیر کعبہ

خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے۔ آپؐ چھڑی سے ایک ایک بت کو ٹھوکا دیتے اور پڑھتے: حق آیا اور باطل چلا گیا۔ آپؐ نے تمام بُت تڑوا دیئے۔ اس طرح اللہ کے گھر کو بتوں سے پاک کر دیا۔

عام معافی کا اعلان

بیت اللہ کی بتوں سے تطہیر کے بعد آپؐ نے حاضرین سے خطاب فرمایا۔ آپؐ نے فرمایا: اے قوم قریش! اے اہلِ مکہ! تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تم سے کیسا سلوک کروں گا؟ اہلِ مکہ نے عرض کیا، ہمیں آپؐ سے بھلائی کی امید ہے۔

Marfat.com

کیونکہ آپؐ صاحبِ کرم بھائی ہیں اور صاحبِ کرم بھائی کے فرزند ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا: جاؤ تم آزاد ہو۔

اہلِ مکہ کی بیعت حضورؐ کی طرف سے عام معافی کے اعلان کے بعد اہلِ مکہ نے اسلام قبول کر لیا اور بیعت کے لیے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے مردوں کی بیعت حضورؐ نے خود لی جب کہ عورتوں کی بیعت میں حضرت عمرؓ نے آپؐ کی نیابت کی تاہم عورتوں کے سامنے بیعت کی شرطوں کا اعلان آپؐ نے خود فرمایا۔

مسلمانوں کی فتح کے اسباب

آٹھ ساڑھے آٹھ سال قبل مسلمان بڑی کسمپرسی کی حالت میں مدینہ کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے تھے۔ لیکن اتنے قلیل عرصے کے بعد آج مکہ کو مزاحمت کرنے کی جرأت بھی نہ ہوئی۔ اس کے چند اہم اسباب درج ذیل تھے۔

۱۔ نصرتِ خداوندی مسلمانوں کو اللہ تبارک و تعالیٰ کی نصرت حاصل تھی جبکہ کفار و مشرکین تائیدِ ایزدی سے محروم تھے۔ اس سے پہلے ہونے والی جنگوں میں بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح سے ہمکنار کیا تھا حالانکہ اس وقت وہ تعداد میں نسبتاً بہت کم اور اسلحہ اور مال میں بہت کمزور تھے۔

۲۔ قریش کا بہادر جرنیلوں سے محروم ہونا قریش کے تجربہ کار اور بہادر جرنیل یا تو مختلف جنگوں میں مارے جا چکے تھے یا پھر انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ جیسے حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ تھے۔ اکیلے بوڑھے ابوسفیان کے بس کی بات نہ تھی کہ وہ مسلمانوں کا مقابلہ کر سکتا۔

۳۔ بہتر جنگی حکمتِ عملی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیشہ کی طرح اس دفعہ بھی بہتر حکمتِ عملی اختیار کی۔ آپؐ نے مکہ پر چڑھائی کے ارادے کو پوشیدہ رکھا اور اچانک چڑھائی کی۔ پھر ابوسفیان اور دوسرے دوسرداروں کے سامنے فرمایا کہ اہلِ مکہ اگر قتال نہ کریں تو سب کو امان ہو گی۔ اس سے ان میں لڑنے کا جذبہ بالکل ختم ہو گیا۔

۴۔ مشرکین کا کمزور موقف مشرکین کا موقف نہایت کمزور تھا۔ بتوں اور توہمات کے لیے وہ کب تک مسلمانوں کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ صلح حدیبیہ کو توڑنے کے بھی وہ خود ہی ذمے دار تھے۔ کمزور موقف کے لیے انسان زیادہ دیر تک اور بہادری سے نہیں لڑ سکتا۔ اس کے مقابلے میں مسلمان حق پر تھے اور وہ حق پرست تھے

Marfat.com

عرب کے چاروں طرف سے مسلمان حج کے لیے اکٹھے ہو گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک لاکھ سے زائد مسلمانوں کے ایک عظیم الشان قافلہ حج کو لے کر حج بیت اللہ کے لیے مدینہ سے روانہ ہوئے یہ ذوالقعدہ کی ۲۶ تاریخ تھی۔

مدینہ منورہ سے چھ میل کے فاصلے پر ذوالحلیفہ کے مقام پر پہنچ کر جو مدینہ کی میقات (احرام باندھنے کی جگہ) ہے۔ آپؐ نے احرام باندھا اور تلبیہ کیا۔ ذوالحجہ کی چار تاریخ کو آپؐ مکہ میں داخل ہوئے۔ بیت اللہ کا طواف کیا۔ پھر مقام ابراہیم میں دو رکعت نماز پڑھی۔ صفا و مروہ کے درمیان سعی کی۔ جن لوگوں کے پاس قربانی کے جانور نہیں تھے انہیں احرام کھولنے کا حکم دیا۔ ۸ ذی الحجہ کو آپ نے تمام حاجیوں کے ساتھ منیٰ میں قیام فرمایا۔ ۹ ذوالحجہ کو صبح کی نماز ادا کر کے منیٰ سے عرفات آئے۔ ایک خیمہ میں قیام فرمایا۔ دوپہر ڈھل گئی تو اونٹنی پر سوار ہو کر میدان میں تشریف لائے اور اونٹنی پر سوار ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس کے بعد ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ پڑھی اور وہاں سے روانہ ہوئے۔ مزدلفہ پہنچتے ہی مغرب کی نماز ادا کی۔ پھر عشا کی نماز پڑھی۔ اس کے بعد آپ نے صبح تک آرام فرمایا۔ اگلی صبح نماز فجر ادا کر کے طلوع آفتاب سے پہلے مزدلفہ سے روانہ ہوئے۔ منیٰ میں پہنچے۔ آپؐ کے ساتھ قربانی کے سو اونٹ تھے۔ کچھ اونٹ اپنے دستِ مبارک سے ذبح کیے۔ باقی حضرت علیؓ نے آپؐ کی طرف سے ذبح کیے۔ آپؐ نے قربانی کے ان سو اونٹوں کا تمام گوشت وغیرہ خیرات کرنے کا حکم دیا۔ پھر مکہ جا کر بیت اللہ کا طواف کیا۔ ۱۲ ذی الحجہ تک آپؐ نے منیٰ میں قیام فرمایا۔ روزانہ رمی جمرات (شیطانوں کو کنکریاں مارنا) کرتے۔ ۱۳ ذی الحجہ کو آپؐ نے خانہ کعبہ کا طوافِ وداع کیا۔ صبح کی نماز ادا کی اور پھر مدینہ کی طرف واپسی کا سفر اختیار فرمایا۔

حجۃ الوداع کی اہمیت

بعثت کے بعد یہ نبی اکرمؐ کا پہلا اور آخری حج تھا۔ حج اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ یہی حج تھا جس میں حضورؐ نے مسلمانوں کو حج کے مسائل سکھائے۔ اگر لاکھوں مسلمانوں کی موجودگی میں آپؐ یہ حج نہ فرماتے تو ممکن تھا کہ حج کے مسائل میں کچھ ابہام رہ جاتے۔

اتنی بڑی تعداد میں مسلمانوں کا یہ پہلا اور آخری عظیم الشان اجتماع تھا جس میں خود پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ اقدس بھی موجود تھی۔ آپؐ نے اپنی امت کے اس عظیم اجتماع کو متعدد مواقع پر جو خطبات ارشاد فرمائے وہ اسلامی تعلیمات کا نچوڑ ہیں۔ لاکھوں مسلمانوں نے خود رسولِ اکرمؐ کی زبان مبارک سے اسلام کی اہم اور بنیادی تعلیمات اپنے کانوں سے سن لیں۔

خطبہ حجۃ الوداع

حجۃ الوداع کے ایام میں مختلف مواقع اور مقامات پر آپؐ نے مسلمانوں کو جو مختصر خطبات ارشاد

Marfat.com

فرمائے ان سب کو خطبۂ حجۃ الوداع کہتے ہیں۔ ان خطبات میں آپؐ نے قانون و اخلاق سے متعلق جو اقوال زریں ارشاد فرمائے ذیل میں ان کو یک جا طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ رسومِ جاہلیت کا خاتمہ آپؐ نے دورِ جاہلیت کی تمام رسوم کے خاتمے کا اعلان فرمایا: "سُن لو، جاہلیت کے تمام دستور میرے پاؤں کے نیچے باطل قرار دیئے جاتے ہیں"۔

۲۔ نسلی و نسبی امتیاز کا خاتمہ اے لوگو! بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے۔ غور سے سُن لو، عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر، سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں سوائے تقویٰ کے سبب سے"۔

۳۔ اخوتِ اسلامی "ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں"۔

۴۔ غلاموں سے نیک برتاؤ "تمہارے غلام! تمہارے غلام! جو خود کھاؤ ویسا ہی ان کو کھلاؤ اور جو خود پہنو ویسا ہی ان کو پہناؤ"۔

۵۔ دورِ جاہلیت کے خون معاف "جاہلیت کے تمام خون (یعنی ان کے انتقام) باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا خون یعنی ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون باطل کرتا ہوں"۔ (ربیعہ حضورؐ کے چچا زاد بھائی تھے)

۶۔ زمانۂ جاہلیت کے سود کا خاتمہ "جاہلیت کا سود باطل کر دیا گیا اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا سود یعنی عباسؓ بن عبدالمطلب کا سود باطل کرتا ہوں"۔

۷۔ عورتوں کے حقوق "عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو، تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے"۔

۸۔ جان و مال کی حرمت "تمہارے خون اور تمہارے اموال قیامت تک اسی طرح حرام ہیں جس طرح یہ دن اس مہینہ میں اور اس شہر میں حرام (حرمت والا) ہے"۔

۹ قرآن مجید کو مضبوطی سے تھام لو "میں تم میں ایک چیز چھوڑے جا رہا ہوں۔ اگر تم نے اس کو مضبوطی سے تھام لیا تو تم کبھی گمراہ نہ ہو گے، وہ

Marfat.com

چیز اللہ کی کتاب ہے۔

۱۰۔ وارث کے لیے وصیت جائز نہیں

"اللہ نے ہر حق دار کو اس کا حق دے دیا ہے۔ (یعنی وراثت کے حصے مقرر کر دیے ہیں) پس کسی وارث کے حق میں کوئی وصیت نہیں۔"

۱۱۔ انسان کا نسب

"اولاد اس کی ہے جس کے بستر پر پیدا ہوئی۔ زانی کے لیے پتھر ہے۔ اور ان کا حساب اللہ کے ذمے ہے۔ جو شخص اپنے باپ کے سوا کسی اور سے اپنے نسب کا دعویٰ کرے یا جو غلام اپنے آقا کے سوا کسی اور سے اپنے آپ کو منسوب کرے اس پر اللہ کی لعنت ہے۔"

۱۲۔ شوہر کی اجازت کے بغیر خرچ کی ممانعت

"عورتو سن لو، بیوی کو اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر کچھ دینا جائز نہیں۔"

۱۳۔ قرض، عاریت لوٹانے کا حکم

"قرض ادا کیا جائے، عاریت لوٹائی جائے، عطیہ لوٹایا جائے۔ ضامن تاوان کا ذمہ دار ہے۔"

۱۴۔ دین میں غلوّ کی ممانعت

"دین میں غلوّ سے اجتناب کرو، کیونکہ تم سے پہلی قوموں کو دین میں غلوّ نے ہلاک کیا۔"

۱۵۔ وداع کی طرف اشارہ

"حج کے مسائل سیکھ لو، کیونکہ مجھے معلوم نہیں کہ میں اس حج کے بعد کوئی اور حج کر سکوں گا۔"

۱۶۔ حرمت والے مہینوں کا تعیّن

"سال کے بارہ مہینے ہیں جن میں چار مہینے حرمت والے ہیں۔ تین تو متواتر ہیں۔ ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرّم اور (چوتھا) مضر کا مہینہ رجب ہے جو جمادی اور شعبان کے درمیان میں ہے۔"

۱۷۔ جان، مال، آبرو کی حرمت

"یقیناً تمہارے خون اور تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں تم پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح تمہارے اس دن کی، تمہارے اس مہینے میں اور تمہارے اس شہر میں حرمت ہے۔"

۱۸۔ گمراہی سے اجتناب کی تلقین

"عورتو سن لو! میرے بعد دوبارہ گمراہ نہ ہو جانا کہ تم ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔ عنقریب تم اپنے رب کے حضور میں پیش ہو گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی بازپرس کرے گا۔"

Marfat.com

۱۹۔ جرم کا وبال صرف مجرم پر • غور سے سن لو! ہر مجرم اپنے جرم کا خود ہی ذمہ دار ہے۔ غور سے سن لو! باپ کے جرم کا ذمہ دار بیٹا نہیں اور نہ ہی بیٹے کے جرم کا ذمہ دار باپ ہے۔"

۲۰۔ اطاعتِ امیر • اگر کوئی سیاہ فام نکٹا غلام تمہارا امیر بنا دیا جائے اور وہ تمہیں کتاب اللہ کے بموجب چلاتے تو تم اس کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو۔"

۲۱۔ کسی برائی کو معمولی نہ جانو • غور سے سن لو! بے شک شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا کہ کبھی تمہارے اس شہر میں اس کی پرستش کی جائے، لیکن تم اپنے جن (بُرے) اعمال کو حقیر جانو گے انہیں اعمال میں اس کی اطاعت ہو گی۔ اور وہ اسی پر راضی ہو جائے گا۔"

۲۲۔ حقوق اللہ • اپنے رب کی عبادت کرو، اپنی پانچوں نمازیں ادا کرو، اپنے (رمضان کے) مہینے میں روزے رکھو، اور جب میں تم کو حکم دوں اطاعت کرو تو تم اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔"

آپ نے آخر میں لوگوں سے پوچھا: کیا میں نے (اللہ کا پیغام) پہنچا دیا ہے؟ سب نے کہا: ہاں! آپؐ نے فرمایا: اے اللہ گواہ رہنا۔ پھر آپؐ نے لوگوں سے فرمایا: جو موجود ہے وہ اس تک (میری یہ باتیں) پہنچا دے جو موجود نہیں۔

خطبہ حجۃ الوداع کی اہمیت

۱۔ پہلی اور آخری مرتبہ اُمتِ مسلمہ کو اتنی کثیر تعداد میں جمع ہو کر اپنے نبی اکرمؐ سے براہِ راست وعظ و تلقین سننے کا موقع ملا۔

۲۔ نبی کریمؐ نے لاکھوں مسلمانوں کے اجتماع میں اسلامی تعلیمات کا نچوڑ پیش کیا۔ اسلام کی ان تعلیمات کی صداقت و حقانیت کے لاکھوں مسلمان گواہ ہیں کہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے رسولِ کریمؐ کی زیارت کر کے اپنے کانوں سے آپؐ کے یہ ارشادات سُنے۔ ان کی صحت کسی قسم کے شک و شبہے سے بالاتر ہے۔

۳۔ حجۃ الوداع کے موقع پر لاکھوں کا مجمع تھا اس لیے حضورؐ نے اسلام کی تمام اہم بنیادی اور ضروری تعلیمات اپنے خطبات میں ارشاد فرما دیں۔ خطبہ حجۃ الوداع اسلامی تعلیمات کا خلاصہ ہے۔ ان

Marfat.com

تعلیمات سے امت کے کسی فرد کو اختلاف کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔

۴۔ خطبہ حجۃ الوداع بنیادی حقوق کا چارٹر ہے اس میں انسان کے درج ذیل بنیادی حقوق کی صراحت فرما دی گئی۔

(۱) تمام انسان مساوی ہیں۔ رنگ، نسل، زبان وغیرہ کی بنیاد پر کسی کو دوسرے پر فضیلت نہیں سوائے تقویٰ کے، یعنی فضیلت کا معیار صرف اور صرف ذاتی سیرت و کردار ہے۔

(۲) جان، مال، آبرو ہر شخص کی یکساں طور پر قابلِ احترام ہے۔ ہر شخص کو ان تین چیزوں کے تحفظ کا حق حاصل ہے اور کسی بھی شخص کو دوسرے کی جان، مال یا آبرو کی بے حرمتی جائز نہیں۔

(۳) عورت کو مرد کے مساوی حقوق حاصل ہیں۔

(۴) غلام حسنِ سلوک کے حق دار ہیں۔ انہیں ویسا ہی کھلانا چاہیے جیسا خود کھاؤ اور ویسا ہی پہنانا چاہیے جیسا کہ خود پہنو۔

Marfat.com

رَسُولِ اکرَمْ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ

بحیثیتِ تاجر

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بعثت سے قبل خود تجارت کے پیشے سے وابستہ رہے اور بعثت کے بعد پیغمبر اسلام کی حیثیت سے تجارت کے اصول بھی بیان فرماتے لہٰذا اس مضمون کے دو حصے ہوں گے۔

۱۔ بعثت سے قبل حضورؐ کا شغلِ تجارت

۲۔ بعثت کے بعد تجارت کے بارے میں حضورؐ کی تعلیمات۔

بعثت سے قبل حضورؐ کا شغلِ تجارت

تجارت حضورؐ کا خاندانی پیشہ تھا

رسولِ کریمؐ کا قبیلہ قریش اور آپؐ کا خاندان بنو ہاشم تجارت پیشہ تھے۔ مکہ پورے عرب کا مذہبی اور تجارتی مرکز تھا۔ یہ شہر عرب کی منڈی تھی۔ حج کے موسم میں ہزاروں زائرین یہاں آتے اور تجارتی لین دین کرتے۔ قریش کی تجارت بیرونی ممالک شام، عراق، یمن، بحرین وغیرہ کے ساتھ بھی تھی۔ قریش کو چونکہ مذہبی پیشوائیت کا مقدس مقام و مرتبہ حاصل تھا اس لیے ان کے تجارتی قافلے پورے عرب میں اور عرب سے باہر امن و حفاظت کے ساتھ سفر کرتے تھے جس کا ذکر قرآنِ حکیم میں سورہ قریش میں بھی آیا ہے۔

حضورؐ کے چچا ابوطالب جن کی کفالت میں آپؐ نے پرورش پائی بھی تجارت کرتے تھے۔ نبی کریمؐ اپنے عہدِ طفولیت میں اپنے چچا کے ساتھ تجارتی سفروں پر تشریف لے جاتے تھے اس طرح جوان ہونے تک آپؐ کو پیشۂ تجارت اور کئی بیرونی ملکوں کی بابت خاصی معلومات حاصل ہو گئی تھیں۔ جوان ہونے پر فطری طور پر آپؐ کا میلان اسی پیشے کی طرف ہوا۔

صادق و امین کے القاب

۲۵ برس کی عمر سے پہلے ہی آپؐ کی صداقت و امانت کا شہرہ مکہ اور اس کے گرد و نواح میں پھیل چکا تھا۔

Marfat.com

لوگ آپؐ کو صادق اور امین کے نام سے پکارتے تھے۔ ظاہر بات ہے کہ لوگوں کے ساتھ آپؐ کا لین دین کا معاملہ ہوتا رہا۔ تبھی تو لوگوں کو آپؐ کے ان اعلیٰ اوصاف یعنی صداقت اور امانت داری کا پتا چلا۔ یہ القاب تو لوگوں کے ساتھ لین دین کے کافی معاملات ہونے کے بعد ہی دیئے جا سکتے ہیں۔ اگرچہ حضرت خدیجہؓ سے آپؐ کی شادی سے پہلے آپؐ کے شغلِ تجارت کی زیادہ تفصیلات نہیں ملتیں، لیکن آپؐ کے ان القاب سے نیز اس بات سے کہ حضرت خدیجہؓ نے آپ کی دیانت داری اور حسنِ اخلاق کا چرچا سن کر آپؐ کو اپنا سامانِ تجارت بیرونِ ملک لے جانے کی پیشکش کی تھی۔ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپؐ حضرت خدیجہؓ کا سامان لے جانے سے قبل بھی یقینی طور پر خاصا تجارتی لین دین کر چکے تھے اور اس تجارتی لین دین سے آپؐ کی دو خوبیاں سب سے نمایاں ہوئیں۔ صدق گوئی اور دیانتداری۔ یعنی آپؐ ایسے تاجر تھے جو ہمیشہ سچ بولتے، صحیح قیمت خرید بتاتے۔ اپنے مال کی خوبی اور عیب دونوں کو گاہک پر ظاہر فرماتے۔ عیب کو نہ چھپاتے، دھوکا نہ دیتے۔ اگر کوئی شخص شراکت پر آپؐ کو تجارت کے لیے مال فراہم کرتا تو اس کے ساتھ انتہائی دیانت داری کا معاملہ رکھتے۔ ہم ان القاب کی روشنی میں حضورؐ کے طریقۂ تجارت اور تجارتی اصول و اخلاق صاف طور پر معلوم کر سکتے تھے۔

معاوضے پر حضرت خدیجہؓ کے مال کی تجارت

رسولِ کریمؐ کا خاندان تجارت پیشہ تو ضرور تھا لیکن تھا غریب ممکن ہے کہ

حضرت خدیجہ کی طرف سے تجارت کرنے سے قبل ہی آپؐ دوسرے مالدار لوگوں کی طرف سے ہی تجارت فرماتے ہوں اور وہ مالدار لوگ آپؐ کے حسنِ اخلاق، بالخصوص دیانت داری سے بہت متاثر ہوئے ہوں گے اور انہی نے آپؐ کو صادق اور امین کہنا شروع کر دیا۔ بہرکیف آپؐ کے ان اخلاقِ فاضلہ کا چرچا مکہ کی سب سے مالدار خاتون حضرت خدیجہؓ بنت خویلد نے بھی سنا۔ حضرت خدیجہ کی دو دفعہ شادی ہوئی تھی اور اب وہ بیوگی کے دن گزار رہی تھیں۔ نہایت پاکدامن اور پاکیزہ خاتون تھیں اس لیے لوگ انہیں طاہرہ (پاکیزہ) کہتے تھے۔ دولتمند اس قدر تھیں کہ مکہ سے تجارتی قافلہ روانہ ہوتا تو اکیلا ان کا سامانِ تجارت باقی تمام قریش کے سامانِ تجارت کے برابر ہوتا تھا۔ حضورؐ کی شہرت سنی تو آپؐ کو پیش کش کی کہ میرا سامانِ تجارت بیرونِ ملک لے جا کر تجارت کریں میں جو معاوضہ دوسروں کو دیتی ہوں آپ کو اس سے دوگنا معاوضہ دوں گی۔ رسولِ اکرمؐ نے پیش کش قبول فرمائی اور حضرت خدیجہ کا سامانِ تجارت لے کر بصریٰ تشریف لے گئے۔ حضرت خدیجہؓ کا غلام میسرہ بھی آپؐ کے ہمراہ تھا۔ واپسی پر میسرہ نے حضرت خدیجہؓ کو آپؐ کے اخلاقِ فاضلہ کی جو باتیں بتائیں حضرت خدیجہؓ ان سے اس قدر متاثر ہوئیں کہ آپؐ کو شادی کا پیغام بھجوا دیا جسے آپؐ نے قبول فرما لیا۔

Marfat.com

حضورؐ نے کن ملکوں کے تجارتی سفر فرمائے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تجارت کے سلسلے میں متعدد ملکوں کے سفر فرمائے جن میں شام، یمن بحرین وغیرہ شامل ہیں۔ عام الوفود میں جب بحرین سے ایک وفد آیا تو آپؐ نے بحرین کے مختلف مقامات کا نام لے لے کر وہاں کا حال پوچھا تو وفد کے اراکین نے حیران ہو کر پوچھا کہ آپؐ تو ہمارے ملک کا حال ہم سے بھی زیادہ جانتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ میں نے تمہارے ملک کی خوب سیر کی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے تجارت کے سلسلے میں بارہا بیرونِ ملک سفر فرماتے تھے۔

حضورؐ کی تجارت کے بعض احوال

۱۔ ایک صحابی حضرت عبداللہ ابن ابی الحمساء سے روایت ہے کہ بعثت سے پہلے انہوں نے حضورؐ کے ساتھ خرید و فروخت کا کوئی معاملہ کیا، معاملہ ابھی پورا نہ ہوا تھا حضرت عبداللہؓ نے حضورؐ سے وعدہ کیا کہ پھر آؤں گا۔ اتفاق سے انہیں اپنا وعدہ یاد نہ رہا۔ تیسرے دن وعدہ یاد آیا تو وعدہ کی جگہ پر پہنچے اور حضورؐ کو وہاں اپنا منتظر پایا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ میں تین دن سے اسی مقام پر موجود ہوں۔ تجارتی لین دین میں ایفائے عہد کی یہ نہایت اعلیٰ مثال ہے۔

۲۔ حضرت سائبؓ جب اسلام قبول کر کے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو لوگوں نے ان کے بارے میں تعریفی کلمات کہے۔ آپؐ نے فرمایا! میں ان کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ حضرت سائبؓ نے عرض کیا! آپؐ پر میرے ماں باپ قربان، آپؐ تجارت میں میرے ساتھی تھے۔ آپؐ معاملے کو ہمیشہ صاف رکھتے تھے۔

۳۔ ایک اور صحابی قیس بن سائبؓ بھی آپؐ کے شریک تجارت رہے تھے۔ انہوں نے بھی تجارت میں آپؐ کے حسن معاملہ کی شہادت دی۔

۴۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ بازار میں شور نہیں کرتے تھے۔ یعنی نہ تو بعض تاجروں کی طرح اونچے لہجے میں اپنے سامانِ فروخت کی آواز لگاتے تھے اور نہ گاہک سے سودا وغیرہ کرنے کے وقت بلند آواز میں تکلم فرماتے تھے بلکہ دھیمے لہجے میں سادگی کے ساتھ معاملہ کرتے تھے۔

تجارت کے بارے میں حضورؐ کی تعلیمات

۱۔ بیع مبرور بیع مبرور کی آپؐ نے تاکید فرمائی ہے۔ بیع مبرور سے مراد ایسی تجارت ہے جو نیکی سے اور اچھے طریقے سے کی جائے، اس میں کوئی ناجائز یا ناشائستہ

Marfat.com

طریقہ اختیار نہ کیا جائے۔ باہمی بھلائی کا معاملہ ہو، نہ اس میں دھوکہ ہو، نہ خیانت اور نہ اللہ کی نافرمانی۔

۱۔ سچے، دیانت دار تاجر کا مرتبہ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے روز سچا اور امانت دار تاجر، انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ اُٹھے گا۔

۲۔ تجارت باہمی رضامندی سے ہو تجارتی لین دین میں دونوں فریقوں کی حقیقی طور پر باہمی رضامندی لازم ہے۔ اگر ایک فریق اضطراری حالت میں، یعنی مجبور ہو کر، تجارتی معاملہ کرے تو یہ معاملہ جائز نہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبر اور زبردستی کی بیع سے منع فرمایا ہے۔"

۴۔ نرمی اور فراخ دلی تاجر کا اخلاق اچھا ہونا چاہیے اور اسے تجارتی لین دین میں نرمی اور فراخ دلی سے کام لینا چاہیے۔ حضورؐ کا فرمان ہے کہ مومنین میں افضل وہ ہے جو خرید و فروخت میں فراخدلی سے کام لیتا ہے۔ ارشادِ نبویؐ کی رُو سے تجارتی معاملے میں نرمی اور فراخدلی سے کام لینے والا شخص جنت میں جائے گا۔

۵۔ درست ماپ تول اور معیاری پیمانے تاجر کو ماپ تول کی درستی کے بارے میں سخت محتاط ہونا چاہیے۔
حضورؐ کا فرمان ہے: "جب تولو جھکا کر تولو۔ جھکا کر تولنے سے کمی کا شبہ بھی جاتا رہتا ہے۔" ایک دفعہ ماپ تول کرنے والوں سے آپؐ نے فرمایا تمہارے سپرد ایسا کام کیا گیا ہے کہ اس میں سابقہ قومیں ہلاک ہو گئیں (یعنی ماپ تول میں بددیانتی کر کے جیسے حضرت شعیب کی قوم ہلاک ہوئی) ارشادِ نبویؐ ہے کہ جب کسی قوم میں ماپ تول میں کمی واقع ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ اس سے رزق روک دیتا ہے۔ ماپ تول کی درستی کے لیے ضروری ہے کہ پیمانے (باٹ، گز، میٹر وغیرہ) یکساں اور معیاری ہوں۔

۶۔ گرانی کی موجب دلالی کی ممانعت دلال، ایجنٹ اور آڑھتی ایسے تجارتی واسطے ہیں، جو کچھ کیے بغیر سب سے زیادہ کماتے ہیں۔ پیداکار (PRODUCER) اور صانع (MANUFACTURER) اپنی اشیاء معمولی قیمتوں پر فروخت کرتے ہیں، لیکن صارفین وہی اشیاء انتہائی گراں قیمتوں پر خریدتے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ تجارت کے یہ درمیانی واسطے ہیں۔ ان کی وجہ سے صارفین بھی لٹتے ہیں اور محنت کش پیداکار کے پلے بھی کچھ نہیں پڑتا جبکہ دلال، ایجنٹ اور آڑھتی نہایت خوشحال ہوتے ہیں۔ حضورؐ نے نظامِ تجارت سے ان درمیانی اور استحصالی واسطوں کو ختم کرنے کا حکم دیا ہے۔ حضورؐ کا فرمان ہے کہ دیہات سے جو مال شہر میں لایا جاتا ہے شہر میں رہنے والے کسی شخص کو اس مال کی دلالی

Marfat.com

کرنے کی اجازت نہیں، چاہے دلالی کرنے والا صاحبِ مال کا باپ یا بھائی ہی کیوں نہ ہو۔

۷۔ موجب تنازعہ تجارت کی ممانعت حضورؐ نے ایسے ہر قسم کے تجارتی معاملے سے منع فرمایا ہے کہ جس میں معاملہ ہو جانے کے بعد بھی جھگڑے کا امکان باقی رہتا ہے۔ مثلاً مال بیع یا اس کی قیمت یا نرخ کی وضاحت نہ کی گئی ہو یا ایک معاملے کو دو معاملے بنا لے۔ مثلاً وہ کہے کہ اگر نقد ادائیگی پر خریدے گا تو مالِ بیع کی قیمت ایک سو روپے ہے اور اگر ادھار پر خریدے تو ڈیڑھ سو روپے ہے۔ مالِ مجہول کی بیع سے بھی آپؐ نے منع فرمایا ہے۔ مختصر یہ کہ صرف وہ تجارتی معاملہ جائز ہے کہ جس کے ہو جانے کے بعد کسی جھگڑے کا امکان نہ رہے۔

۸۔ سودے پر سودا کرنے کی ممانعت حضورؐ نے سودے پر سودا کرنے سے منع فرمایا ہے قیمت چڑھانے کے لیے بولی دینے سے بھی منع فرمایا ہے۔ مثلاً ایک آدمی ایک چیز کا سودا کر لیتا ہے اور دوسرا آدمی زیادہ قیمت کی پیشکش کر کے اس کے سودے کو منسوخ کرا دے اور اسی چیز کا خود سودا کر لے تو یہ ناجائز ہے۔ اس سے ایک طرف تو چیزوں کی قیمتیں چڑھتی ہیں۔ دوسری طرف لوگوں میں باہم رنجشیں، کدورتیں اور نفرتیں پیدا ہوتی ہیں۔

۹۔ ملاوٹ کی ممانعت حضورؐ کا فرمان ہے: "جس نے ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں" شاید آپؐ نے پیش بندی کے طور پر یہ بات فرمائی ہو ورنہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اشیائے خورد و نوش میں ملاوٹ کا دھندا تو صرف برِصغیر میں پایا جاتا ہے۔ یہاں تو بازار سے کھانے پینے کی کوئی چیز خالص حالت میں (بغیر کسی قسم کی ملاوٹ کے) ملنا محال ہو گئی ہے۔ دوائیوں میں بھی ملاوٹ ہوتی ہے۔ برِصغیر کو چھوڑ کر باقی ممالک کے بارے میں اکثر و بیشتر یہی پڑھنے سننے میں آتا ہے کہ وہاں ملاوٹ کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔

۱۰۔ ذخیرہ اندوزی کی ممانعت حضورؐ نے ذخیرہ اندوزی (احتکار) سے منع فرمایا ہے۔ ذخیرہ اندوزی کرنے والے کو آپؐ نے ملعون قرار دیا ہے اور اس کے لیے جذام (کوڑھ) کی بددعا کی ہے۔ ایک حدیث میں انہیں قاتلوں کے برابر کے مجرم قرار دیا گیا ہے۔ حضورؐ کا فرمان ہے، غلہ کو بند رکھنے والے اور قاتلوں کا حشر ایک جیسا ہو گا۔ اسی طرح ارشادِ نبویؐ ہے جس نے چالیس دن تک مہنگائی کے انتظار میں غلہ روک کے رکھا نہ اس کا اللہ سے کوئی تعلق ہے اور نہ ہی اللہ کا اس سے۔

زیادہ قسمیں کھانے کی ممانعت حضورؐ نے تجارتی لین دین میں زیادہ قسمیں کھانے سے منع فرمایا ہے۔ بعض تاجر گاہک کو مال کی قیمت یا

Marfat.com

کوالٹی کے بارے میں یقین دلانے کے لیے، بار بار قسمیں کھاتے ہیں۔ زیادہ قسمیں کھانے والے کا اعتبار اُٹھ جاتا ہے۔ حضورؐ کا فرمان ہے زیادہ قسمیں کھانے سے اجتناب کرو، کیونکہ یہ طریقہ پہلے تو تجارت کو فروغ دیتا ہے لیکن پھر اسے برباد کر دیتا ہے۔

۱۲۔ مال کا عیب چھپانے کی ممانعت

نبی اکرمؐ نے مالِ فروخت کا عیب چھپانے کی ممانعت فرمائی ہے۔ ایک دفعہ حضورؐ نے بازار میں غلے کا ایک ڈھیر دیکھا۔ آپؐ نے اس ڈھیر کے اندر ہاتھ ڈالا تو آپؐ کی انگلیوں کو نمی لگ گئی۔ آپؐ نے اس کے مالک سے پوچھا: یہ کیا ہے؟ اس نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اس پر بارش پڑ گئی تھی۔ آپؐ نے فرمایا: تم نے اسے ڈھیر کے اوپر کیوں نہیں رکھا؟ کہ لوگ دیکھ لیں۔ جس نے دھوکے کا سودا کیا وہ ہم میں سے نہیں۔ حضورؐ کا فرمان ہے کہ جو تاجر اپنے سودے کے عیب کو ظاہر نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض رہتا ہے اور فرشتے اس پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔

۱۳۔ نرخ گراں کرنے کی ممانعت

نبی اکرمؐ کا فرمان ہے، نرخ گراں نہ کرو۔ (یعنی جس نے نرخ بڑھا کر گرانی (مہنگائی) پیدا کی اللہ پر لازم ہو جاتا ہے کہ قیامت کے روز اسے آگ کے بڑے حصے میں عذاب دے۔

تجارت، ظاہر ہے کہ حصولِ منفعت کے لیے کی جاتی ہے۔ منافع کس شرح سے لیا جائے اس کے اصول و ضوابط مقرر نہیں۔ منافع کی شرح متعین کرنا نہایت مشکل اور پیچیدہ مسئلہ ہے۔ اسلام نے یہ مسئلہ تاجر کے اپنے ضمیر پر چھوڑ دیا ہے۔ حضورؐ کے قائم کردہ معاشرے کے افراد اہلِ تقویٰ تھے۔ ان کے لیے تو محض اخلاقی ترغیب ہی کافی تھی۔ ہمارا معاشرہ جہاں جلبِ منفعت ایک جنون کی شکل اختیار کر گئی ہے پیسہ ہی ہر شخص کا دین ایمان ہو گیا ہے۔ ملاوٹ کر کے اپنے بھائیوں کی جانوں سے کھیلنا عام ہے۔ یہاں لوگوں کے ضمیر پر چھوڑ دینا بھی مشکل ہے۔ حکومت کا قیمتیں اور منافع مقرر اور نافذ کرنے کا موجودہ نظام نہ صرف غیر اسلامی بلکہ غیر مؤثر بھی ہے۔ موجودہ و مروجہ نظامِ معیشت میں اس کا اطمینان بخش حل تلاش کرنا ممکن نہیں، کیونکہ ایک سرے کو پکڑیں گے تو دوسرا ہاتھ سے چھوٹ جائے گا۔

۱۴۔ ایک فریق کے یقینی نقصان والے معاملے کی ممانعت

اسلام میں ایسے تجارتی معاملے کی ممانعت ہے جس میں ایک فریق کو تو فائدہ ہو لیکن دوسرے فریق کو یقینی طور پر نقصان ہو۔ مثلاً جوا، سٹہ، لاٹری وغیرہ ناجائز ہے۔ قرآن حکیم میں جوئے کو عملِ شیطان قرار دیا گیا ہے۔ (المائدہ ۵: ۹۰)

Marfat.com

۱۵۔ حرام اشیاء کی خرید و فروخت کی ممانعت

جن چیزوں کو اسلام میں حرام قرار دیا گیا ہے ان کی خرید و فروخت بھی ممنوع ہے۔ شراب، مردار، خون، خنزیر کا گوشت حرام ہیں، تو ان کی تجارت بھی حرام ہے۔ اسی طرح بتوں، مجسموں، مورتیوں، جانداروں کی تصویروں وغیرہ کی تجارت بھی ممنوع ہے۔ حدیث نبویؐ ہے۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ کو فتح کے سال، جب آپؐ مکہ میں تھے یہ کہتے سنا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی بیع کو حرام قرار دیا ہے۔ آپؐ سے عرض کیا گیا، یا رسول اللہ! مردار کی چربی کے بارے میں آپؐ کا کیا حکم ہے؟ وہ کشتیوں میں ملی جاتی ہے اور چمڑوں کو اس سے چکنا کیا جاتا ہے اور لوگ اس سے (دیئے وغیرہ میں جلاکر) روشنی حاصل کرتے ہیں' فرمایا: نہیں، یہ حرام ہے۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: یہود پر اللہ کی مار ہو کہ جب اللہ نے مردار کی چربی کو حرام قرار دیا تو وہ چربی کو پگھلاتے پھر اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت کھا جاتے۔

ابو حجیفہ سے روایت ہے کہ نبی اکرمؐ نے خون کی قیمت، کتے کی قیمت اور کسی عورت کی کمائی سے منع فرمایا ہے اور سود لینے اور سود دینے والے پر نیز جسم کو گوندھنے اور گندھوانے والی پر اور مصوّر پر لعنت فرمائی ہے۔

۱۶۔ اُدھار معاملہ کی کتابت کا حکم

سورہ بقرہ کی ایک طویل آیت (۲۸۲) میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اگر تم کسی مقررہ مدت کے لیے آپس میں ادھار کا لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔ پھر اس پر دو مردوں کو گواہ کر لو۔ اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہ بنا لو۔ معاملہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، اس کو تحریر میں لانے میں تساہل نہ کیا کرو۔ البتہ جو تجارتی لین دین دست بدست آپس میں کرتے ہو۔ اس کو اگر نہ بھی لکھو تو حرج نہیں، لیکن تجارتی معاملہ کرتے وقت گواہ کر لیا کرو۔ اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ ایسا کر لینے سے شکوک و شبہات میں مبتلا ہونے کا کم امکان ہے۔ اس میں شہادت قائم کرنا زیادہ آسان ہے۔ اور یہ طریقہ زیادہ قرین انصاف ہے۔ تجارتی لین دین میں ادھار تو عام طور پر چلتا ہے۔ اگر صرف یادداشت پر بھروسہ کیا جائے تو بھولنے اور شک و شبہ میں پڑنے کا امکان ہوتا ہے۔ اس سے بدگمانیاں، غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور بسا اوقات نوبت لڑائی جھگڑے تک پہنچ جاتی ہے۔ اسلام ایسا کوئی معاملہ کرنے کی اجازت نہیں دیتا جو کسی بھی وجہ سے بدگمانی، باہمی نفرت یا لڑائی جھگڑے کا باعث بنے۔

Marfat.com

رَسُولِ اَکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمْ

بحیثیتِ مُعَلِّم

ارشادِ نبوی ہے:

اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّماً مجھے تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔

ارشادِ ربانی ہے:

ترجمہ: بے شک اللہ نے مومنین پر احسان کیا کہ انہیں میں سے ان میں ایک رسول بھیجا جو ان کے سامنے ہماری آیات تلاوت کرتا ہے۔ انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے جب کہ وہ قبل ازیں کھلی گمراہی میں تھے۔

آپؐ کی تبلیغ ہی آپؐ کی تعلیم ہے۔ جس چیز کی آپؐ نے تعلیم دی وہ اسلام ہے۔ اور ہم سب بالواسطہ طور پر، آپؐ کی تعلیم ہی کی بدولت مسلمان ہیں۔ آپؐ کی تعلیم کا فیض قیامت تک جاری رہے گا۔

حضورؐ کی تعلیم کا نصاب

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم کا نصاب قرآن ہے جو کتاب بھی ہے اور حکمت بھی۔ آپؐ نے بعثت کے بعد ۲۳ سال تک قرآنِ حکیم کی تعلیم دی۔ قرآنِ حکیم کے اہم مضامین یہ ہیں۔

۱۔ مَا بَعد الطبیعیاتی حقائق۔ یعنی وجود باری تعالیٰ کی صفات، فرشتے، جنت، دوزخ، آخرت وغیرہ۔ ان حقائق کو ہم بنیادی عقائد کہتے ہیں۔

۲۔ حقوق اللہ، یعنی انسان اور اللہ کا آپس میں کیا تعلق اور رشتہ ہے۔ انسان پر اللہ تعالیٰ کے کرنے حقوق واجب الاداء ہیں۔ تمام عبادات، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ حقوق اللہ ہیں۔

۳۔ حقوق العباد، یعنی بندوں کے باہم تعلقات کیسے ہونے چاہئیں۔ ہر رشتے اور تعلق کے حوالے سے ان کے باہمی حقوق و فرائض کیا ہیں۔ والدین کے حقوق و فرائض، اولاد کے حقوق و فرائض، میاں بیوی کے حقوق و فرائض، ہمسایوں کے حقوق و فرائض، استاد اور شاگرد کے حقوق و فرائض، حکومت اور رعایا کے حقوق و فرائض وغیرہ۔

Marfat.com

۴۔ اخلاقیات یعنی اخلاقِ فاضلہ کو اپنانے کی ترغیب اور اخلاقِ رذیلہ سے اجتناب کرنے کی تلقین۔
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرآن کی ہدایات و تعلیمات کی توضیح و تشریح فرمائی اور اجمال کی تفصیل بتائی، قولی اور عملی دونوں طریقوں سے۔

حضورؐ کے طریقۂ تعلیم کی خصوصیات

۱۔ خود عملی نمونہ پیش فرماتے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طریقہ تعلیم کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ آپؐ نے جس چیز کی دوسروں کو تعلیم دی۔ پہلے اس پر خود عمل فرمایا اور اس چیز کا بے نظیر عملی نمونہ پیش کیا۔ عقائد کی تعلیم دی تو مابعد الطبیعاتی حقائق پر سب سے پختہ ایمان آپؐ کا تھا جس کا اظہار آپؐ کی حیاتِ طیبہ کے ہر ہر لمحے میں ہوا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ پر ایمان ...... اور اس کی مدد اور رحمت پر بھروسہ کرنے کی تعلیم دی تو خود اس کا بے مثال نمونہ پیش کیا۔ غارِ ثور میں جب دشمن غار کے دہانے پر آگیا، غزوہ بدر میں، غزوہ اُحد میں جب مسلمانوں کی فتح شکست میں بدل گئی۔ غزوہ حنین میں جب اسلامی لشکر میں افراتفری پھیل گئی۔ عبادات کی تعلیم دی تو خود سب سے زیادہ ان پر عمل فرمایا۔ رات بھر نماز میں قیام فرمانے سے پاؤں مبارک پر ورم آجاتا، بکثرت نفلی روزے رکھتے۔ حقوق العباد کی ادائیگی کا یہ عالم کہ اللہ کے رسولؐ اور اتنی بڑی مملکت کے حکمران ہونے کے باوجود اگر کوئی قرض خواہ آکر قرض کا تقاضا کرنے میں سختی اور بدتمیزی سے کام لیتا ہے اور صحابہ اس قرض خواہ کو سزا دینا چاہتے ہیں تو آپؐ صحابہؓ کو ایسا کرنے سے منع فرماتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں کہ اسے تقاضا کرنے کا حق ہے، تمہیں چاہیے تھا کہ مجھے حسن ادائیگی کے لیے کہتے، مرض الموت میں اعلان فرماتے ہیں کہ اگر میں نے کسی کے ساتھ کبھی کوئی زیادتی کی ہو تو اسی دنیا میں وہ مجھ سے انتقام لے لے۔ مکارمِ اخلاق کی معراج تھے۔ آپؐ نے اخلاقِ فاضلہ کو کمال تک پہنچا دیا۔

۲۔ نرم اور شیریں لہجے میں بات فرماتے

نبی اکرمؐ نرم اور شیریں لہجے میں بات فرماتے تھے آپؐ کی میٹھی میٹھی باتیں سامع کے دل میں اتر جاتیں۔ ہر شخص کو آپؐ کی باتیں سننے کا اشتیاق رہتا تھا، حالانکہ آپؐ کی باتیں اکثر اوامر و نواہی... ترغیبات و ترہیبات پر مشتمل ہوتی تھیں۔

۳۔ آہستہ آہستہ بات فرماتے

حضور پاکؐ آہستہ آہستہ بات فرماتے تاکہ سننے والا بات کو اچھی طرح سن لے اور یاد کر لے۔ آپؐ بات

Marfat.com

کے درمیان وقفہ بھی فرماتے۔ جہاں ضروری خیال فرماتے بات کو دو تین مرتبہ دہرا دیتے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی اکرمؐ جب گفتگو فرماتے تو درمیان میں وقفہ کرتے، بات کھول کر بیان فرماتے تاکہ سننے والا سن کر یاد کر سکے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ جب گفتگو فرماتے تو تین دفعہ دہراتے حتیٰ کہ آپؐ کی بات سمجھ لی جاتی۔

۴۔ کلام میں فصاحت و بلاغت

آپؐ کی گفتگو فصاحت و بلاغت کی جان ہوتی تھی۔ الفاظ کا چناؤ، جملے کی ترکیب وغیرہ اس طرح ہوتی کہ مفہوم کا مکمل ابلاغ ہو جاتا۔ جو کچھ آپؐ سمجھانا چاہتے سامع بھی وہی مفہوم اخذ کرتا، کسی قسم کا ابہام پیدا نہ ہوتا۔ حضور پاکؐ کو تمام عرب افصح العرب قرار دیتے تھے۔ یعنی عربوں میں فصیح ترین۔

۵۔ متعلّم کا معیار و نفسیات ملحوظ رکھتے

تمام صحابہؓ آپؐ کے شاگرد تھے۔ آپؐ جب بھی کسی سے خطاب فرماتے مقصد تعلیم ہی ہوتا تھا۔ آپؐ اپنے متعلّم یعنی مخاطب کی نفسیات اور معیار کو ہمیشہ ملحوظ رکھتے جس شخص میں جو کمزوری پاتے اس کی مناسبت سے بات فرماتے۔ ایک شخص نے اپنے اندر جھوٹ کے علاوہ شراب، بدکاری وغیرہ کی برائیاں بتائیں اور عرض کیا کہ ان میں سے کس کو چھوڑ دوں۔ آپؐ نے اس کی نفسیات کو پیشِ نظر رکھ کر اسے صرف جھوٹ چھوڑنے کی تلقین فرمائی۔ جھوٹ چھوڑا تو باقی سب بُرائیاں بھی چھوٹ گئیں۔

۶۔ مثالوں کا استعمال

آپؐ اکثر اپنے کلام میں مثالیں استعمال فرماتے تاکہ بات سننے والے کے اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ بنو فزارہ کا ایک آدمی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: میری بیوی نے ایک سیاہ فام بچے کو جنم دیا ہے جسے میں تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ (ماں باپ دونوں سفید رنگ کے ہیں تو ان کے ہاں سیاہ فام بچہ کیونکر پیدا ہو سکتا ہے) آپؐ نے فرمایا: تمہارے اونٹ ہیں؟ اس نے جواب دیا: جی ہاں! فرمایا: ان کے کیا رنگ ہیں؟ عرض کیا: سرخ۔ فرمایا: ان میں کوئی سیاہی مائل بھی ہے؟ عرض کیا: جی ہاں، سیاہی مائل ہے۔ فرمایا: وہ کہاں سے آگیا؟ عرض کیا! ہو سکتا ہے کہ اس کی اصل، نسب میں کوئی ایسا ہو۔ آپؐ نے فرمایا: ہو سکتا ہے کہ اس کی اصل، نسب میں بھی کوئی ایسا ہو۔

۷۔ مخاطب کی بولی اور لہجے میں بات فرماتے

تمام عربوں کی زبان تو ایک ہی تھی، یعنی عربی، لیکن اس کی بولیاں اور

Marfat.com

لہجے کئی تھے۔ ہر قبیلے کا اپنا مختلف لہجہ ہوتا۔ نبی کریم مخاطب کی بولی یا لہجے میں بات فرماتے تاکہ وہ بات سے فوراً مانوس ہو جائے اور بات اس کے دل میں اتر جائے۔ یہ تو طے شدہ بات ہے کہ مادری زبان میں انسان زیادہ آسانی سے اور جلدی سمجھتا ہے۔

۸۔ متعلم کی اکتاہٹ کا خیال فرماتے ایک اچھا اور کامیاب استاد وہ ہوتا ہے کہ جس کی تعلیم و تدریس کے دوران میں طالب علم میں اکتاہٹ پیدا نہ ہو۔ اگر طالب علم اکتا چکا، یا تھک گیا ہو تو ایسی حالت میں تعلیم کا اچھے سے اچھا طریقہ غیر مؤثر ہو جاتا ہے۔ حضرت ابنِ مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں وعظ کرنے میں دنوں کا وقفہ فرماتے۔ اس خیال سے کہ کہیں ہم اکتا نہ جائیں۔

۹۔ دلآزار تنقید سے پرہیز معلم کو بسا اوقات اصلاح کے لیے تنقید کرنا پڑتی ہے لیکن اگر اس تنقید میں دلآزاری کا پہلو ہو یا اس سے دوسروں کے سامنے طالب علم کی سبکی اور بدنامی ہوتی ہو تو اصلاح کا مقصد حاصل نہیں ہوتا، بلکہ وہ طالبعلم ڈھیٹ یا گستاخ ہو جاتا ہے یا معلم سے متنفر ہو جاتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کبھی کسی پر دلآزار تنقید نہ فرماتے۔ اگر تنقید کرنا ہوتی تو کسی کا نام لیے بغیر فرماتے کہ بعض لوگوں کو کیا ہوا کہ ایسا ویسا کام کرتے ہیں۔

۱۰۔ نرمی اور شفقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام لوگوں کے ساتھ (جو سب کے سب آپؐ کے متعلم تھے) نرمی اور شفقت کا سلوک فرماتے۔ اگر کوئی بدوی غیر مہذب زبان میں گفتگو کرتا، کوئی گنوار مسجد میں پیشاب کر دیتا تو آپؐ سختی نہ فرماتے بلکہ پیار سے اسے سمجھاتے۔ آپؐ جن صحابیوں کو دوسرے علاقوں میں معلم بنا کر بھیجتے انہیں بھی لوگوں کے ساتھ نرمی اور شفقت کا سلوک کرنے کی ہدایت فرماتے۔

۱۱۔ بے جا تعظیم کی ممانعت آپؐ اپنے شاگردوں (صحابہؓ کرام) کو نہ تو اپنی تعریف کرنے کی اجازت دیتے اور نہ ہی کسی طرح بے جا تعظیم کرنے کی۔ آپؐ نے اپنی تشریف آوری پر اپنی تعظیم میں صحابہؓ کو تعظیماً کھڑے ہونے سے منع فرما رکھا تھا۔ اپنے لیے تعریفی القاب بھی پسند نہ فرماتے تھے۔

۱۲۔ مرد و زن سب کو تعلیم فرماتے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تعلیم کے معاملے میں مرد اور عورت میں کوئی امتیاز روا نہ رکھتے تھے۔ آپؐ جس طرح مردوں کو تعلیم فرماتے، اسی طرح عورتوں کو بھی تعلیم فرماتے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے لیے ہفتہ میں ایک دن مخصوص کر دیا تھا۔

Marfat.com

۱۳۔ تعلیم کا مقام اور وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کے لیے نہ کوئی وقت مقرر کر رکھا تھا اور نہ ہی جگہ۔ ہر وقت اور ہر جگہ آپؐ تعلیم فرماتے رہتے تھے۔ اگرچہ خصوصی حلقۂ درس مکہ میں حضرت ارقمؓ کے گھر میں اور مدینہ میں مسجد نبوی اور صفہ میں قائم ہوتے لیکن آپؐ کے ساتھ جس وقت اور جہاں بھی کوئی صحابیؓ یا صحابیہؓ ہوتے آپؐ تعلیم فرماتے اگر کوئی شخص کوئی مسئلہ پوچھنے کے لیے حاضر ہوتا تو آپؐ اسے خوش آمدید فرماتے۔

بحیثیت سربراہِ مملکت تعلیم کا انتظام

حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے مدنی زندگی میں سربراہِ مملکت کی حیثیت سے بھی فرائض سرانجام دیئے۔ اب ہم مختصر طور پر بیان کریں گے کہ حضورؐ نے اس حیثیت میں تعلیم کے فروغ کے لیے کیا اقدامات کیے۔

۱۔ اہمیتِ علم اور تعلیم کی ترغیب حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے علم کی اہمیت پر بہت زور دیا اور اس کی بڑی فضیلت بیان فرمائی آپؐ نے علم حاصل کرنے اور علم سکھانے کی بھی اپنی اُمّت کو بہت ترغیب دی۔ اس ضمن میں حضورؐ کے چند ارشادات ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

۱۔ جو شخص علم کی جستجو میں (گھر سے) نکلے، وہ اللہ کی راہ میں ہے جب تک لوٹ نہ آئے۔
۲۔ علم حاصل کرو، خواہ اس کے لیے چین جانا پڑے، کیونکہ طلبِ علم ہر مسلمان پر فرض ہے۔
۳۔ جو شخص حصولِ علم کے لیے سفر کرے اللہ اسے (اس کے بدلے میں) جنّت کے راستوں میں سے ایک راستے پر چلاتا ہے اور فرشتے طالب علم کی خوشنودی کے لیے اس پر اپنے پَروں کا سایہ کر دیتے ہیں۔
۴۔ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔
۵۔ عالم کی فضیلت عبادت گزار پر ایسی ہے جیسے چودھویں کا چاند ستاروں پر فضیلت رکھتا ہے۔
۶۔ تجھے اس حال میں صبح کرنی چاہیے کہ یا تو عالم ہو۔ یا متعلم ہو، یا علم سننے والا ہو، یا علم سے محبت کرنے والا ہو۔ (ان چار کے علاوہ) کوئی پانچویں صورت اختیار نہ کرو، ورنہ تم ہلاک ہو جاؤ گے۔
۷۔ عالم اور متعلم دونوں اجر میں شریک ہیں۔

Marfat.com

۸۔ عالم کو عابد پر وہی فضیلت حاصل ہے جو مجھے تم میں سے ادنیٰ شخص پر حاصل ہے۔
۹۔ طلب علم کی حالت میں اگر طالب علم کو موت آجائے تو وہ شہید کی موت مرتا ہے۔

تعلیم کا انتظام

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تعلیم کے لیے متعدد عملی اقدامات فرمائے۔[1]

۱۔ صُفّہ۔ مسجد نبوی میں ایک احاطہ تھا جسے صُفّہ کہتے تھے۔ یہ ایک اقامتی درس گاہ تھا۔ یہاں مقامی اور دوسرے علاقوں سے آئے ہوئے طالب علم تعلیم پاتے اور قیام بھی یہیں کرتے۔ ان کی خوراک وغیرہ کا بندوبست بھی کیا جاتا تھا۔ نبی اکرمؐ خود اس کی نگرانی فرماتے تھے۔ آپؐ نے بعض صحابہؓ کو یہاں تعلیم دینے کے لیے مقرر کر رکھا تھا۔ یہاں مقیم طلبہ کی تعداد ستر تک بھی بتائی گئی ہے۔

۲۔ مدینہ منورہ میں نو مسجدیں تھیں (حضورؐ کے زمانے میں) ہر مسجد میں طلبہ کی تعلیم کا کام ہوتا تھا۔

۳۔ جو قبیلہ اسلام قبول کرتا حضورؐ پاک ان کی تعلیم کے لیے ان کے ہاں معلّم بھیجتے تھے۔ ہجرت سے قبل مدینہ منورہ میں حضرت مصعب بن عمیرؓ کو معلّم بنا کر بھیجا تھا۔

۴۔ صوبائی عاملوں کو آپؐ حکم فرماتے کہ وہ اپنے علاقے میں لوگوں کی تعلیم کا بندوبست کریں۔

۵۔ آپؐ کو تعلیم کا اس قدر خیال تھا کہ غزوۂ بدر کے موقع پر کفار کے جو آدمی جنگی قیدی بنے مگر زرِ فدیہ دے کر رہائی پانے سے قاصر تھے۔ آپؐ نے ان کا زرِ فدیہ یہ مقرر فرمایا کہ جو قیدی لکھنا جانتا ہے وہ مدینہ کے دس بچوں کو لکھنا سکھا دے تو اسے آزاد کر دیا جائے گا۔

حضورؐ کے زمانے میں نصابِ تعلیم

ظاہر بات ہے کہ حضورؐ کے عہدِ مبارک میں سب سے زیادہ زور قرآنِ حکیم کی تعلیم پر ہی دیا جاتا تھا۔ لیکن اس کے علاوہ حضورؐ نے حکم دیا تھا کہ نشانہ بازی، پیراکی، تقسیم ترکہ کی ریاضی، مبادی طب، علم ہیئت، علم انساب اور علم تجوید قرآن کی تعلیم دی جایا کرے۔[2] حضورؐ نے عورتوں کے لیے چرخہ کاتنا سب سے اچھا مشغلہ قرار دیا تھا۔[2]

---

[1] ڈاکٹر حمید اللہ، عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی ص ۲۰۴ تا ۲۰۵
[2] ڈاکٹر حمید اللہ، عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی ص ۲۰۶

Marfat.com

یہ بات ذہن میں رہے کہ عربوں میں اسلام سے قبل تعلیم و تعلم کا کم ہی رواج تھا۔ انہیں سب سے زیادہ شغف زبان دانی سے تھا۔ مختلف علوم کی طرف ان کا میلان بہت کم بلکہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ اس لیے قرآنِ حکیم کے علاوہ وہاں کسی علم پر کوئی کتاب شاید ہی کہیں موجود ہو، نہ ہی دیگر علوم و فنون رکھنے والے کوئی خاص علماء موجود تھے۔ عربوں کی رسائی زیادہ سے زیادہ مذکورہ علوم و فنون تک ہی ممکن تھی۔ اس لیے آپؐ نے ان علوم و فنون کی تعلیم کا حکم فرمایا۔ اگر ان کے علاوہ نفع بخش علوم سے عرب واقف ہوتے تو یقینی بات ہے کہ نبی اکرمؐ ان علوم کی تعلیم کا حکم بھی ضرور فرماتے۔
عرب صنعتوں سے بھی قطعی نابلد تھے۔ چرخہ کاتنے کا تھوڑا بہت رواج ہوگا، لہٰذا آپؐ نے عورتوں کو اس ہنر کی ترغیب دلائی۔ اگر عرب میں مفید صنعتیں ہوتیں اور عرب ان کی مہارت رکھتے تو لازماً حضورؐ پاک ان صنعتوں کی تعلیم کی بھی تلقین فرماتے۔

آپؐ نے قرآنِ حکیم کے علاوہ جن علوم و فنون کی تعلیم کی ہدایت فرمائی اور جن کی تلقین نہیں فرمائی اس سارے معاملے کو اس وقت کے معروضی حالات کے تناظر میں دیکھنا چاہیے۔ یہ سمجھ لینا کہ اسلام صرف دینی علوم کی تعلیم کا حکم دیتا ہے اور علم، معلم اور متعلم کی جو فضیلت قرآن و حدیث میں بیان ہوئی ہے وہ صرف دینی علوم کے لیے مخصوص ہے نہایت غلط بات ہے۔ آج ہم جدید علوم، بالخصوص فزیکل سائنسز اور جدید ٹیکنالوجی کو حاصل کیے بغیر نہ صرف یہ کہ خوشحال نہیں ہو سکتے، بلکہ فرض ہونے پر نہ جہاد کر سکتے ہیں، اور نہ اپنی معاشی و سیاسی آزادی برقرار رکھ سکتے ہیں۔ ہر چیز میں غیر مسلموں کے محتاج رہیں گے۔

Marfat.com

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

بحیثیتِ مبلّغ و داعی

مبلّغ و داعی کا مفہوم

مُبلّغ کا معنی ہے تبلیغ کرنے والا، یہ اسم فاعل ہے۔ بَلَّغَ یُبَلِّغُ سے جس کا مصدر ہے تبلیغ۔ تبلیغ کا معنی ہے آخری منزل تک پہنچا دینا۔ اچھی طرح پہنچا دینا۔ دینی اصطلاح میں تبلیغ سے مراد ہے: اللہ تعالیٰ کے پیغام کو اس کے بندوں تک ایسے عمدہ اور واضح طریقے سے پہنچا دینا کہ اس کی بابت ان کے ذہنوں میں کسی قسم کا ابہام یا الجھن باقی نہ رہے۔ یہ نہیں کہ اللہ کا پیغام پہنچا دیا۔ خواہ کسی کو سمجھ آئے یا نہ آئے۔ اسی لیے اس میں پیغام کی عملی توضیح بھی شامل ہے یعنی پیغام پر عمل کر کے دکھایا جائے۔ اس کے بعد فی الواقع کسی قسم کا ابہام باقی رہنے کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی۔

داعی بھی اسم فاعل ہے جس کا معنی ہے بلانے والا۔ اصطلاحی مفہوم ہے۔ اللہ کی طرف، حق کی طرف، اللہ کے دین کی طرف بلانے والا۔ داعی کے مقابلے میں مُبلّغ کا مفہوم زیادہ جامع اور وسیع تر ہے۔ دعوت صرف قولی ہوتی ہے جبکہ تبلیغ میں دعوت اور اس کی عملی توضیح دونوں شامل ہیں۔

حضورؐ کے فرائضِ دعوت و تبلیغ

ہر نبی مبلّغ و داعی ہوتا ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم بھی مبلّغ و داعی تھے۔ بحیثیت مبلّغ و داعی آپؐ کے جو فرائض تھے، یا یوں کہیے کہ آپؐ کی دعوت و تبلیغ سے باری تعالیٰ کو جن مقاصد کا حصول مطلوب تھا۔ ان کی بابت ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

(ترجمہ) یقیناً اللہ نے ایمان والوں پر یہ احسان کیا ہے کہ ان میں خود انہیں میں سے ایک رسولؐ مبعوث کیا ہے جو انہیں اس کی آیات سُناتا ہے، ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔" (آل عمران، ۳: ۱۶۴) اس آیت کریمہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپؐ کی

Marfat.com

دعوت و تبلیغ میں مندرجہ ذیل فرائض شامل تھے۔

۱۔ تلاوتِ آیات رسولِ اکرمؐ اللہ تعالیٰ کا پیغام بذریعہ وحی وصول فرماتے، اس کو یاد فرماتے، پھر لوگوں کے سامنے اس کی تلاوت فرماتے وحی کو وصول کرنا مشکل کام تھا۔ پھر اس کو لوگوں تک پہنچانا۔ ان کے سامنے آیاتِ کریمہ کی تلاوت کرنا جان جوکھوں کا کام تھا، کیونکہ ان آیات میں لوگوں کو ایک نئے دین، نئے عقائد و افکار کی دعوت دی جاتی تھی اور آباؤ اجداد کے دین کو ترک کرنے کی ہدایت کی جاتی تھی۔

۲۔ تزکیہ آپ کے فرائضِ تبلیغ میں یہ سخت دشوار بات بھی شامل تھی کہ آپؐ اہلِ ایمان کا تزکیہ کریں، یعنی جو لوگ آیاتِ الٰہیہ سن کر ایمان لے آئیں ان کو روحانی طور پر پاکیزہ کیا جائے۔ ان کے قلب و روح سے کفر و شرک، بدی اور گناہ کی تمام آلائشوں کو دور کر کے ان کو پاک کر دیا جائے تاکہ وہ بلند سیرت و کردار کے مالک بنیں، ان کے اخلاق نہایت اعلیٰ ہوں۔ وہ خواہشاتِ نفسانی اور دنیوی مال و متاع کی پرستش کو چھوڑ کر حق پرست بن جائیں۔

۳۔ کتاب و حکمت کی تعلیم تیسرا فریضۂ منصبی یہ تھا کہ آپؐ لوگوں کو کتاب یعنی قرآن حکیم اور حکمت یعنی دانائی کی تعلیم دیں۔ قرآن حکیم کا اسلوب ایجاز و اختصار کا ہے۔ کئی احکام مجمل طور پر بیان ہوئے ہیں۔ قرآن مجید کے مطالب کو صحیح طور پر آپؐ ہی سمجھتے تھے کہ آپؐ پر ہی اس کا نزول ہوا تھا۔ آپؐ صحابہ کرامؓ کو قرآنِ حکیم کے مطالب سمجھاتے تھے۔ آیاتِ قرآنیہ کے مفہوم کی بابت ان کے ذہنوں میں جو سوالات پیدا ہوتے تھے ان کے جواب بتاتے تھے۔

تمام بنی نوع انسان کے لیے مبلغ و داعی

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے انبیاء و رسل مبعوث ہوئے ان کا کام اس اعتبار سے قدرے سہل تھا کہ وہ کسی خاص قوم یا خطے کے لیے مبعوث ہوئے تھے جبکہ پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت تمام بنی نوع انسان کے لیے تھی۔ آپؐ نے صرف اپنے قبیلے، شہر، ملک یا قوم کو ہی اسلام کی دعوت نہ دینا تھی بلکہ تمام بنی نوع انسان تک اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام پہنچانا تھا، چنانچہ آپؐ نے اپنے ملک عرب کے تمام قبائل کو جن میں کفار و مشرکین تھے اور یہود و نصاریٰ بھی، اسلام کی دعوت دی۔ صلح حدیبیہ کے فوراً بعد، جب آپؐ کو قریشِ مکہ کی طرف سے کچھ سکون ملا، آپؐ نے عرب کے اردگرد کے ممالک کو حکمرانوں کو اپنے قاصدوں کے ہاتھ مکتوب ارسال فرمائے۔

Marfat.com

ان حکمرانوں میں قیصر روم، ایران کے کسریٰ، حبشہ کے سلطان، عزیز مصر، یمامہ کے سردار، شام کا حکمران اور والئ بُصریٰ شامل ہیں۔ صرف شاہِ حبشہ اصحمہ نجاشی نے اسلام قبول کر لیا۔ بہر حال آپؐ نے اردگرد کے تمام ممالک میں پیغامِ الٰہی پہنچا دیا۔

حضورؐ کے طریقۂ تبلیغ کی خصوصیات

۱۔ تبلیغ کے راہنما اُصول

اللہ تبارک و تعالیٰ نے رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دعوت و تبلیغ کا منصب جلیل سونپا تھا اور تبلیغ کے بنیادی اصولوں کی طرف خود ہی آپؐ کی راہنمائی بھی فرمائی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"(اے نبیؐ) اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت، موعظہ حسنہ کے طریقے سے دعوت دیجیے اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے مباحثہ کیجیے۔ (النحل ۱۶: ۱۲۵)

چنانچہ ربِ جلیل نے اس آیتِ کریمہ میں دعوت کے تین اصول بیان فرما دیئے۔

I۔ حکمت

حکمت سے مراد یہ ہے کہ دانشمندی سے اور حکیمانہ طریقے سے تبلیغ کی جائے۔ موقع محل کی مناسبت کو ملحوظ رکھا جائے۔ مثلاً اگر کوئی فرد یا جماعت کسی تفریحی مشغلے میں مگن ہوں تو اس موقع پر انہیں تبلیغ کرنا بے سود ہوگا، کیونکہ انہیں مبلغ کی بات سننے کی طرف رغبت نہ ہوگی۔ اسی طرح مخاطب کی ذہنی استعداد، اس کی نفسیات، اس کی معاشرتی و علمی حیثیت مرتبہ وغیرہ کا لحاظ رکھنا بھی حکمت میں شامل ہے۔

II۔ موعظہ حسنہ

اس سے مراد ہے عمدہ نصیحت۔ یعنی مخاطب کے دل میں کفر و شرک، بدی اور گناہ کے خلاف نفرت کو ابھارا جائے اور نیکی کی رغبت پیدا کی جائے لیکن ایسے طریقے سے کہ اسے اس نصیحت سے چڑ پیدا نہ ہو۔ وہ اس میں اپنی تحقیر و تذلیل نہ سمجھے بلکہ اسے یقین ہو کہ نصیحت کرنے والا صرف اور صرف اس کی خیر خواہی کے جذبے کے تحت نصیحت کر رہا ہے۔

III۔ مجادلہ حسن

اس سے مراد ہے: اچھے طریقے سے مباحثہ کرنا، دلپذیر طریقے سے استدلال کرنا۔ مقصد یہ نہ ہو کہ اپنے استدلال کے زور سے مخاطب کو شکست دے کر اسے خجل کیا جائے بلکہ ایسے دلائل دیے جائیں اور ایسے طریقے سے دیے جائیں کہ مخاطب کے قلب و ذہن میں اتر جائیں۔ وہ بات کو صدقِ دل سے قبول کر لے۔

رسول اکرمؐ نے اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ ان اصولوں کو اپنی دعوت و تبلیغ کا رہنما بنایا۔ آپؐ

Marfat.com

نے ہمیشہ ان اصولوں کو ملحوظ رکھا۔ آئندہ بیان ہونے والی خصوصیات درحقیقت اسی اجمال کی تفصیلات ہیں۔

۲۔ خفیہ، علانیہ تبلیغ

رسول کریمؐ نے اپنی تبلیغی سرگرمیوں کو ہمیشہ حالات کے مطابق جاری فرمایا۔ ابتداً خفیہ تبلیغ سے کی۔ صرف ان لوگوں کو دعوت دی جو آپؐ کو نہایت قریب سے جانتے تھے۔ آپؐ کے سیرت و کردار سے خوب واقف تھے اور جن کے دلوں کے آئینے صاف و شفاف تھے، چنانچہ یہ حضرات بلا تامل آپؐ پر ایمان لے آئے۔ اور آپؐ کے لیے تقویت کا سامان بن گئے۔ اگر آپؐ شروع ہی میں اعلانیہ تبلیغ فرماتے تو بہت ممکن تھا کہ قریش مکہ کی شدید مخالفت کی وجہ سے آپؐ کو یہ تقویت حاصل نہ ہو پاتی۔ اس کے بعد آپؐ نے علانیہ تبلیغ شروع کی تو سب سے پہلے اپنے قرابت داروں کو دعوت دی۔ پھر تبلیغ عام شروع فرما دی۔ حج کے موقع پر زائرین مکہ آتے تو چونکہ وہ لوگ مذہبی رسوم کی ادائیگی کے سنجیدہ اور مذہبی موڈ میں ہوتے تھے اس لیے اس موقع پر ان کو دعوتِ اسلام دینا مفید ثابت ہو سکتا تھا، چنانچہ آپؐ زائرین حج کے چھوٹے چھوٹے گروہوں کے پاس تشریف لے جا کر تبلیغ فرماتے۔ اس کے بہت اچھے نتائج برآمد ہوئے۔ آپؐ کو مدینہ کی شکل میں تبلیغ اسلام کا ایک نیا مرکز میسر آگیا۔ آپؐ نے جب محسوس فرمایا کہ اب اہل مکہ کفر و شرک پر مُصر ہو گئے ہیں تو آپؐ نے مکہ کو خیر باد کہہ دیا اور مدینہ ہجرت فرما گئے۔ صلح حدیبیہ کے بعد آپؐ کو اپنے ملک کے مخالفین سے ذرا اطمینان حاصل ہوا تو عرب کے ارد گرد کے ممالک کے حکمرانوں کو مکتوب ارسال فرما کے انہیں دعوتِ اسلام دی۔ غرض آپؐ نے ہمیشہ موافق اور ناسازگار حالات کے مطابق اپنی تبلیغی سرگرمیوں کو ترتیب دیا۔

۳۔ دل کو اپیل کرنے والے دلائل

رسول اکرمؐ کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ لوگ کفر و شرک کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لائیں اور غیر ذمہ دارانہ رویّہ ترک کر کے آخرت پر ایمان لا کر ذمہ دارانہ رویّہ اپنائیں۔ وجود باری تعالیٰ، توحید، آخرت، ایسے مابعد الطبیعیاتی ہیں کہ ان کو منطقی اور فلسفیانہ دلائل سے ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ اس مقصد کے لیے آپؐ نے ایسے دلائل دیئے جو دل کو اپیل کرتے تھے۔ اگرچہ نہایت سادہ اور عام فہم تھے۔

۱۔ سب سے پہلے اپنے ذاتی اوصاف کو دلیل کے طور پر استعمال کیا۔ آپؐ لوگوں میں صادق و امین کے طور پر مشہور تھے۔ لوگوں کو معلوم تھا کہ آپؐ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، ہمیشہ سچ بولا ہے۔ آپؐ نے کوہِ صفا پر اپنی پہلی دعوتِ عام میں اپنے صدق کو بطورِ دلیل استعمال کیا۔ یہ ایک بہت بڑی

Marfat.com

دلیل تھی کہ جب ہمیشہ سچ بولا ہے تو اب بھی سچ ہی فرما رہے ہیں۔ آپؐ کا بدترین مخالف ابو جہل بھی یہ کہتا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! بے شک تم ہمیشہ سچ بولتے ہو، لیکن تمہاری باتیں ہم نہیں مانتے۔ چنانچہ اس صورتِ حال کو قرآنِ حکیم میں یوں بیان کیا گیا:

(ترجمہ) بے شک یہ لوگ آپؐ کو تو نہیں جھٹلاتے، لیکن یہ ظالم اللہ کی آیات کو جھٹلاتے ہیں۔

(الانعام ۶: ۳۳)

آج تک دینِ اسلام کی حقانیت کی ایک بہت بڑی دلیل آپؐ کا صادق و امین ہونا ہے۔

۲۔ آپؐ نے کائنات یعنی آفاق و انفس سے استشہاد کیا۔ یہ اتنی بڑی کائنات اپنے آپ تو وجود میں نہیں آگئی۔ نیز یہ کائنات ایک نظام کے تحت چل رہی ہے، کبھی اس نظام میں خلل واقع نہیں ہوتا، تو ظاہر ہے کہ اس نظام کے پیچھے کوئی قادرِ مطلق ہستی کارفرما ہے دنیا میں کسی ایک علاقے یا ملک میں بیک وقت دو حکمران کبھی نہیں ہوتے۔ ایک حکمران کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا دعویدارِ حکومت اٹھ کھڑا ہو تو لازماً شدید جنگ ہوتی ہے اور خوب تباہی پھیلتی ہے۔ یہ ہمارا سب کا مشاہدہ ہے۔ اس امر واقعہ کو شرک کے خلاف بطور دلیل استعمال کیا گیا کہ اگر ایک سے زیادہ خدا ہوتے تو لازماً زمین و آسمان میں فساد برپا ہو جاتا۔

یہ سب دلائل ایسے ہیں کہ جو منطقی اور فلسفیانہ تو نہیں لیکن دل کو اپیل کرنے والے ہیں۔

۳۔ آپؐ نے کمال کی دلیل کو بکثرت استعمال کیا۔ آپؐ نے کمال (PERFECTION) والے خدا کا تصور دیا، جس کی ذات اور صفات کمال کے درجہ پر ہیں، ان میں کسی قسم کا کوئی نقص کمی یا عیب نہیں۔ یہ تصور اتنا اعلیٰ اور جامع ہے کہ دل کو اپیل کرتا ہے، دل قائل ہو جاتا ہے کہ خدا تو ایسا ہی ہو سکتا ہے۔ کمال کا تصور ہر ذہن میں موجود ہوتا ہے۔ دل چاہتا ہے کہ یہ محض تصور ہی نہ ہو، بلکہ حقیقت ہو۔ آپؐ نے جس کامل خدا کا تصور دیا۔ اس سے زیادہ کمال انسانی ذہن کے لیے ناقابلِ تصور ہے۔ اس تصورِ خدا سے نہ صرف وجودِ خدا پر بلکہ اس کی واحدانیت پر بھی انسان کا ایمان لانے کو جی چاہتا ہے کیونکہ کسی مخلوق میں تو یہ کمال دکھائی نہیں دیتا۔

۴۔ آخرت کے اثبات کے لیے آپؐ نے مقصدیت کی دلیل کو استعمال کیا کہ اس دنیا میں انسان کی تخلیق کا آخر مقصد کیا ہے؟ انسانی ذہن میں اکثر یہ سوال ابھرتا ہے کہ آخر مجھے کیوں پیدا کیا گیا؟ میری زندگی کا مقصد کیا ہے؟ پیدائش، جوانی، بڑھاپا اور موت، یہ ہر انسان کا مقدر ہے، تو اس سارے کھیل سے مقصود کیا ہے؟ زندگی ہر انسان کو عزیز ہے، پیاری لگتی ہے یہ حقیقت اس کے لیے سوہانِ روح ہے کہ بہت جلد اس سے یہ نعمت چھن جائے گی۔ اس

Marfat.com

سے وہ زندگی کو عبث سمجھ کر جھنجلا اٹھتا ہے۔ رسولِ اکرمؐ نے تصورِ آخرت اور اس طرح زندگی کے تسلسل کے تصور کو پیش کر کے انسان کے اس قلق و اضطراب کو دور فرمایا۔

۴۔ تدریج آپؐ نے اپنی دعوت و تبلیغ میں تدریج کے اصول کو ہمیشہ ملحوظ رکھا۔ سب سے پہلے صرف عقائد پر ایمان لانے کی تبلیغ کی۔ ایمان کے بعد اعمال صالح، یعنی ..... حقوق اللہ (عبادات) اور حقوق العباد کی بات کی، چنانچہ احکام والی آیات زیادہ تر مدنی زندگی میں نازل ہوئیں۔ پھر احکام میں بھی تدریج کو ملحوظ رکھا۔ پہلے قدرے آسان احکام، پھر مشکل تر، پھر اس سے مشکل، پہلے نماز کا حکم ہوا۔ پھر روزہ، زکوٰۃ اور حج کا۔ شراب کو بتدریج حرام قرار دیا گیا۔ سود کی حرمت کا حکم آخری دور میں نازل ہوا۔ اگر ابتدا ہی میں سارے احکام نازل ہو جاتے تو بہت ممکن تھا کہ لوگوں پر گراں گزرتے اور لوگ ایمان ہی نہ لاتے۔

۵۔ کلام میں شیرینی اور ٹھہراؤ رسول کریمؐ ہمیشہ آہستہ آہستہ اور ٹھہر ٹھہر کر کلام فرماتے تھے۔ ضرورت پڑتی تو بات کو تین تین مرتبہ بھی دہرا دیتے تاکہ سننے والا بات کو اچھی طرح سن کر، سمجھ کر، ذہن نشین کر لے۔ آپؐ کے لہجے میں شیرینی تھی، آپؐ کی باتیں سننے والے کو بھلی لگتی تھیں۔ آپؐ کی باتیں سننے کی دلوں میں رغبت ہوتی تھی چنانچہ مشرکین کے سردار لوگوں کو آپؐ کی باتیں سننے سے منع کرتے تھے کیونکہ انہیں یقین تھا کہ جو شخص آپؐ کی باتیں سن لے گا وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

۶۔ کلام میں فصاحت و بلاغت آپؐ فصیح و بلیغ عربی زبان میں گفتگو فرماتے تھے اس لیے آپؐ کو افصح العرب کہا جاتا ہے۔ الفاظ کا چناؤ، جملوں کی ترکیب وغیرہ ایسی ہوتی کہ سننے والے پر کوئی معنوی ابہام باقی نہ رہتا۔ وہ بات کے مطلب کو اچھی طرح سمجھ جاتا۔ دوسرے یہ کہ بات اس کے دل میں اُتر جاتی۔

۷۔ مخاطب کی زبان و لہجے میں بات تمام عرب کی زبان تو عربی ہی تھی لیکن مختلف قبائل کے لہجے مختلف تھے۔ زبان و لہجہ مخاطب کے دل میں اپنے لیے اُنس پیدا کرنے اور اس کے دل میں اپنی بات اتارنے (ابلاغ) کا نہایت مؤثر ذریعہ ہے۔ آپؐ ہمیشہ مخاطب کی زبان و لہجے میں بات فرماتے۔

۸۔ مخاطب کی نفسیات کا لحاظ تبلیغ کے مفید نتائج حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مخاطب کی نفسیات کو ملحوظ رکھا جائے۔ آپؐ ہمیشہ مخاطب کی نفسیات کو ملحوظ رکھا کرتے تھے۔ ہر شخص کی ذہنی استعداد اور انفرادی ضرورت کو پیشِ نظر رکھ کر اسے وعظ فرماتے۔ مبلغ کے مخاطب چھوٹے بڑے، مرد، عورتیں، آقا اور غلام، امیر اور غریب

Marfat.com

سزدار اور عام آدمی، سبھی قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ سب کو ایک لاٹھی سے ہانکا جاتے تو اس کے نتائج اچھے نہیں نکل سکتے۔ آپ نے مختلف اشخاص کے سامنے مختلف عبادات اور اخلاق کی جو سب سے زیادہ فضیلت بیان فرمائی ہے تو اس کی وجہ یہی ہے۔

۹۔ دل آزار تنقید سے پرہیز

آپ کا مقصد طرزِ کہن کو مٹا کر آئینِ نو لانا تھا۔ لوگ بُت پرستی اور توہمات کے دلدل میں پھنسے ہوتے تھے۔ انہیں توحید پرست اور حق پرست بنانا مقصود تھا۔ اس کے لیے جہاں توحید کے حق میں دلائل دینا ضروری ہے، وہاں بتوں اور توہمات کی پرستش کے نقصانات سے انہیں آگاہ کرنا بھی ضروری تھا، لیکن اگر یہ تنقید دل آزار ہو جائے تو سننے والوں میں چڑ، ضد اور عناد کے سوا کچھ پیدا نہیں ہوتا۔ حضور اکرمؐ نے ہمیشہ دل آزار تنقید سے اجتناب فرمایا۔ کبھی کفّار و مشرکین کے بتوں کے خلاف گالی گلوچ کی زبان استعمال نہیں کی۔ قرآنِ حکیم میں بھی آیا ہے کہ ان کے خداؤں کو گالی نہ دو، مبادا یہ نادانی میں اللہ کو گالی دے دیں۔ آپ کسی فرد میں بھی کوئی برائی دیکھتے تو اس کا نام لیے بغیر فرماتے کہ بعض لوگوں کو نہ جانے کیا ہوا ہے کہ ایسا کام کرتے ہیں۔ اگر دوسروں کے سامنے کسی شخص کا عیب ظاہر کر دیا جائے تو وہ بدنام اور رسوا ہو جاتا ہے پھر اس کی اصلاح کا مقصد حاصل نہیں ہوتا۔

۱۰۔ نرمی اور شفقت

آپ رحمۃ للعالمین تھے۔ سراپا رحمت، سراپا شفقت، ہمیشہ نرمی اور شفقت سے کام لیتے۔ کوئی زیادتی کرتا تو درگزر فرماتے۔ قرآنِ حکیم میں ارشادِ ربانی ہے: (ترجمہ) ۔ (اے نبیؐ) یہ اللہ کی بڑی مہربانی ہے کہ آپؐ اُن لوگوں کے لیے بہت نرم طبیعت واقع ہوئے ہیں۔ اگر آپؐ تند خُو اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپؐ کے اردگرد سے چھٹ جاتے (آلِ عمران ۳: ۱۵۹)۔ چنانچہ آپؐ ہمیشہ نرمی اور پیار سے سمجھاتے۔

۱۱۔ غایت درجہ دلسوزی اور خیر خواہی

محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں بنی نوعِ انسان کی بھلائی اور خیر خواہی کی شدید تڑپ موجود تھی، یہی تڑپ آپؐ کو بے قرار رکھتی تھی۔ لوگ تباہی و بربادی کے دہانے پر کھڑے تھے۔ آپؐ ان کو اس سے بچانا چاہتے تھے۔ لوگ نادانی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ آپؐ کی جان ان کے غم میں گھلی جاتی تھی، چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

(ترجمہ) "پس (اے نبیؐ) ان لوگوں کی خاطر غم و افسوس میں آپؐ کی جان نہ گھل جائے (فاطر ۳۵: ۸)

۱۲۔ صبر و ثبات

نبی اکرمؐ کا مشن بہت کٹھن اور دشوار تھا۔ آپؐ کو شدید ترین مخالفت و مزاحمت اور مصائب و مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن آپؐ نے انتہا درجے کے صبر و ثبات سے کام لیا۔ ایک لمحہ بھی ایسا نہیں آیا کہ آپؐ نے اپنی تبلیغی سرگرمیوں کو سرد یا سست پڑنے دیا ہو۔

Marfat.com

شعب ابی طالب میں محصوری کے تین سال کے عرصے میں بھی ان سرگرمیوں کو بدستور جاری رکھا۔ شروع ہی میں جب آپؐ کے بہت بڑے سہارے آپؐ کے پیارے چچا ابوطالب نے قریشِ مکہ کی دھمکیوں کے باعث آپؐ سے فرمایا تھا کہ مجھ پر اور اپنے آپ پر ترس کھاؤ، تو آپؐ نے جواب میں فرمایا تھا کہ اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند بھی رکھ دیں تو بھی میں اپنے اس مشن سے دستکش نہ ہوں گا۔

۱۳۔ اپنی تعلیمات پر خود عمل کرکے دکھایا آپؐ نے جس چیز کی لوگوں کو تعلیم دی سب سے پہلے خود اس پر عمل کرکے دکھایا۔ یہی فرق ہوتا ہے ایک نبی اور مفکر و فلاسفر کے درمیان۔ مابعدالطبیعیاتی حقائق پر ایمان لانے کی دعوت دی ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ تو ان حقائق پر سب سے پختہ ایمان کا خود مظاہرہ بھی فرمایا۔ مثلاً ہمیشہ اللہ ہی کی امداد پر بھروسہ کیا۔ اس کی رحمت و مدد سے کبھی مایوسی کا اظہار نہیں ہوا۔ عبادات کا حکم دیا تو سب سے زیادہ عبادت گزار آپؐ خود تھے۔ فضائل اخلاق کی تلقین فرمائی تو آپؐ خود فضائل اخلاق کے بلند ترین درجے پر فائز تھے۔ مساوات کا درس دیا تو پہلے خود اس پر عمل کرکے دکھایا۔ اپنے لیے کبھی کسی قسم کے امتیاز کو روا نہ رکھا۔ سادگی کی تعلیم دی تو خود سب سے زیادہ فقر اور سادگی کی زندگی بسر کی۔ حجۃ الوداع کے موقع پر جاہلیت کے خون کا انتقام منسوخ فرمایا تو ابتدا اپنے خاندان سے کی (ربیعہ بن حارث کا خون معاف فرمایا) زمانہ جاہلیت کا سود منسوخ فرمایا تو سب سے پہلے اپنے چچا عباسؓ کو واجب الادا سود منسوخ فرمایا۔

کامیاب ترین مُبلّغ

پوری دُنیا پر عیاں ہے کہ رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم بطور مبلّغ سب سے زیادہ کامیاب تھے۔ آپؐ کے زمانۂ حیات میں ہی اسلام پورے عرب میں پھیل گیا تھا بلکہ عرب کی حدود سے باہر بھی پھیلنے لگا تھا۔ پھر آپؐ کی سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ آپؐ نے ہزاروں کی تعداد میں صحابۂ کرام کی ایک ایسی جماعت تیار کر دی تھی جو بلند اخلاق، پختہ ایمان والے اور اعلیٰ سیرت و کردار کے حامل تھے۔ آپؐ نے ان سب کو اسلام کے مبلّغ بنا دیا۔ چنانچہ آپؐ کے وصال فرمانے کے بعد تھوڑے عرصے میں اسلام سندھ سے لے کر سپین تک پھیل گیا۔

Marfat.com

رسولِ اکرم صلّی اللہُ علیہِ وسلّم

بحیثیتِ سربراہِ خاندان

خاندان کی حدود استعمال میں پھیلتی سمٹتی رہتی ہیں، کبھی اس کا دائرہ اتنا وسیع ہو جاتا ہے کہ اس میں کئی معاشرتی اکائیاں شامل ہو جاتی ہیں اور کبھی یہ صرف ایک اکائی (میاں بیوی اور اولاد) کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ بطور سربراہِ خاندان کے بیان کرتے وقت حضورؐ کے پاک خاندان میں آپؐ کی ازواجِ مطہرات، آپؐ کی اولاد، آپؐ کے نواسے نواسیاں، حضرت علی کرم اللہ وجہہ (کہ ان کی تربیت بھی حضورؐ نے فرمائی تھی) اور آپؐ کے خدام (کہ انہیں بھی دارِ نبوت میں گھر کے افراد سا مقام و مرتبہ حاصل تھا) کو شامل سمجھیں گے۔

عائلی زندگی کے حوالے سے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی حیاتِ طیبہ کے دو پہلو استثنائی ہیں یعنی وہ صرف آپؐ کے لیے خاص تھے، ایک تو بیک وقت چار سے زیادہ ازواج رکھنے کا ہے (حضورؐ کے حرم پاک میں بیک وقت نو ازواجِ مطہرات رہیں) اور دوسرا فقرِ اختیاری ہے، یعنی رسولِ کریمؐ نے اپنے اہلِ خانہ کے لیے فقر اور غریبی کی زندگی کو اپنی مرضی سے اختیار فرمایا تھا، حالانکہ اگر آپؐ کی رضا ہوتی تو انہیں خاصی خوشحال زندگی میسّر آسکتی تھی۔ اُمّت کے افراد کے لیے بیک وقت زیادہ سے زیادہ چار ازواج رکھنے کی اجازت ہے اس سے زیادہ رکھنا حرام ہے۔ اسی طرح اُمّت میں کسی سربراہِ خاندان پر لازم نہیں کہ اپنے اہلِ خانہ کو اسی طرح فقر و افلاس کی گزران دے جس طرح حضورؐ نے اپنے اہلِ خانہ کو دی تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ تمام بنی نوعِ انسان اور بالخصوص مسلمانوں کے لیے بہترین قابلِ تقلید نمونہ ہے۔ آپؐ کی حیاتِ طیبہ بحیثیت سربراہِ خاندان بھی ایک اعلیٰ مثال ہے (مذکورہ دو استثنائی پہلوؤں کو چھوڑ کر) جس کی تقلید کرنے سے کوئی شخص اپنے خاندان کی بہترین انداز میں سربراہی کر سکتا ہے۔ سربراہِ خاندان کی حیثیت میں حضورؐ کی سیرتِ پاک کے چند نمایاں پہلو درج ذیل ہیں:

Marfat.com

ازواجِ مطہّرات سے مثالی سلوک

قرآن حکیم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (النساء، ۱۹)

ترجمہ: "اور ان (یعنی بیویوں) کے ساتھ بھلے طریقے سے رہو سہو۔"

یہ حکم تمام مسلمانوں کے لیے ہے، ظاہر ہے کہ رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مسلمانوں کے سامنے اس حکمِ الٰہی کی بھی اعلیٰ اور مثالی عملی تفسیر پیش کی تاکہ اس شعبے میں بھی آپؐ کی اتباع کرکے فلاحِ دارین حاصل کریں۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا اپنی ازواجِ مطہرات کے ساتھ حسنِ معاشرت کا اندازہ آپؐ کے ان ارشادات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے :

(۱) خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ وَاَنَا خَيْرُكُمْ لِاَهْلِيْ [۱]

ترجمہ: "تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے سب سے اچھا ہے اور میں اپنے گھر والوں کے لیے سب سے اچھا ہوں۔"

یہ ارشادِ گرامی اس مقدس ہستی کا ہے جس نے بچپن سے لے کر وصال تک ہمیشہ سچ بولا، جس کا لقب ہی صادق و امین تھا۔ جب آپؐ نے خود اپنے بارے میں فرمایا ہے کہ آپؐ اپنے گھر والوں کے لیے سب صحابہ کرامؓ کے مقابلے میں بہتر ہیں تو اس کے بعد یہ یقین نہ کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ ازواج کے ساتھ آپؐ کی معاشرت اور سلوک دنیا بھر کے انسانوں کے مقابلے میں بہترین اور مثالی تھا۔

(۲) خِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ [۲]

ترجمہ: "تم میں سے سب سے اچھا وہ ہے جو اپنی عورتوں کے حق میں تم میں سب سے اچھا ہے۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی اُمّت کے مردوں کو اس امر کی تلقین کی ہے کہ وہ اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں اور اچھا ہونے کا معیار بیوی کے حق میں اچھا ہونے کو قرار دیا تو خود آپؐ کا برتاؤ کتنا احسن و اعلیٰ ہوگا اس کا تصوّر کیا جا سکتا ہے۔

---

[۱] ترمذی، ابواب المناقب، باب فضل ازواج النبیؐ۔

[۲] ابنِ ماجہ، کتاب النکاح باب معاشرۃ النساء نیز ترمذی، کتاب النکاح، باب مَا جاء فی حق المرأۃ علی زوجہا۔

Marfat.com

مثال کے طور پر حضورؐ کی ازدواجی حیاتِ طیبہ سے چند واقعات ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

حضرت خدیجہؓ طاہرہ سے بے پناہ محبت

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سب سے پہلی بیوی تھیں۔ شادی کے وقت حضورؐ کی عمر مبارک پچیس برس جبکہ حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس برس تھی۔ آپؐ پر جب پہلی وحی نازل ہوئی اور آپؐ نے گھر آکر حضرت خدیجہؓ سے سارا واقعہ بیان فرمایا تو حضرت خدیجہؓ نے جس طرح آپؐ کی تصدیق کی، آپؐ کو تسلی دی اور حوصلہ دیا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہؓ آپؐ سے بہت محبت رکھتی اور آپؐ کا بہت احترام کرتی تھیں۔ حضورؐ کو حضرت خدیجہؓ سے بے حد محبت تھی۔ ذہنی سطح کے اعتبار سے بھی غالباً حضرت خدیجہؓ دوسری ازواج مطہرات کے مقابلے میں حضورؐ سے قریب تر تھیں۔ (جس کی ایک وجہ تو معلوم ہے کہ وہ حضورؐ سے عمر میں پندرہ برس بڑی تھیں)۔ حضرت خدیجہؓ اور حضرت ابوطالب کی وفات کے سال کو عام الحزن (غم کا سال) کہا جاتا ہے۔ اس سے بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضورؐ کو حضرت خدیجہؓ سے کتنی محبت تھی اور ان کی مفارقت سے آپؐ کو کس قدر صدمہ ہوا۔ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد تاحیات آپؐ نے ان کی یاد کو دل میں ہمیشہ زندہ اور تازہ رکھا اور انہیں کبھی بھلانہ پائے۔ آپؐ بعد میں اپنی ازواج مطہرات کے سامنے اکثر حضرت خدیجہؓ کا ذکر فرماتے، بکری ذبح کرتے تو حضرت خدیجہؓ کی سہیلیوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر گوشت تحفہ کے طور پر بھجواتے۔ جنگ بدر میں حضورؐ کے داماد ابوالعاص بھی قیدیوں میں تھے۔ ان کے پاس زرِ فدیہ نہ تھا۔ انہوں نے اپنی زوجہ حضرت زینبؓ کو، جو حضورؐ کی صاحبزادی تھیں اور مکہ میں تھیں، فدیہ کی رقم بھیجنے کے لیے کہلا بھیجا۔ حضرت زینبؓ نے زرِ فدیہ میں اپنا وہ ہار بھی بھیج دیا جو حضرت خدیجہؓ کا تھا اور حضرت خدیجہؓ نے انہیں جہیز میں دیا تھا۔ حضورؐ نے جب وہ ہار دیکھا تو بے اختیار آنکھوں میں آنسو آ گئے اور صحابہؓ سے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو بیٹی کو ماں کی یادگار واپس کر دوں۔ صحابہ کرامؓ کے کہنے پر آپؐ نے ہار واپس کر دیا۔

حضرت عائشہؓ صدیقہ سے محبت

حضرت خدیجہؓ آپؐ سے عمر میں پندرہ برس بڑی تھیں تو حضرت عائشہؓ تقریباً پینتیس چالیس برس آپؐ سے عمر میں چھوٹی تھیں اور حضرت عائشہؓ سے حضورؐ کی ازدواجی زندگی اس زمانے کی بات ہے جب فرائض نبوت و رسالت کے نہایت اہم اور نازک مرحلے میں تھے۔ دیارِ ہجرت میں قیام، قریشِ مکہ کی دشمنی، مدینہ کے منافقین اور یہودیوں کی سازشیں،

Marfat.com

مسلسل جنگیں، شریعت کے احکام کا نزول اور ان کی تبلیغ و تبیین کی ذمہ داریاں، مدینہ کی شہری ریاست کا قیام اور اس کا انتظام و انصرام ایسے حالات میں آپؐ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے جذبات و احساسات کا جس طرح احترام کیا یہ صرف آپؐ ہی کی ذات اقدس کا خاصہ ہے۔ چند واقعات بطور مثال درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت عائشہؓ حرم نبوی میں آنے کے بعد بھی گڑیوں سے کھیلا کرتی تھیں۔ ان کے پاس ان کی ہم عمر سہیلیاں آکر ان کے ساتھ کھیلتی تھیں۔ حضورؐ نے اس کی اجازت دے رکھی تھی۔

(۲) رسول اکرمؐ عید کے ایک روز حضرت عائشہؓ کے حجرے میں منہ پر کپڑا لیے سوئے ہوئے تھے حضرت عائشہؓ کی سہیلیاں گا بجا رہی تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ آئے تو انہوں نے لڑکیوں کو ڈانٹا۔ حضورؐ نے فرمایا، ان کو گانے دو، ان کی عید کا دن ہے[۱]

(۳) ایک دن چند حبشی مسجد میں کھیل رہے تھے۔ حضورؐ نے حضرت عائشہؓ کو اپنی چادر میں چھپا کر حبشیوں کا کھیل دکھایا[۲]

(۴) ایک دن حضرت عائشہؓ بنت ابوبکر صدیقؓ حضورؐ سے برہم ہو کر بلند آواز میں باتیں کر رہی تھیں۔ اتفاق سے حضرت ابوبکر صدیقؓ وہاں آئے۔ انہوں نے حضرت عائشہؓ کی بلند آواز سن لی تھی۔ اندر آئے تو حضرت عائشہؓ کو پکڑ کر انہیں تھپڑ مارنا چاہا اور ڈانٹا کہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے بلند آواز میں بولتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیچ میں آگئے اور حضرت ابوبکرؓ غصے کی حالت میں باہر چلے گئے۔ حضورؐ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا، کیوں؟ کس طرح تم کو اس آدمی سے بچا لیا! چند روز بعد حضرت ابوبکرؓ پھر آئے تو دونوں میں صلح کی حالت دیکھ کر کہا، مجھے بھی اپنی صلح میں شریک کرو جس طرح اپنی لڑائی میں شریک کر لیا تھا۔ حضورؐ نے فرمایا، ہاں ہاں[۳]

۳۔ تمام ازواجِ مطہرات کے احساسات کا احترام

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام ازواجِ مطہرات کے لطیف سے لطیف احساسات کا احترام فرماتے تھے۔ عورت مرد کے مقابلے میں زیادہ جذباتی اور حساس ہوتی ہے، حضورؐ نے اس حقیقت کو ہمیشہ خود بھی ملحوظ رکھا اور امت کو بھی ایسا کرنے کی تعلیم دی۔ حضور کا ارشاد ہے: عورتوں کے ساتھ بھلائی کرو کیونکہ ان کو پسلی سے پیدا کیا گیا ہے اور پسلی میں سے سب سے ٹیڑھی چیز اس کے اوپر کا حصہ

---

[۱] مسلم، کتاب الفضائل باب فضائل عائشہ۔ [۲] مسلم، کتاب الفضائل باب نظر المرأة الی الحبش۔ [۳] ابوداؤد، کتاب الادب باب ماجاء فی المزاح۔

Marfat.com

ہے۔ اگر تو اسے سیدھا کرنے چلا تو اسے توڑ دے گا اور اگر اسے اپنے حال پر چھوڑ دیا تو وہ ہمیشہ ٹیڑھا ہی رہے گا، پس عورتوں کے ساتھ بھلائی کیا کرو[1]۔ مثال کے طور پر چند واقعات درج ذیل ہیں:

(۱) اُم المؤمنین حضرت صفیہؓ۔ یہودی قبیلہ بنو نضیر کے سردار حیّیؔ بن اخطب کی بیٹی تھیں، یعنی قریش میں سے نہ تھیں۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت زینبؓ نے حضرت صفیہؓ کو نسب میں کمتر ہونے کا طعنہ دیا اور جتایا کہ ہم تم سے افضل ہیں۔ حضرت صفیہؓ کو اس سے بہت دکھ پہنچا، انہوں نے حضورؐ سے روتے ہوئے اس کی شکایت کی۔ آپؐ نے فرمایا، تم نے ان سے یہ کیوں نہ کہا کہ ہارونؑ میرے باپ، موسیٰؑ میرے چچا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے شوہر ہیں، اس لیے تم مجھ سے افضل کیونکر ہو سکتی ہو[2]۔

ملاحظہ کیجیے کس طرح حضورؐ نے حضرت صفیہؓ کے احساسات کا پاس کیا۔ آپؐ خود بھی قریش سے تھے، قریش سے ہونے کو افضلیت کی وجہ نہیں بننے دیا۔

(۲) ایک دفعہ حضرت عمر فاروقؓ کو گھر میں ان کی بیوی نے کسی معاملے میں مشورہ دیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا، تم کو ان معاملات میں کیا دخل ہے؟ وہ بولیں، تم میری بات پسند نہیں کرتے حالانکہ تمہاری بیٹی (یعنی اُم المؤمنین حضرت حفصہؓ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برابر کا جواب دیتی ہے۔ حضرت عمرؓ حضرت حفصہؓ کے پاس آئے اور کہا، بیٹی تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیتی ہو یہاں تک کہ آپؐ دن بھر رنجیدہ رہتے ہیں۔ حضرت حفصہؓ نے جواب دیا، ہاں! ہم (یعنی میں اور دوسری ازواجِ مطہرات ایسا کرتی ہیں)، اس پر حضرت عمرؓ نے اپنی صاحبزادی حضرت حفصہؓ کو عذابِ الٰہی سے ڈرایا اور آئندہ آپؐ کے ساتھ ایسا رویّہ اختیار کرنے سے منع فرمایا۔ (بخاری)

حضورؐ پیغمبر اعظم و آخر ہیں، امام الانبیاء ہیں، اتنی عظیم المرتبت ہستی اور ازواجِ مطہرات کو اس قدر آزادی، یہ سب کچھ حضورؐ کی شفقت کی بنا پر تھا۔ آپؐ نے ازواجِ مطہرات کو اپنے جذبات کے اظہار کی مکمل آزادی دے رکھی تھی، حالانکہ آپؐ ان کے شوہر ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے نبی و رسول بھی تھے۔ آپؐ کا ایسا مشفقانہ برتاؤ ان کے احساسات و جذبات کے احترام کے طور پر تھا۔

(۳) ایک دفعہ سفر میں ازواجِ مطہراتؓ آپؐ کے ہمراہ تھیں۔ انجشہ نام کا ایک شیریں آواز

---

[1] بخاری، کتاب النکاح باب المداراۃ مع النساء۔ مسلم، کتاب النکاح باب الوصیۃ بالنساء۔ [2] ترمذی، ابواب المناقب، باب فضل ازواج النبیؐ۔

Marfat.com

والا حدی خوان آگے آگے حدی خوانی کر رہا تھا۔ اونٹ تیز چلنے لگے تو آپؐ نے فرمایا کہ انجشہ آہستہ آہستہ چل، دیکھ، کہیں آبگینے نہ ٹوٹ جائیں[1]

عورتوں کی نزاکتِ طبع کی وجہ سے آپؐ نے انہیں آبگینوں سے تشبیہ دی ہے۔

(۴) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ مجھے دنیا میں سے عورتیں اور خوشبو محبوب ہیں اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے[2]

حضورؐ کے اس ارشاد سے ظاہر ہے کہ آپؐ ازواجِ مطہرات سے بہت محبت اور شفقت فرماتے تھے۔

۴۔ عدل و انصاف

حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم تمام ازواجِ مطہرات سے مساویانہ سلوک فرماتے تھے۔ ہر زوجۂ مطہرہ کا الگ حجرہ تھا، ہر ایک کو برابر وقت دیتے تھے۔ ہر ایک کی باری مقرر تھی۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنی بیویوں میں وقت تقسیم فرماتے تھے پھر فرماتے تھے، اے اللہ جو میرے اختیار میں ہے اس بارے میں نے یہ کر دیا ہے اور جس پر تیرا اختیار ہے اور میرا کوئی اختیار نہیں اس کی بابت تو مجھے ملامت نہ کرنا[3] یعنی وقت برابر برابر تقسیم کرنا میرے اختیار میں تھا سو میں نے کر دیا، رہا دل میں کسی کے لیے محبت کا زیادہ یا کم ہونا تو یہ تیرے اختیار میں ہے۔ آپؐ سفر پر تشریف لے جاتے تو اپنی ازواجِ مطہرات کے بارے میں قرعہ اندازی فرماتے کہ کس کو ہمراہ لے جانا ہے[4] جس مرض میں آپؐ کا وصال ہوا اس کے دوران حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں قیام فرمانے کے لیے دوسری ازواجِ مطہرات سے باقاعدہ اجازت لی تھی[5]

اولاد سے محبّت

رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم بے حد شفیق باپ تھے۔ آپؐ کو اپنی اولاد سے بہت محبت تھی اور آپؐ اس محبت کا اظہار بھی فرماتے تھے۔ حضرت انسؓ بن مالک حضورؐ کے خادموں میں سے تھے الخ

---

[1] بخاری، کتاب الادب باب المعاریض مندوحۃ عن الکذب۔ مختلف الفاظ میں کئی روایات بیان کی گئی ہیں۔ [2] النسائی، کتاب عشرۃ النساء، باب حب النساء۔ [3] ابوداؤد، کتاب النکاح باب فی القسم بین النساء۔ [4] ابوداؤد، کتاب النکاح باب فی القسم بین النساء۔ [5] بخاری، کتاب النکاح باب اذا استاذن الرجل نسائہ۔

Marfat.com

کا کہنا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اہل وعیال پر مہربان کوئی نہیں دیکھا۔[1]
نمونے کے طور پر آپؐ کی شفقت ومحبت کے چند واقعات ذیل میں بیان کیے جاتے ہیں:

(۱) آپؐ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کی مدینہ منورہ میں ولادت ہوئی تو آپؐ نے بہت خوشی کا اظہار فرمایا۔ ولادت کی خوشخبری سنانے والے شخص کو ایک غلام عطا فرمایا، عقیقہ کیا اور سر کے بالوں کے برابر چاندی صدقہ میں دی۔ اس کی رضاعت کا خوب اہتمام فرمایا۔ آپؐ حضرت ابراہیم کو ان کی رضاعی ماں کے گھر دیکھنے جاتے، انہیں گود میں لیتے اور بوسے دیتے۔ پھر جب حضرت ابراہیم کا بچپن میں ہی انتقال ہوا تو اُن کی وفات پر آپؐ بہت غمگین ہوتے اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

(۲) آپؐ کو اپنے نواسوں حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ سے بے حد محبت تھی۔ آپؐ انہیں بڑے پیار سے کھلاتے تھے۔ اپنے کندھوں پر انہیں سوار کر لیتے، انہیں بوسے دیتے اور فرماتے' اے اللہ میں ان سے محبت رکھتا ہوں تو بھی ان سے محبت کر۔ آپؐ نماز پڑھتے تو حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ آپؐ کی پشت پر چڑھ جاتے اور آپؐ انہیں اتارتے نہیں تھے۔ اسی حالت میں نماز پڑھ لیتے۔ اسی طرح آپؐ کو اپنی نواسی حضرت امامہ بنت ابوالعاصؓ (حضرت زینبؓ کی بیٹی) سے بھی محبت تھی، اُسے بھی آپؐ پیار سے کھلاتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ آپؐ کے کندھے پر سوار تھی۔ آپؐ نے اسی حالت میں نماز پڑھی۔ جب رکوع فرماتے تو اسے اتار دیتے اور جب کھڑے ہوتے تو اسے اٹھا لیتے۔

(۳) آپؐ کو حضرت فاطمہؓ سے بہت محبت تھی۔ حضرت فاطمہؓ جب آپؐ کی خدمت میں تشریف لاتیں تو آپؐ کھڑے ہو جاتے، ان کی پیشانی چومتے اور اپنی جگہ پر انہیں بٹھاتے۔ آپؐ جب کبھی سفر پر جاتے تو سب سے آخر میں حضرت فاطمہؓ سے ملنے جاتے اور سفر سے واپسی پر سب سے پہلے حضرت فاطمہؓ سے ملتے۔

(۴) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چار صاحبزادیاں تھیں، حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ، حضرت ام کلثومؓ اور حضرت فاطمہؓ۔ آپؐ نے سب صاحبزادیوں کے اپنے گھر بسانے کا پورا اہتمام فرمایا، جو ایک ذمہ دار اور شفیق باپ کے لیے اعلیٰ مثال ہے۔ آپؐ کے سارے داماد، ابوالعاصؓ (حضرت زینبؓ کے شوہر)، حضرت عثمان غنیؓ (حضرت رقیہؓ کے شوہر) اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ (حضرت فاطمہؓ کے شوہر) اپنی بیویوں کے حق میں بہت اچھے تھے اور آپؐ ان کے حسن سلوک کی بہت قدر فرماتے تھے۔ حضرت رقیہؓ فوت ہوئیں تو حضرت عمرؓ نے اپنی بیوہ بیٹی حضرت

---

[1] ابن سعد: طبقات

Marfat.com

حفصہؓ کو حضرت عثمانؓ کے عقد میں دینا چاہا۔ حضورؐ کو اپنی صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ کا گھر آباد کرنے کی فکر تھی۔ آپؐ نے حضرت حفصہؓ سے خود نکاح فرمالیا اور حضرت ام کلثومؓ کو حضرت عثمانؓ کے عقد میں دے دیا۔ حضرت علیؓ نے ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا تو آپؐ نے انہیں ایسا کرنے کی اجازت نہ دی اور فرمایا کہ جس نے فاطمہؓ کو ناراض کیا اور دکھ دیا اس نے مجھے ناراض کیا اور دکھ دیا، فاطمہؓ میری لخت جگر ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی جمع نہیں ہو سکتیں[۱] ان باتوں سے پتا چلتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کتنے شفیق باپ تھے اور آپؐ کو اپنی اولاد سے کتنی محبت تھی۔

رسول کریمؐ نے اپنی امت کو بھی بچوں سے شفقت کرنے اور بیٹے اور بیٹی میں امتیاز نہ کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ آپؐ کا ارشاد ہے کہ جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے[۲] ایک دفعہ آپؐ نے حضرت امام حسنؓ کو بوسہ دیا۔ آپؐ کے پاس اقرعؓ بن حابس بیٹھے ہوئے تھے۔ اقرعؓ نے کہا، میرے دس بچے ہیں میں نے ان میں سے کسی کو بوسہ نہیں دیا۔ آپؐ نے اس کی طرف دیکھا اور فرمایا، جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا[۳] حضورؐ کا فرمان ہے، جس کی بچی ہو اور وہ اسے زندہ درگور نہ کرے اور نہ اس کی توہین کرے اور اس پر اپنے بیٹوں کو ترجیح نہ دے اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا[۴]

اولاد کی تربیت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت پا کر صحابہ کرامؓ نے ہر شعبہ میں دنیا کی امامت کی تو آپؐ نے اپنی اولاد کی تربیت کس اعلیٰ درجے کی کی ہوگی اس کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ آپؐ کے صاحبزادے تو کمسنی میں ہی وفات پاگئے تھے، چار صاحبزادیوں نے بڑی عمر پائی، چاروں نے انتہائی خوشگوار ازدواجی زندگی بسر کی جو ان کی عمدہ تربیت کا واضح ثبوت ہے۔ حضرت فاطمہؓ جنت کی عورتوں کی سردار ہیں۔ حضرت علیؓ کی تربیت بھی آپ نے فرمائی تھی، وہ اخلاق حسنہ کے جس اعلیٰ مرتبے پر تھے اس سے سبھی آگاہ ہیں۔ حضرات حسنینؓ کی حق پرستی

---

[۱] بخاری، کتاب المناقب باب اصہار النبی۔ مسلم، کتاب الفضائل باب من فضائل فاطمہ۔ [۲] ترمذی، ابواب البر والصلہ، باب ماجاء فی رحمۃ الصبیان۔
[۳] بخاری، کتاب الادب باب رحمۃ الولد۔ [۴] مسلم، کتاب البر والصلہ باب فضل الاحسان الی البنات۔

Marfat.com

اور پاکیزگی بے مثال ہے۔ الغرض حضورؐ کی اولادِ پاک کی اخلاقی بلندی کو بیان کرنا ایسا ہے جیسے سورج کی روشنی کے بارے میں گفتگو کی جائے۔ آپؐ نے اپنی طیب اولاد کی جس طرح تربیت فرمائی وہ ہر باپ کے لیے بہترین مثال ہے۔

خدّام سے حُسنِ سلوک

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خدّام کے ساتھ ایسا سلوک فرماتے تھے کہ انہیں گھر کے افراد کی سی قدر و منزلت حاصل تھی۔ آپؐ نے اپنے غلاموں کو آزاد فرما دیا تھا لیکن وہ آپؐ کی شفقت و رحمت سے محروم ہونے کو تیار نہ تھے۔ حضرت زیدؓ بن حارثہ کو آزاد فرما دیا تھا، ان کے والد انہیں لینے کے لیے آئے مگر حضرت زیدؓ نے باپ کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ عمر بھر حضورؐ کی خدمت میں رہے۔ آپؐ نے حضرت زیدؓ کو اپنا متبنّیٰ بنا رکھا تھا۔ آپؐ نے حضرت زید کا نکاح اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ سے کرا دیا۔ حضرت زیدؓ کے بیٹے حضرت اسامہؓ سے آپؐ کو بے حد محبت تھی۔ آپؐ اسے بہت پیار کرتے تھے۔ وصال سے قبل آپؐ نے شام کی طرف جو لشکر روانہ فرمایا اس کا سپہ سالار حضرت اسامہؓ کو بنایا اور بڑے بڑے جلیل القدر صحابہؓ حضرت اسامہؓ کی کمان میں تھے۔ حضرت انسؓ بن مالک اور حضرت بلالؓ بھی حضورؐ کے خادموں میں تھے۔ حضورؐ کے حُسنِ سلوک کا اثر تھا کہ وہ آپؐ پر دل و جان سے فدا تھے۔

نظم و ضبط

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ازواجِ مطہرات اور طیب و طاہر اولاد سے بے حد محبت و شفقت فرماتے تھے اور ان کے لطیف ترین احساسات کا بھی احترام فرماتے تھے لیکن دین کے بارے میں آپؐ نے پورا نظم و ضبط برقرار رکھا ہوا تھا۔ آپؐ تو تمام لوگوں کے تزکیہ و تعلیم کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔ پھر آپؐ کے اپنے گھر کے افراد اس سے کیسے محروم رہتے۔ اس بارے میں آپؐ نے ان پر خصوصی عنایت فرمائی۔ بے پناہ محبت و شفقت کے ساتھ سخت نظم و ضبط کے امتزاج کے بغیر سربراہِ خاندان کی ذمے داریاں احسن طریقے سے پوری نہیں ہو سکتیں۔ اس ضمن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ بہترین نمونہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مرضی سے فقیرانہ زندگی کو اختیار فرمایا تھا۔ مہینہ مہینہ

Marfat.com

چولہا نہیں جلتا تھا، آپؐ اور گھر کے افراد کھجور پر ہی گزر کر لیتے تھے[1] فتوحات سے مدینہ منورہ میں ڈھیروں مالِ غنیمت آیا۔ غریب سے غریب صحابیؓ بھی خوشحال ہو گئے، آپؐ کو مالِ غنیمت میں سے حصہ تو ملتا تھا لیکن آپؐ حاجت مندوں میں خیرات کر دیتے تھے۔ کبھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھر میں مال و زر جمع نہیں ہوا، بلکہ آپؐ قرض لے لے کر، اپنی ذاتی استعمال کی اشیاء گروی رکھ کر حاجت مند مسلمانوں اور اپنے افرادِ خانہ کی ضروریات پوری فرماتے۔ آپؐ کے وصال کے وقت آپؐ کی زرہ گھریلو ضروریات کے لیے ایک یہودی کے ہاں گروی رکھی ہوئی تھی۔

جب سارا عرب آپؐ کے زیرِ حکومت آ گیا تو ازواجِ مطہرات کی طرف سے خرچے میں اضافہ کا مطالبہ ہوا، آپؐ نے اسے منظور نہ فرمایا، بات بڑھی تو آپؐ نے ناراض ہو کر گھر میں ان سے علیحدگی اختیار کر لی۔ آخر وحی نازل ہوئی[2] جس کے حکم کے مطابق آپؐ نے ازواجِ مطہرات کو اختیار دے دیا کہ چاہیں تو حسبِ سابق فقیرانہ زندگی پر قناعت کر لیں ورنہ طلاق لے کر الگ ہو جائیں۔ ازواجِ مطہرات نے سرِ تسلیم خم کر دیا اور حضورؐ کی زوجیت کو خوشحال زندگی پر ترجیح دی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فقیرانہ زندگی ایک استثنائی کیفیت ہے، جو حضورؐ نے خاص اپنے اور اپنے اہلِ خانہ کے لیے اپنی مرضی سے اختیار فرمائی تھی اور اُمت پر اسے لازم نہیں ٹھہرایا تاہم حضورؐ کی حیاتِ طیبہ کے اس پہلو سے مسلمانوں کو یہ اصولی راہنمائی ضرور ملتی ہے کہ محبت و شفقت کے اظہار کے لیے گھر والوں کے قدموں میں زیورات، قیمتی خلعتوں، سامانِ آرائش اور آسائشوں کے انبار لگانا ضروری نہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی طریقے ہیں۔

---

[1] بخاری، کتاب الرقاق باب کیف کان عیش النبی۔ [2] دیکھیے سورہ الاحزاب، ۳۳: ۲۸ تا ۲۹۔

Marfat.com

رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم

بحیثیتِ سپہ سالار

حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا تھا۔ آپ رؤوف و رحیم تھے، معلّمِ اخلاقِ حسنہ اور داعیٔ توحید تھے۔ آپ نے دعوتِ حق کے سلسلے میں بڑی تکالیف اٹھائیں، مصائب جھیلے اور دکھ پہنچانے والوں کے خلاف کبھی بددعا نہیں فرمائی۔ کفارِ مکہ کی ایذا رسانیوں سے تنگ آکر اذنِ الٰہی سے آپؐ اور صحابہ کرامؓ مدینہ ہجرت فرما گئے۔ دشمنانِ حق نے پھر بھی معاندانہ سرگرمیاں جاری رکھیں اور آخر کار وہ سفاکی پر آ گئے اور مرنے مارنے پر اُتر آئے۔ آپؐ کو اور آپؐ کے پیروکاروں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے انہوں نے جنگ و جدال کا راستہ اختیار کر لیا۔ حضورؐ کو دفاع کرنا پڑا۔ حق و باطل کے ان معرکوں میں آپؐ نے اپنی سپاہ کی قیادت فرمائی۔ بطور سپہ سالار آپؐ کی سیرتِ طیبہ کے اتنے پہلو ہیں کہ ان سب کا مختصر طور پر صرف ذکر کر دینا بھی یہاں ممکن نہیں۔ صرف چند پہلوؤں کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا جائے گا۔

جنگ کے مقاصد

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام محسنِ انسانیت ہیں، آپؐ تو لوگوں کی زندگی سنوارنے اور ان کی اصلاح کے لیے مبعوث ہوئے تھے، انسانوں کو تہہ تیغ کرنے کے لیے نہیں۔ آپؐ کو تمام جنگیں دفاع کے لیے لڑنا پڑیں، اس میں بھی طریقہ جنگ یہ رکھا کہ جانی و مالی نقصان کم از کم ہو۔ اپنی طاقت کی دھاک بٹھانا، لوگوں کو زبردستی اپنا مطیع بنانا، مالِ غنیمت کے طور پر دشمن کے اموال حاصل کرنا، دشمن سے انتقام لینا، انتقام کے طور پر دشمن پر قتل و غارت مسلط کرنا، سلطنت کی توسیع کرنا یا کسی بھی قسم کا کوئی مادی و دنیوی مفاد حاصل کرنا آپؐ کے جنگ کے مقاصد میں شامل نہ تھا۔ آپؐ کا مقصدِ جنگ دشمن کو ہلاک کرنا بھی نہ تھا بلکہ صرف اس کے شر کو دور کرنا تھا۔

جنگ میں اعلیٰ اخلاقی اقدار کا احترام

چونکہ آپؐ کا جنگ کرنے کا مقصد اپنا دفاع کرنا اور فتنہ و فساد برپا کرنے والوں کی اصلاح تھا اس لیے آپؐ نے جنگ کے دوران بھی اعلیٰ اخلاقی اقدار کو ہمیشہ ملحوظ رکھا اور امت کو

Marfat.com

اس امر کی تعلیم بھی دی۔ یہ اعلیٰ اخلاقی اقدار درج ذیل ہیں:۔

۱۔ دشمن قوم کے جو لوگ عملاً جنگ میں حصہ لینے کے اہل نہیں انہیں قتل نہ کیا جائے، مثلاً بچے، بوڑھے، عورتیں، بیمار، زخمی، اندھے، پاگل، معبدوں کے مجاور، خانقاہ نشین وغیرہ۔

۲۔ دشمن کو زندہ جلانے کی ممانعت کر دی۔

۳۔ دشمن کو باندھ کر اور ایذا دے دے کر قتل کرنے (قتل صبر) کی ممانعت کر دی۔

۴۔ مثلہ کرنے (یعنی ہاتھ، پاؤں، کان، ناک وغیرہ کاٹنے) کی ممانعت کر دی۔

۵۔ جنگی قیدی کو قتل کرنے کی ممانعت کر دی۔

۶۔ دشمن کے علاقے میں لوٹ مار کرنے، فصلوں اور باغات کو اجاڑنے، کسی چیز کو نذرِ آتش کرنے اور کسی قسم کی تباہ کاری کرنے کی ممانعت کر دی۔

۷۔ دشمن صلح پر آمادہ ہو جائے تو جنگ روک کر صلح کرنے کی ہدایت کر دی۔

۸۔ بر سرِ جنگ دشمن سے بھی بد عہدی نہ کی جائے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جنگ میں جن چیزوں کی ممانعت فرمائی یہ سب چیزیں اس زمانے میں ہر قوم میں جائز بلکہ حق سمجھی جاتی تھیں۔ اس زمانے میں ہی نہیں غیر مسلموں میں تو یہ چیزیں بیسویں صدی عیسوی میں بھی جائز سمجھی جاتی رہی ہیں۔ دو عالمی جنگوں میں دونوں فریقوں نے ایک دوسرے کے خلاف ان سب چیزوں کو روا سمجھا تھا۔ ۱۹۹۱ء میں امریکہ نے عراق پر کارپٹ بمباری کی اور ہتھیار پھینک کر کویت سے واپس عراق جانے والے نہتے ہزاروں عراقی فوجیوں کا بمباری کر کے قتلِ عام کیا۔ جنگ میں یہ اعلیٰ اخلاقی اقدار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے متعارف کرائیں اور یہ صرف مسلمانوں میں پائی جاتی ہیں۔ اہلِ اسلام نے ہمیشہ جنگوں میں ان کو ملحوظ رکھا ہے۔

سپاہ کی اعلیٰ اخلاقی تربیت

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجاہدینِ اسلام کی اعلیٰ اخلاقی تربیت فرمائی تھی۔ آپؐ کا تو مشن ہی لوگوں کو کتاب و حکمت کی تعلیم دینا اور تزکیۂ باطن کرنا تھا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اخلاقِ فاضلہ کے مالک۔ اور نہایت متقی اور پارسا لوگ تھے۔ یہ نہیں کہ سپہ سالار خود تو اعلیٰ اخلاقی اقدار کا حامل ہو مگر اس کی سپاہ کے لوگ بداخلاق، ظالم، سفاک، مال و زر کی حرص کے اسیر ہوں، ایسی صورت میں اکیلا سپہ سالار رفعِ شر اور اصلاح نہیں کر سکتا۔ چنانچہ آپؐ نے مجاہدین کی خوب اخلاقی تربیت فرمائی۔ آپؐ کی سپاہ کا جنگ کرنے کا مقصد بھی وہی تھا جو آپؐ کا تھا۔ اکثر غزوات میں آپؐ نے خود قیادت فرمائی اور آپؐ پورا اہتمام فرماتے تھے

Marfat.com

کہ آپؐ کے لشکر کا ہر سپاہی اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کرے۔ جن جنگوں میں آپؐ نے خود شرکت نہیں فرمائی بلکہ کسی صحابیؓ کی کمان میں لشکر یا دستہ بھیجا آپؐ نے روانہ فرماتے وقت انہیں ہمیشہ تقویٰ اور پارسائی کو اختیار کیے رکھنے کی ہدایت فرمائی۔

سپاہ کا مقصد اور نظریہ پر پختہ یقین

بطور سپہ سالار کے آپؐ کا سب سے بڑا کمال یہ تھا کہ آپؐ نے اپنی فوج کے ہر ہر سپاہی میں اپنے مقصد اور نظریے کی حقانیت پر پختہ یقین پیدا کر دیا تھا۔ جب تک فوج کو اپنے مقصد اور نظریے کی سچائی کا پکا یقین نہ ہو وہ جنگ میں ثابت قدمی سے بہادری کے جوہر نہیں دکھا سکتی جبکہ صحابہ کرامؓ نے تمام جنگوں میں صبر و استقامت سے کام لیتے ہوئے دلیری اور شجاعت کے ایسے جوہر دکھائے جو رہتی دنیا تک یاد رکھے جائیں گے۔ یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ انہیں اپنے موقف کے سچا ہونے پر پختہ یقین تھا۔

سپاہ میں ہر صورت عزم و حوصلہ قائم رکھا

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بہت سی جنگیں نہایت نامساعد حالات میں لڑنا پڑیں۔ دشمن کی تعداد مقابلتہً بہت زیادہ ہوتی، وہ کہیں زیادہ سامانِ جنگ سے لیس ہوتا، مال و اسباب میں بھی دشمن کو بہت زیادہ فوقیت حاصل ہوتی جبکہ اہلِ ایمان ان سب شعبوں میں بہت کمزور ہوتے تھے۔ یہ مومنین کے سپہ سالار کا کمال تھا کہ آپؐ نے ہر حال میں اپنی سپاہ کے اندر عزم و حوصلہ اور جوش و ولولہ قائم رکھا۔ غزوۂ بدر میں صرف ۳۱۳ نہتے مسلمانوں کو ایک ہزار مسلح کفار کا مقابلہ کرنے کے لیے عزم و ہمت کے ساتھ آمادہ کر لینا، غزوۂ احد میں ہزار کے جنگی سامان سے لیس لشکر کا مقابلہ کرنے کے لیے سات سو مجاہدین کو تیار کر لینا اور غزوۂ احزاب میں جب سارا عرب مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے چڑھ آیا تو مٹھی بھر مسلمانوں کو دفاعی خندق کھود کر مدینہ میں محصور ہو کر مقابلہ کرنے کے لیے پُرعزم کر لینا آپؐ کا معجزانہ کام تھا۔ قیصرِ روم کی طرف سے متوقع حملے کی پیش بندی کے لیے انتہائی ناسازگار حالات میں اتنی دور دراز کی مہم پر مجاہدینِ اسلام کو لے جانا آپؐ کا کمال تھا۔ آپؐ نے کبھی اپنی سپاہ کو حوصلہ نہیں ہارنے دیا۔ غزوۂ احد اور غزوۂ حنین میں جب مسلمانوں کی بعض غلطیوں کی وجہ سے مسلمانوں کو شکست ہونے لگی اور ان میں افراتفری پڑ گئی تو آپؐ نے ان کو پھر سے اکٹھا کر کے ان میں جوش و ولولہ پیدا کر دیا اور شکست کو فتح میں بدل دیا۔

صرف اللہ پر بھروسہ

آپؐ نے تمام جنگوں میں صرف اللہ تعالیٰ کی نصرت پر بھروسہ کیا اور صحابہ کرامؓ کو بھی صرف اللہ پر بھروسہ کرنا سکھایا۔ آپؐ نے کبھی تعداد اور سامانِ جنگ پر بھروسہ نہیں کیا۔ آپؐ نے اکثر و بیشتر جنگیں دشمن کے مقابلے

Marfat.com

میں بہت تھوڑی سی جماعت اور معمولی سامانِ جنگ کے ساتھ لڑیں، صرف اللہ تعالیٰ کی مدد کے بھروسے پر۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ آپؐ کی مدد فرمائی، مثلاً غزوۂ بدر میں فرشتے بھیج کر، غزوۂ اُحد میں بعض مجاہدینِ اسلام پر اُونگھ طاری کر کے اور دشمن کو مرعوب کر کے، غزوۂ احزاب میں آندھی بھیج کر۔ آپؐ کے دشمنوں پر اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ آپؐ کا رُعب طاری رکھا۔ وسیع و عریض اور عظیم الشان سلطنت کے حکمران قیصرِ روم جیسا شخص بھی مرعوب تھا اور تبوک میں حضورؐ کے مقابلہ کے لیے نہیں نکلا تھا۔

محبوب شخصیت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بے حد محبوب اور دل نواز شخصیت کے مالک تھے۔ آپؐ کی سپاہ کے ہر مجاہد کو آپؐ سے انتہائی محبت تھی، وہ حضورؐ پر ہر وقت اپنی جان نچھاور کرنے کو تیار رہتے تھے۔ غزوۂ اُحد میں جب مسلمانوں کے لشکر میں افراتفری مچی تو جو صحابیؓ آپؐ کے پاس تھے انہوں نے اپنی جانوں پر کھیل کر آپؐ کا دفاع کیا۔ حضرت طلحہؓ نے ہاتھ پر تیر روکے، ان کا یہ ہاتھ شل ہو گیا تھا۔ حضرت اُمِ عمارہؓ پانی پلانے آئی تھیں، وہ حضورؐ کا بچاؤ کرتے ہوئے زخمی ہو گئیں۔ غزوۂ اُحد میں ہی ایک صحابیہؓ کا باپ، شوہر اور بھائی شہید ہو گئے۔ انہیں اس کی خبر ملی تو یہ پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں۔ صحابہؓ نے بتایا کہ اللہ کا شکر ہے آپؐ خیریت سے ہیں۔ صحابیہؓ نے کہا، آپؐ سلامت ہیں تو ہر مصیبت آسان ہے۔

سپہ سالار کے لیے ہر دلعزیز اور محبوب شخصیت کا مالک ہونا نہایت ضروری ہے ورنہ وہ جنگ میں جاں نثار ثابت نہیں ہوتے بلکہ نازک موقع پر ساتھ چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں اور سپہ سالار صرف اپنی جسمانی خوبصورتی یا ظاہری شان و شوکت سے ہر دلعزیز نہیں ہو سکتا اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کا اخلاق اعلیٰ اور سپاہیوں سے سلوک مثالی ہو، جیسا کہ حضورؐ کا تھا۔ آپؐ ہر صحابی کے لیے بے حد خلوص و محبت رکھتے تھے، ہر ایک کے غمگسار اور ہمدرد تھے، اپنے لیے کسی قسم کا امتیاز پسند نہیں فرماتے تھے۔ ہر دکھ، درد اور مصیبت جھیلنے میں سب کے ساتھ برابر شریک ہوتے تھے۔ غزوۂ خندق میں بھوک پیاس کی حالت میں صحابہ کرامؓ نے خندق کی کھدائی کی تو آپؐ نے بھی ان سے زیادہ بھوک پیاس کی حالت میں اس کی کھدائی میں برابر حصہ لیا۔ آپؐ نے کبھی کسی سپاہی کی توہین یا بے عزتی نہیں کی، کسی سے کبھی کوئی توہین آمیز سلوک نہیں کیا، کبھی کسی سے ایسی خدمت نہیں لی جس سے اس کی عزتِ نفس مجروح ہوتی ہو۔ سب کے ساتھ عزت و احترام کا اور مساویانہ برتاؤ ہوتا تھا۔ آپؐ صحابہ کرامؓ سے مشورہ

Marfat.com

فرماتے تھے۔ پھر ایسی شخصیت سب کی محبوب کیوں نہ ہو۔ صحابہ کرامؓ حضورؐ کے ساتھ اپنی اولاد اور مال باپ سے زیادہ محبت رکھتے تھے۔

رسولِ اکرمؐ کی شجاعت

فوج بھی جنگ میں تبھی بہادری کے جوہر دکھاتی ہے جب ان کا سپہ سالار بھی بہادر ہو ورنہ وہ میدان چھوڑ جاتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تاریخ انسانی کے شجاع ترین سپہ سالار تھے۔ صحابہ کرامؓ کی بے مثال بہادری آپؐ کی شجاعت ہی کا عکس تھی۔ آپؐ کی ذاتی شجاعت ہی کو دیکھ کر ان میں بھی جوش و ولولہ پیدا ہوتا تھا۔ آپؐ نے اکثر و بیشتر جنگیں انتہائی بے سروسامانی اور مٹھی بھر جماعت کے ساتھ لڑیں، مشکل سے مشکل اور انتہائی نازک گھڑی میں بھی آپؐ نے کبھی گھبراہٹ کا مظاہرہ نہیں کیا۔ غزوۂ اُحد میں اسلامی لشکر میں افراتفری پڑنے اور اس کے منتشر ہو جانے پر بھی آپؐ پُرعزم و حوصلہ رہے۔ آپؐ نے منتشر لشکر کو پھر اکٹھا کر لیا۔ غزوۂ حُنین میں اسلامی لشکر منتشر ہو گیا اور چاروں طرف سے دشمن کے تیر برسنے لگے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بالکل تنہا اپنے خچر کو دشمن کے لشکر کی طرف بڑھایا۔ حضرت علیؓ کا قول ہے کہ جنگ بہت گرم ہوتی تو ہم آپؐ کے سایہ میں عافیت پاتے تھے۔ آپؐ جنگ کے دوران سب سے آگے ہوتے۔ ایک رات ایک ایسی آواز آئی کہ مدینہ میں یہ خوف و ہراس پھیل گیا کہ دشمن نے اچانک حملہ کر دیا ہے۔ لوگ گھبرا کر آواز کی سمت دوڑے تو دیکھا کہ رسولِ اکرمؐ گھوڑے کی ننگی پشت پر سوار تشریف لا رہے ہیں۔ آپؐ سب سے پہلے اُدھر تشریف لے گئے تھے جدھر سے آواز آئی تھی۔ آپؐ نے لوگوں کو تسلی دی کہ حملہ کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔

بہترین جنگی حکمتِ عملی اور جنگی حربے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چھوٹی سی جماعت صحابہؓ کے ساتھ قریش مکہ اور دیگر ان کے حلیف قبائل کا جنگوں میں مقابلہ کرنا پڑا۔ شروع میں سارا عرب ہی مخالف تھا۔ یہ حضورؐ کی سپہ سالاری کا اعجاز ہے کہ چند برسوں میں نہ صرف سارا عرب آپؐ کے زیرِ نگیں ہو گیا بلکہ عرب سے باہر ہمسایہ طاقتیں بھی اسلام کی قوت و حشمت سے لرزنے لگیں اور یہ سب کچھ بہت ہی معمولی جانی نقصان سے حاصل ہو گیا۔ مومنین اور کفار دونوں فریقوں کا جانی نقصان بہت ہی تھوڑا ہوا۔ اور یہ صرف اور صرف حضورؐ کی اعلیٰ بصیرت و فراست، بہترین جنگی حکمت عملی اور عمدہ جنگی حربوں

Marfat.com

کی بدولت ہوا۔ چند باتیں بطورِ مثال بیان کی جاتی ہیں۔

۱۔ دشمن کا سیاسی محاذ پر مقابلہ شروع میں سارا عرب حضورؐ کی دعوت حق کا مخالف تھا، جس کا سبب جہالت اور مادی یا دنیوی مفادات تھے۔ آپؐ نے مدینہ ہجرت فرمانے کے بعد اپنے مخالفین کی تعداد کو کم کرنے کی کوشش فرمائی۔ آپؐ نے مدینہ کے غیر مسلم باشندوں کے ساتھ ایک معاہدہ طے فرمایا جو میثاق مدینہ (یا صحیفۂ مدینہ) کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں دوسری شرائط کے ساتھ ایک شرط یہ بھی رکھی گئی تھی کہ بیرونی حملہ آور کے خلاف سب اہلِ مدینہ مل کر شہر کا دفاع کریں گے۔ اس کے بعد آپؐ نے مدینہ کے گرد و نواح کے قبائل کے ساتھ دوستی کے معاہدے کیے۔ اس سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ مدینہ کے غیر مسلم اور مدینہ کے گرد و نواح کے قبیلے کم از کم کھلم کھلا قریش سے مل کر مسلمانوں سے دشمنی نہ کر سکتے تھے۔

اس کے بعد ہر مناسب موقع پر حضورؐ عرب کے مختلف قبائل سے معاہدات فرماتے رہے تا آنکہ فتح مکہ تک قریشِ مکہ بالکل تنہا رہ گئے۔ اگر حضورؐ ایسا نہ کرتے اور اس کے برعکس قریشِ مکہ مدینہ کے غیر مسلموں اور قرب و جوار کے قبائل سے معاہدے کر لیتے تو آپؐ کے لیے اتنے مصائب و مشکلات پیدا ہو جاتے کہ ان کا تصور بھی محال ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریشِ مکہ کو ایسا کرنے کی مہلت ہی نہ دی اور فوراً پہل کر کے معاہدات طے فرما لیے۔

سیاسی محاذ پر دشمن کا مقابلہ کرنے کی بے حد اہمیت ہے۔ جو سپہ سالار اور حکمران اس محاذ پر شکست کھا جائے وہ میدانِ جنگ میں بھی بالعموم شکست کھاتا ہے۔ دوسری جنگِ عظیم میں ہٹلر نے اتحادیوں سے سیاسی محاذ پر شکست کھائی (بالخصوص روس پر حملہ کر کے) اور پھر جنگ بھی ہار گیا۔ ۱۹۹۱ء کی خلیج کی جنگ میں امریکہ نے عراق کو پہلے سیاسی محاذ پر یکہ و تنہا کر دیا (امریکہ کے مخالف اور عراق کے ہمدرد بھی عراق کی مدد نہ کر سکے) پھر اسے میدانِ جنگ میں شکست فاش سے دوچار کیا۔

۲۔ دشمن کے حالات کی خبر رسانی جب تک دشمن کے تازہ ترین حالات، اس کے عزائم، اس کی خفیہ تدبیروں، اس کی چالوں سے آگاہی حاصل نہ ہو اس کا پورے اعتماد کے ساتھ مقابلہ کر کے فتح حاصل کرنا مشکل ہوتا ہے۔ حضورؐ نے دشمن کی خبریں حاصل کرنے کا عمدہ اہتمام فرما رکھا تھا۔ آپؐ نے مستعد اور ہوشیار خبر رساں اس کام پر مامور فرما رکھے تھے۔ گاہ بگاہ معلوماتی مہمیں بھی اس مقصد کے لیے روانہ فرماتے رہتے۔ چنانچہ دشمن کی تمام سرگرمیوں کی آپؐ کو فوراً اطلاع ہو جاتی تھی۔ مثلاً جنگ بدر کے لیے قریشِ مکہ کا لشکر مدینہ پر چڑھائی کے لیے مکہ سے روانہ ہوا تو آپؐ

Marfat.com

کرفوراً اس کی خبر مل گئی تھی۔

۳۔ نہایت رازداری

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دشمن کے تازہ ترین حالات سے آگاہی حاصل کرنے کا شاندار انتظام فرما رکھا تھا لیکن اپنے ارادوں اور جنگی چالوں کو مناسب وقت سے پہلے کسی پر ظاہر نہ فرماتے تھے بلکہ مکمل رازداری سے کام لیتے تھے۔ یہ ایک نہایت کامیاب اور عظیم سپہ سالار کا طریقہ کار ہے۔ ایسا کرنے سے ایک تو دشمن آپؐ کے ارادوں اور جنگی حربوں سے مکمل طور پر بے خبر رہتا اور ان کا توڑ کرنے کے قابل نہ ہو پاتا تھا دوسرے اسلامی سپاہ کے کئی نفسیاتی مسائل پیدا نہ ہو پاتے تھے۔ مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر کے لیے روانہ ہوئے تو کسی پر اس ارادے کو ظاہر نہ فرمایا کہ میدانِ جنگ میں دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے جا رہے ہیں۔ مجاہدینِ اسلام کا عام تاثر یہی تھا کہ شاید قریش کے تجارتی قافلہ کو جو شام سے واپس آ رہا تھا، لوٹنے جا رہے ہیں۔ آپؐ مکہ کی فتح کے لیے مدینہ سے روانہ ہوئے تو آخر تک قریشِ مکہ کو اس کی خبر نہ ہو سکی حتیٰ کہ اسلامی لشکر مکہ کے قریب پہنچ کر فروکش ہو گیا۔ قریش کا سردار ابوسفیان چند سرداروں کو ساتھ لے کر معمول کے گشت کے لیے باہر نکلا تو اسلامی پہرے دار اسے پکڑ کر بارگاہِ نبوت میں لے آئے۔ جب دشمن کا سپہ سالار یوں بے خبری میں پکڑ لیا جائے تو دشمن کیا مقابلہ کر سکتا ہے۔

۴۔ دشمن پر اقتصادی دباؤ کی تدبیریں

قریشِ مکہ تجارت پیشہ تھے، مال و زر کی کمی نہ تھی لہٰذا وافر سامانِ جنگ مہیا کرنا اور جنگوں کا اقتصادی بوجھ اٹھانا ان کے لیے مشکل نہ تھا۔ اس کے مقابلے میں مہاجرین نے اپنا سب مکہ میں چھوڑ کر مدینہ ہجرت کی تھی اور وہ معاشی طور پر بالکل بدحال تھے انصارؓ بھی معاشی طور پر نہایت کمزور تھے۔ ان حالات میں حضورؐ نے قریشِ مکہ کے تجارتی راستوں کی ناکہ بندی فرما کر ان پر خوب اقتصادی دباؤ ڈالا تاکہ وہ جنگی جنون سے باز آ جائیں۔ جنگِ بدر کے بعد آپؐ نے قریش پر شام کا راستہ بند کر دیا۔ انہوں نے عراق کے راستے تجارتی قافلے بھیجنا چاہے تو آپؐ نے چھوٹے چھوٹے اسلامی دستے بھیج کر یہ راستہ بھی بند کر دیا۔ جنگِ خیبر کے بعد بنو حنیفہ کا سردار ثمامہ بن اثال اسلام لے آیا تو اس نے قریش پر غلہ بھی بند کر دیا۔ تجارت سے آمدنی تقریباً ختم ہو چکی تھی، جمع پونجی جنگوں میں جھونک چکے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ قریشِ مکہ کی معاشی طور پر کمر ٹوٹ گئی مفلسی اور قحط ان پر مسلط ہو گئے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ قریشِ مکہ کے سردار ابوسفیان کو مدینہ پہنچ کر آپؐ سے دعا کی التجا کرنا پڑی حضورؐ نے کمال رحمدلی سے کام لیتے ہوئے نہ صرف دعا فرمائی بلکہ قریش کے غریب لوگوں کی مدد کے لیے

Marfat.com

ابوسفیان کو پانچ سو دینار عطا فرمائے۔ ــ ــ ــ ــ ــ ــ ــ ــ ابوسفیان کو کھجوریں تحفہ میں دیں اور ثمامہ بن اثال کو حضورؐ نے فرمان لکھوا بھیجا کہ وہ قریش کا غلہ نہ روکیں۔

قریش مکہ جب شدید اقتصادی دباؤ میں آ گئے تھے اصل میں جنگ تو وہ اسی وقت ہار گئے تھے۔ اس کے بعد تو صرف ایک رسمی کارروائی ہونا باقی تھی جو فتح مکہ کی صورت میں تمام ہوئی۔

آج جو قوم معاشی میدان میں جنگ ہار جاتی ہے وہ سیاسی اور فوجی میدان میں بھی لازماً... شکست سے دوچار ہوتی ہے۔ سوویٹ سوشلسٹ روس معاشی جنگ ہار کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ آج جدید ترین طریقہ جنگ ہی یہ ہے کہ معاشی میدان میں حریف کو شکست دی جائے۔ جاپان اور جرمنی اب فوجی قوتیں نہیں ہیں لیکن معاشی محاذ پر امریکہ جیسی عظیم فوجی قوت کو ناکوں چنے چبوا رہے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چودہ سو سال قبل حریف پر اقتصادی دباؤ ڈالنے کا جنگی حربہ استعمال کیا جسے آج بیسویں صدی کی چوتھائی میں جدید ترین حربہ کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے، گویا آج ساری دنیا حضورؐ کی بطور سپہ سالار عظمت کو خراج عقیدت پیش کر رہی ہے۔

۵۔ کمانڈو سرگرمیاں

بعض جنگی امور ایسے ہوتے ہیں جنہیں لشکر کشی یا میدان جنگ میں لڑائی سے سرانجام نہیں دیا جا سکتا لیکن جنگی نقطہ نظر سے بہت اہم ہوتے ہیں۔ ایسے امور کی انجام دہی کے لیے آج سبھی ملک کمانڈوز کو استعمال کرتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چودہ سو سال پہلے آج کی اس تکنیک کو استعمال فرمایا۔ آپؐ بعض امور کے لیے جانباز غازی (کمانڈوز) روانہ فرماتے۔ مثلاً ایک یہودی کعب بن اشرف کو کمانڈو ایکشن سے قتل کروایا۔ یہ بدفطرت شخص مدینہ میں اپنے ننھیال بنو نضیر کے ہاں رہتا تھا۔ یہ نہ صرف مسلمانوں کے خلاف خفیہ سازشیں کرتا بلکہ عشقیہ اشعار میں مسلم خواتین کے نام لا کر مسلمانوں کو ذہنی اذیت بھی پہنچاتا تھا۔ حضورؐ نے چند جانبازوں کو اس کے قتل پہ مامور فرمایا۔ وہ ایک رات اس کے پاس آئے اور بہانے سے اسے اس کے گھر سے دور باہر لے گئے اور پھر اسے قتل کر دیا۔ ایک اور یہودی سردار سلام بن ابی الحقیق کو چند انصاری جانبازوں نے خیبر جا کر اس کے گھر میں قتل کر کے جہنم رسید کیا۔

کمانڈو سرگرمیوں سے دشمن پر بوکھلاہٹ اور رعب طاری ہو جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ اس کے اعصاب پر دباؤ اتنا بڑھ جاتا ہے کہ وہ نفسیاتی طور پر جنگ ہار جاتا ہے۔

Marfat.com

۶- میدانِ جنگ میں فوجی دستوں کی عمدہ تعیناتی

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام میدانِ جنگ میں اپنے فوجی دستوں کی تعیناتی جنگی نقطۂ نظر سے نہایت اہم جگہوں پر فرماتے تھے۔ مثلاً جنگِ بدر میں پانی کے چشموں پر مسلمانوں کا قبضہ تھا، تاہم حضورؐ نے انتہائی رحمدلی سے کام لیتے ہوئے قریشِ مکّہ کو بھی وہاں سے پانی لینے کی اجازت مرحمت فرمادی لیکن اگر ان چشموں پر قریشِ مکّہ کا قبضہ ہوتا تو انہوں نے مسلمانوں کو وہاں سے پانی لینے کی ہرگز اجازت نہیں دینی تھی۔ غزوۂ اُحد میں آپؐ نے جبلِ عینین پر تیراندازوں کا ایک دستہ تعینات فرمایا اور سختی سے ہدایت فرمائی کہ کسی حال میں بھی اس جگہ سے نہیں ہٹنا۔ یہ دستہ اس لیے تعینات فرمایا تھا تاکہ دشمن اچانک عقب سے حملہ نہ کر دے۔ چنانچہ جب تک یہ دستہ اپنی جگہ قائم رہا مسلمان عقب سے محفوظ رہے، دشمن کے گھڑسواروں کے دستہ نے عقب سے حملہ آور ہونے کی کوشش کی مگر جبل عینین پر تعینات تیراندازوں نے تیروں کی بوچھاڑ کر کے انہیں واپس لوٹ جانے پر مجبور کردیا۔ لیکن جب فتح کے بعد مالِ غنیمت جمع کرنے کے لیے یہ تیرانداز پہاڑ سے نیچے اتر آئے تو دشمن کے رسالہ نے عقب سے حملہ کردیا اور مسلمانوں کی فوج میں افراتفری پڑ گئی اور اہلِ ایمان کو سخت مشکلات ومصائب سے دوچار ہونا پڑا۔ غزوۂ خندق میں جب قریشِ مکّہ نے عرب قبائل کو ساتھ ملا کر کوئی چوبیس ہزار کے ٹڈی دل لشکر کے ساتھ مدینہ کی چھوٹی سی بستی پر چڑھائی کی تو حضورؐ نے شہر میں محصور ہو کر لڑنے کا فیصلہ کیا۔ شہر کے تین اطراف میں دشوار گزار پہاڑیاں اور گھنے نخلستان تھے اودھر سے دشمن کے حملہ آور ہونے کا خطرہ نہ تھا۔ صرف شہر کی شمالی سمت کھلی تھی۔ ادھر حضورؐ نے اتنی چوڑائی کی خندق کھدوائی (حضورؐ نے خود بھی اس کی کھدائی میں حصّہ لیا) کہ دشمن کے گھوڑے اسے پھلانگ نہ سکیں۔ حضورؐ کی یہ جنگی چال انتہائی کامیاب رہی۔ کچھ دنوں کے بعد دشمن کو نامراد واپس جانا پڑا اور پھر دوبارہ حملہ آور ہونے کی کبھی جرأت نہ ہوئی۔

جنگ کے اعلیٰ مقاصد، دورانِ جنگ اعلیٰ اخلاقی اقدار کا احترام، جنگ کا بہترین طریقہ کار، شاندار جنگی حکمت عملی، بہترین جنگی چالیں اور شاندار فتوحات اور کامیابیاں اس امر کا واضح ثبوت ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تاریخ انسانی کے سب سے عظیم سپہ سالار تھے۔ جو سپہ سالار کامیابی اور عظمت کا خواہشمند ہو اسے چاہیے کہ حضورؐ کے اسوۂ حسنہ کی تقلید کرے۔

Marfat.com

حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اخلاق کے نمایاں پہلو

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اخلاقِ حسنہ کے سب سے اعلیٰ مرتبے پر فائز تھے۔ اخلاقِ فاضلہ میں سے ہر خُلق آپ پر کمال پذیر ہوگیا۔ آپ کے اعلیٰ اخلاقِ کریمہ کی گواہی تو خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے دی: وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (القلم، ۶۸: ۴) "اور یقیناً آپ کے اخلاق عظیم ہیں"۔ آپ نے اپنی بعثت کا مقصد یہ بتایا ہے: اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ، "مجھے تو بھیجا ہی اس لیے گیا ہے کہ میں اخلاقِ فاضلہ کی تکمیل کروں"۔

مثال کے طور پر حضورؐ کے اخلاقِ کریمہ کے چند پہلو بیان کیے جاتے ہیں!

۱۔ صِدق

صدق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہ خلق ہے کہ جس میں آپ بچپن سے ہی مشہور تھے اور اسی کی بنیاد پر آپ نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تھا۔ آپ شروع سے ہی صادق اور امین کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ آپ نے علانیہ تبلیغ کا آغاز یوں فرمایا تھا کہ لوگوں کو کوہِ صفا پر جمع کر کے پوچھا، اگر میں کہوں کہ اس پہاڑی کی... جانب سے ایک لشکر آنے ہی والا ہے تو کیا تم یقین کرلو گے؟ لوگوں نے کہا، ہاں! ہم نے آپ کو ہمیشہ سچا پایا ہے۔ حضورؐ کے بدترین دشمن بھی آپ کی صداقت کے معترف تھے اور کبھی کسی نے دشمنی میں بھی آپ پر جھوٹ بولنے کا الزام نہیں لگایا۔ حضورؐ نے روم کے بادشاہ ہرقل کو جب اسلام کا دعوت نامہ بھجوایا تو اُن دنوں اتفاق سے ابوسفیان بھی وہیں تھا، اور یہ آپ کے مخالفین قریشِ مکہ کا سردار تھا۔ ہرقل نے ابوسفیان سے حضورؐ کی بابت کئی سوال پوچھے، ان کے جواب میں ابوسفیان نے منجملہ دوسری باتوں کے حضورؐ کی صداقت کی بھی گواہی دی تھی۔ حضور اکرمؐ بچپن سے لے کر وصال تک سراپا صدق تھے، قول کے سچے، عزم وارادے کے سچے، دل کے سچے اور عمل کے سچے۔ آپ نے اپنی اُمت کو بھی صدق کی تعلیم دی ہے اور جھوٹ سے ہر حال میں منع فرمایا ہے۔ آپ کا یہ فرمان بہت مشہور ہے کہ: اَلصِّدْقُ يُنْجِيْ وَالْكِذْبُ يُهْلِكُ، "سچ نجات دلاتا ہے اور جھوٹ ہلاک کرتا ہے"۔

Marfat.com

۲۔ امانت

آپؐ ابتدائے عمر سے ہی دو القاب سے پکارے جاتے تھے، صادق اور امین۔ حضرت خدیجہؓ نے معاوضے پر تجارت کے لیے آپؐ کی خدمات حاصل کی تھیں۔ اپنے ملازم سے حضورؐ کی امانت داری کی باتیں سنیں تو بے حد متاثر ہوئیں اور آخر کار نکاح کی خواہش کا اظہار فرمایا۔ مکّہ کے لوگ آپؐ کے پاس اپنی امانتیں رکھا کرتے تھے۔ حضورؐ کی دعوتِ اسلام کی شدّت سے مخالفت و مزاحمت کر رہے تھے لیکن امانتیں پھر بھی حضورؐ کے پاس رکھی تھیں۔ چنانچہ جس رات حضور اکرمؐ نے مکّہ سے مدینہ کو ہجرت فرمائی اس وقت بھی لوگوں کی امانتیں آپؐ کے پاس موجود تھیں، جن کو لوٹانے کے لیے آپؐ حضرت علیؓ کو پیچھے چھوڑ گئے تھے اور حضرت علیؓ نے وہ امانتیں ان کے مالکوں کو واپس کرنے کے بعد مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تھی۔ آپؐ نے امانت داری کی تلقین فرمائی ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے: لَآ اِیْمَانَ لِمَنْ لَآ اَمَانَۃَ لَہٗ، "اس شخص کا کوئی ایمان نہیں جو امانتدار نہیں۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنا آخری پیغام لوگوں تک پہنچانے کے لیے امانت سونپی، حضورؐ نے اس امانت کے پاس اور احترام کا بھی حق ادا کر دیا۔ اللہ کے پیغام کو لوگوں تک پہنچانے میں بے پناہ مصائب جھیلے اور اذیتیں برداشت کیں مگر اللہ تعالیٰ کے پیغام کو لوگوں تک پہنچانے کا کام جاری رکھا۔ آپؐ کے ذمے پیغام (عملی وضاحت کے ساتھ) پہنچانا تھا[1] لیکن آپؐ کی امانت داری کی انتہا یہ تھی کہ اس غم میں آپؐ کی جان گھُلی جارہی تھی کہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے۔ آخر اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپؐ کو تسلی دی:

فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ؕ (فاطر ۳۵: ۸)

ترجمہ: "پس (اے میرے پیارے رسولؐ) ان لوگوں کی خاطر غم و افسوس میں آپؐ کی جان نہ گھُلے۔"

اللہ تعالیٰ نے جس طرح قرآن حکیم آپؐ پر نازل فرمایا آپؐ نے من و عن لوگوں تک پہنچا دیا، اور آج تک اسی حالت میں موجود ہے جس حالت میں نازل ہوا تھا۔ آپؐ کو اس امانت کا اس قدر احساس تھا کہ خطبہ حجۃ الوداع کے آخر میں (جس میں حضورؐ نے اسلام کی تمام اہم باتوں کا ذکر فرمایا تھا) لاکھوں مسلمانوں کے مجمع سے پوچھا، جب تم سے میرے بارے میں سوال ہوگا تو کیا کہو گے؟ لوگوں نے بیک آواز جواب دیا، آپؐ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آسمان کی طرف تین بار انگلی اٹھا کر فرمایا، اے رب! گواہ رہ!

---

[1] دیکھیے سورہ آل عمران، ۳: ۲۰؛ النحل، ۱۶: ۳۵، اور بعض دیگر مقامات۔

Marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ کریمہ میں رحم غالب دکھائی دیتا ہے۔

۳۔ رحم آپؐ کے رحمت ہونے کا اعلان تو خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ (الانبیاء ۲۱ : ۱۰۷)۔

ترجمہ: اور ہم نے تو آپؐ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔"

حضور پاکؐ سراپا رحمت تھے۔ کسی کو بھی دکھ میں مبتلا دیکھتے تو آپؐ کو بہت دکھ ہوتا۔ آپؐ کی شفقت و رحمت اور دوسروں کے دکھ کو محسوس کرنے کی گواہی قرآنِ حکیم میں خود اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ (التوبہ ۹ : ۱۲۸)۔

ترجمہ: بے شک تمہارے پاس ایک رسول آیا ہے جو تمہیں میں سے ہے۔ تمہاری تکلیف اس پر شاق گزرتی ہے تمہاری بھلائی کا وہ حد درجہ متمنی ہے، ایمان لانے والوں کے لیے وہ بہت شفیق اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔"

حضورؐ کی رحمت کی بارش بچوں، عورتوں، غلاموں، غریبوں، یتیموں، مومنوں کافروں انسانوں اور جانوروں سب پر برستی تھی، سب آپؐ کی رحمت سے بہرہ ور ہوتے، آج تک ہو رہے ہیں اور قیامت تک ہوتے رہیں گے۔ آپؐ کی سیرتِ طیبہ رحمت کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ مثال کے طور پر چند واقعات درج ذیل ہیں:

(۱) قریشِ مکہ نے اہلِ ایمان پر جو مظالم ڈھائے، آپؐ کو جو اذیتیں دیں، پھر ہجرتِ مدینہ کے بعد جس طرح انہوں نے آپؐ پر اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ پر جنگیں مسلط کیں، غزوہ احزاب میں سارے عرب کو اکٹھا کر کے مدینہ کی ننھی سی بستی پر چڑھ آئے۔ یہ سب باتیں معلوم ہیں لیکن جب غزوہ خندق کے بعد وہ قحط اور معاشی بدحالی کا شکار ہوئے اور اس نوبت کو پہنچ گئے کہ گلی سڑی لاشیں بھی کھانے لگے تو ان کا سردار ابوسفیان مدینہ جا کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا اور اپنی قوم کی تنگی اور بدحالی بیان کر کے آپؐ سے درخواست کی کہ آپؐ اللہ سے دعا فرمائیں تو آپؐ نے نہ صرف دعا فرمائی بلکہ پانچ سو دینار اور کچھ کھجوریں بھی امداد کے طور پر عطا فرمائیں۔ بدترین دشمنوں کے ساتھ ایسی رحمدلی فرمانا حضورؐ کا ہی خاصہ تھا۔

(۲) مکہ معظمہ میں جب آپؐ پر اور اہلِ ایمان پر مشرکینِ مکہ مظالم ڈھا رہے تھے اسی زمانے میں ایک صحابی حضرت خباب بن ارتؓ نے آپؐ سے عرض کی، یا رسول اللہ، دشمنوں کے حق میں بددعا فرمائیے۔ یہ سن کر آپؐ کا چہرۂ مبارک غصے سے سرخ ہو گیا۔ ایک اور موقع پر بعض صحابہؓ

Marfat.com

کی طرف سے اسی قسم کی درخواست کے جواب میں آپؐ نے فرمایا، میں دنیا کے لیے لعنت نہیں بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ طائف میں آپؐ دعوتِ اسلام کے لیے تشریف لے گئے تو طائف والوں نے آپؐ پر پتھر برسائے لیکن آپؐ نے ان کے لیے دعا فرمائی۔

(۳) آپؐ کے آزاد کردہ غلام اور متبنیٰ حضرت زیدؓ بن حارثہ غزوۂ موتہ میں شہید ہوئے تو ان کی بچی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ حضورؐ اس کے غم کو دیکھ کر بہت غمزدہ ہوئے اور اس قدر روئے کہ گلے میں آواز رندھ گئی۔

(۴) ایک دفعہ ابومسعود انصاریؓ اپنے غلام کو پیٹ رہے تھے۔ حضورؐ نے دور سے دیکھ لیا۔ آپؐ نے فرمایا، ابومسعود! تم کو جتنا اس غلام پر اختیار ہے اللہ کو اس سے زیادہ تم پر اختیار ہے۔ ابومسعودؓ نے مڑ کر دیکھا تو حضورؐ پاک تھے۔ عرض کی، یارسول اللہ، میں نے اس غلام کو اللہ کی رضا کے لیے آزاد کیا۔ آپؐ نے فرمایا، اگر تم ایسا نہ کرتے تو دوزخ کی آگ تمہیں چھو لیتی۔[1]

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جنگ کے دوران جن اخلاقی اقدار کو ملحوظ فرمایا اور جن کی تعلیم دی وہ بھی آپؐ کی بے پایاں رحمت کا مظہر ہے۔ یعنی یہ کہ مُثلہ نہ کیا جائے، بچوں، عورتوں، معذوروں، راہبوں وغیرہ بے ضرر لوگوں کو قتل نہ کیا جائے، بستیوں، فصلوں، کھیتوں اور باغات کو نہ اجاڑا جائے اور کسی بھی قسم کا کوئی وحشیانہ فعل نہ کیا جائے۔ آپؐ نے رحم کرنے کی تعلیم دی ہے، بالخصوص کمزوروں، یعنی بچوں، عورتوں، غلاموں اور خادموں پر۔ اسی طرح جانوروں پر بھی رحم کرنے کی تعلیم دی ہے۔

۴۔ عفو و درگزر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم غالب ہونے کی صورت میں اپنے بدترین دشمن کو بھی معاف فرما دیتے تھے، کبھی آپؐ نے کسی سے انتقام نہیں لیا۔

مشرکینِ مکہ نے آپؐ پر اور ایمان والوں پر کیا کیا ظلم کیے تھے، کیسی کیسی اذیتیں دی تھیں، تاریخ کے صفحات ان کی تفصیل سے بھرے پڑے ہیں۔ لیکن جب مکہ فتح ہوا تو رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مظالم کا انتقام لینے کے بجائے ان سب کو معاف فرما دیا۔ حالانکہ اس زمانے کے دستور کے مطابق مفتوحین کے ساتھ یہ سلوک کرنا جائز تھا کہ لڑنے کے قابل سب مردوں کو قتل کر دیا جاتا اور بچوں اور عورتوں کو غلام لونڈی بنا لیا جاتا اور ان کے مال و جائداد لوٹ لیے جاتے۔ لیکن آپؐ نے ان کو مال و جان کی امان عطا فرمائی۔

حضرت حمزہؓ غزوۂ احد میں شہید ہوئے، ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے ان کی نعش کی سخت

---

[1] ابوداؤد، کتاب الادب، باب حق المملوک۔

Marfat.com

بے حرمتی کی، ان کا کلیجہ نکال کر چبایا۔ فتح مکہ کے بعد آپؐ نے اسے بھی معاف فرما دیا۔

۵۔ صبر و استقامت

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بعثت سے لے کر وصال تک دینِ حق کی سر بلندی کے لیے جس استقامت کا مظاہرہ فرمایا اور اس راہ میں پہنچنے والی تکالیف و مصائب پر جس طرح صبر سے کام لیا اس کی مثال ملنی محال ہے۔ اس پورے تیئس برس کے طویل عرصہ میں آپؐ کو مسلسل طرح طرح کے مصائب و مشکلات پیش آئے لیکن آپؐ نے بے مثال صبر و استقامت کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا۔ آپؐ نے تنِ تنہا نعرۂ توحید بلند کیا، اس پر آپؐ کی شدید مخالفت اور پھر مزاحمت شروع ہو گئی۔ آپؐ کے اپنے خاندان میں سے صرف آپؐ کے چچا ابو طالب آپؐ کا ساتھ دے رہے تھے۔ ایک دن قریشِ مکہ نے حضرت ابو طالب کو دھمکی آمیز لہجے میں کہا کہ اپنے بھتیجے سے کہو کہ اپنے نئے دین سے باز آ جائے ورنہ ہم دونوں میں سے ایک فریق مٹ جائے گا۔ ظاہر بات ہے کہ یہ (معاذ اللہ) حضورؐ کو مٹانے کی دھمکی تھی، کیونکہ سارا شہر ایک طرف تھا اور حضورؐ اکیلے ایک طرف۔ حضرت ابو طالب نے حضورؐ کو قریش کی یہ دھمکی بتلانے کے بعد کہا "اے میرے بھتیجے، مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈال کہ میں اٹھا نہ سکوں۔ آپؐ نے جواب میں فرمایا، چچا جان! آپ نے اب تک میری جو مدد کی ہے اس کا شکریہ۔ آپ بے شک میری مدد سے کنارہ کش ہو جائیں۔ اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیں تو بھی میں اپنے دین سے نہ ہٹوں گا تا آنکہ اللہ تعالیٰ اس دین کو غالب کر دے یا میری جان چلی جائے۔ حضرت ابو طالب نے آپؐ کا یہ عزم صمیم دیکھ کر حضورؐ سے فرمایا، جا اور جیسے جی چاہے تبلیغ کر، میں ہرگز تیرا ساتھ نہ چھوڑوں گا۔"

قریشِ مکہ نے حضورِ پاک کا اور آپؐ کا ساتھ دینے والے ہر شخص کا سوشل بائیکاٹ کا فیصلہ کیا۔ آپؐ اور آپؐ کے خاندان کے لوگ، بچوں اور عورتوں سمیت، تین سال تک مکہ کے قریب ایک گھاٹی میں محصور رہے جو شعب ابی طالب کے نام سے مشہور ہے۔ کفارِ مکہ سخت نگرانی رکھتے تھے کہ کوئی شخص چوری چھپے بنو ہاشم کو کھانے پینے کی کوئی چیز نہ دے دے۔ فاقوں تک نوبت آ جاتی۔ بچے بھوک پیاس سے بے چین ہو کر بلک بلک کر روتے اور چلاتے۔ کفارِ مکہ پہاڑیوں کی اوٹ میں رونے اور چیخنے کی یہ آوازیں سنتے تو خوش ہوتے کہ بس اب بنو ہاشم گھٹنے ٹیک دیں گے۔ لیکن صبر و استقامت کے پیکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف اپنی دعوتِ اسلام کو جاری رکھا بلکہ آپ کی تبلیغی سرگرمیاں پہلے سے بھی بڑھ گئیں۔

کفارِ مکہ آپؐ کو اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ کو نت نئے طریقوں سے ایذائیں دیتے رہے، آپؐ کے راستے میں کانٹے بچھاتے، آپؐ پر مٹی اور پتھر پھینکتے، آپؐ کے گھر آ کر

Marfat.com

ہنڈیا میں گندگی ڈال جاتے۔ آپؐ نے اپنے اور اپنے صحابہؓ کے ساتھ ہونے والے مظالم پر انتہائی صبر سے کام لیا۔ مخالفین کے خلاف کبھی بد دعا تک نہ کی بلکہ ان کے لیے دعا ہی فرماتے۔ آپؐ اپنے دین پر ثابت قدمی کے ساتھ ڈٹے رہے۔ قریشِ مکہ کے مظالم کی انتہا ہو گئی تو آپؐ نے اور صحابہ کرامؓ نے مدینہ ہجرت فرمائی۔ مشرکینِ مکہ نے وہاں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا، انہوں نے مسلسل کئی جنگیں مسلط کیں۔ ہر جنگ میں کفارِ مکہ کی تعداد اور سامانِ جنگ کی کثرت اور مسلمانوں کی تعداد اور اسلحہ میں قلت کے باوجود حضورؐ نے بے مثال صبر و استقامت سے کام لیا، اپنے موقف پر مضبوطی کے ساتھ ڈٹے رہے اور گھبرا کر پیچھے ہٹنے کے بجائے آگے آ کر ان کا عزم و حوصلہ کے ساتھ مقابلہ کیا اور انہیں شکست دی۔ مدینہ میں منافقین اور یہودیوں کی سازشیں اس کے علاوہ تھیں۔ یہ آستین کے سانپ تھے، جب بھی موقع ملتا ڈسنے کی کوشش کرتے۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی نے واقعہ افک کے ذریعے حضورؐ کو اور آپؐ کے خاندان کو سخت ذہنی اذیت پہنچائی مگر آپؐ نے اس پر بھی صبر کیا۔ عمر مبارک کے آخری حصہ میں جب سارا عرب آپؐ کے حلقۂ اطاعت میں داخل ہو چکا تھا اور پورے عرب نے ایک اسلامی ریاست کی شکل اختیار کر لی تھی اس نوزائیدہ اسلامی ریاست کو سلطنتِ روما کے عیسائیوں کی طرف سے شدید خطرات درپیش ہو گئے۔ آپؐ کو ان خطرات کو دور کرنے کے لیے اپنی عمر کے اس حصے میں تبوک جیسی سخت مشکل اور صبر آزما مہم پر جانا پڑا۔ غرض آپؐ کی پوری حیاتِ طیبہ صبر و استقامت سے عبارت ہے۔

۶۔ فقر و زہد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت فقر و زہد کی زندگی بسر فرمائی۔ آپؐ نے اپنی خوشی سے اپنے اور اپنے اہلِ خاندان کے لیے فقر و زہد کو اختیار فرمایا۔ آپؐ کا فقر اختیاری تھا، جبری نہ تھا۔ آپؐ کو جو کچھ ملتا غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم فرما دیتے اور خود تنگی کی زندگی گزارتے۔ آپؐ کے فقر و زہد سے متعلق چند باتیں اور واقعات بطورِ مثال ذیل میں بیان کیے جاتے ہیں:

(۱) ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضورؐ کے گھر والوں نے آپؐ کے وصال تک کبھی جو کی روٹی بھی لگاتار دو دن شکم سیر ہو کر نہیں کھائی۔[۱]

(۲) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہم دو ماہ میں تین (مرتبہ) چاند دیکھ لیا کرتے تھے اور اس عرصہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں چولہا نہیں جلتا تھا، کھجور اور پانی پر گزارا ہوتا تھا۔[۲]

---

[۱] ریاض الصالحین، باب ۵۶، بحوالہ بخاری و مسلم۔ [۲] ریاض الصالحین، باب ۵۶، بحوالہ بخاری و مسلم۔

Marfat.com

(۳) حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی خوشحالی اور دولت مندی کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں دیکھا ہے کہ آپؐ دن بھر بھوکے پیٹ رہتے اور آپؐ کے پاس پیٹ بھرنے کے لیے ردی کھجور بھی نہ ہوتی تھی۔[1]

(۴) ام المومنین حضرت جویریہؓ کے بھائی حضرت عمرو بن حارث رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وصال کے وقت نہ دینار چھوڑے نہ درہم، نہ غلام، نہ لونڈی اور نہ کوئی اور چیز سوائے اپنے سفید خچر کے جس پر آپؐ سواری فرمایا کرتے تھے اور اپنے ہتھیار کے اور اس زمین کے جو آپؐ نے مسافروں کے لیے وقف فرما رکھی تھی۔[2]

(۵) ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت آپؐ کی ایک زرہ تیس صاع جَو کے بدلے ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی۔[3]

(۶) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھر والوں کو اتنا رزق عطا فرما کہ جو زندہ رہنے کے لیے ضروری ہو۔[4]

(۷) جب سارے عرب پر آپؐ کی حکومت قائم ہو گئی تو آپؐ سے ازواجِ مطہرات نے خرچ بڑھانے کا مطالبہ کیا، جسے آپؐ نے منظور نہ فرمایا۔ بات بڑھی تو آپؐ ان سے ناراض ہو کر گھر میں ہی الگ ہو گئے۔ اس علٰحدگی کی حالت کو ایک ماہ گزرا تو اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرما کر آپؐ کو حکم دیا:

(ترجمہ) "اے نبیؐ اپنی ازواج سے کہہ دیجیے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ متاع دے کر اچھی طرح رخصت کر دوں۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسولؐ اور دارِ آخرت کو چاہتی ہو تو اللہ نے تم میں سے نیکی کرنے والیوں کے لیے اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔"[5]

ازواجِ مطہرات نے اللہ تعالیٰ، اللہ کے رسولؐ اور دارِ آخرت کو دنیا کی زینت پر ترجیح دی اور اسی طرح تنگی اور فقر و فاقہ سے زندگی گزارنا منظور کر لیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ فقر و زہد

---

[1] ریاض الصالحین، باب ۵۵، بحوالہ مسلم۔ [2] ریاض الصالحین، باب ۵۵، بحوالہ بخاری۔
[3] ریاض الصالحین، باب ۵۵، بحوالہ بخاری و مسلم۔ [4] ریاض الصالحین، باب ۵۵، بحوالہ بخاری و مسلم۔ [5] الاحزاب ۳۳: ۲۸ تا ۲۹۔

Marfat.com

کا دائرہ صرف معاشی زندگی کو محیط ہے، بیوی سے پیار محبت کا اظہار اور اس کی ناز برداریاں فقر و زہد کے منافی نہیں ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی امت کو اس امر کی تعلیم فرمائی ہے کہ دنیا کی چیزوں میں کھو نہ جائیں۔ ذیل میں حضورؐ کے چند ارشاداتِ گرامی درج کیے جاتے ہیں:۔

(الف) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: جائداد نہ بناؤ، ایسا نہ ہو کہ دنیا کے ہو کے رہ جاؤ[1]

(ب) حضرت کعب بن عیاض رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہر اُمّت کے لیے کوئی نہ کوئی چیز آزمائش رہی ہے اور میری اُمّت کی آزمائش مال ہے[2]

(ج) حضورِ اکرمؐ کا ارشاد ہے: ابنِ آدم کہتا ہے، میرا مال، میرا مال۔ اور اے ابن آدم کیا تیرے مال میں سے کچھ بھی تیرا ہے سوائے اس کے جو تو نے کھا کر فنا کر دیا یا پہن کر بوسیدہ کر ڈالا یا صدقہ کر کے آگے بھیج دیا[3]

(د) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنّت ہے[4]

(ہ) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے میرے دونوں کندھے پکڑ کر فرمایا: دنیا میں اس طرح رہ کہ گویا تو پردیسی یا راہ گیر ہے[5]

صدق، امانت، عفو، صبر و استقامت اور فقر و زہد حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اخلاق کے نمایاں پہلو ہیں۔ ان کے علاوہ جو اخلاقِ حسنہ ہیں، مثلاً علم، تحمل، تواضع و انکسار، ایفائے عہد، سخاوت اور شجاعت وغیرہ تو آپؐ کی سیرتِ طیبہ میں ان کی نہایت شاندار اور اعلیٰ مثالیں بکثرت ملتی ہیں۔

---

[1] ریاض الصالحین، باب ۵۵، بحوالہ ترمذی۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن بتایا ہے۔ [2] ریاض الصالحین، بحوالہ ترمذی۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح بتایا ہے۔ [3] ریاض الصالحین، بحوالہ مسلم۔ [4] ریاض الصالحین، بحوالہ مسلم [5] ریاض الصالحین، بحوالہ بخاری۔

Marfat.com

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عقائد، عبادات اور اخلاقیات سے لے کر انسانی زندگی کے تمام شعبوں کی بابت راہنمائی فرمائی ہے۔ کتب حدیث ان تمام پہلوؤں اور عناصر کی بابت آپؐ کی تعلیمات سے بھری پڑی ہیں۔ حضورؐ کی اہم تعلیمات کو اختصار کے ساتھ ذیل میں بیان کیا جاتا ہے[1]۔

(الف) عقائد کی بابت تعلیمات

رسولِ اکرمؐ نے مندرجہ ذیل عقائد کی تعلیم فرمائی:

۱۔ توحید پر ایمان

۲۔ رسالت پر ایمان

۳۔ کتب سماویہ پر ایمان

۴۔ ملائکہ پر ایمان

۵۔ آخرت پر ایمان (ان سب کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے)

(ب) عبادات کے بارے تعلیمات

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مندرجہ ذیل عبادات کی تعلیم دی ہے:

۱۔ نماز

۲۔ روزہ

۳۔ حج

۴۔ زکوٰۃ اس کے علاوہ رضاکارانہ طور پر صدقہ و خیرات کرنے کی بھی تعلیم دی ہے۔ (ان سب کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے)

---

[1] ان تمام شعبوں اور پہلوؤں کی بابت حضورؐ کی تعلیمات اس کتاب میں ان سے متعلق عنوانات کے تحت بیان کی جا چکی ہیں، یہاں ان کی تفصیل بیان کرنا بے جا طوالت اور کتاب کی ضخامت میں اضافے کا موجب بنے گا، لہٰذا تفصیل بیان کرنے سے احتراز کیا جائے گا۔

Marfat.com

ج۔ اخلاق سے متعلق تعلیمات

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمام اخلاقِ حسنہ کو اپنانے اور تمام رذائلِ اخلاق سے اجتناب کرنے کی تعلیم فرمائی ہے۔ اخلاقِ فاضلہ، صدق، امانت، صبر، شکر، استقامت، عفو، تحمل و حلم، رحم، عدل و احسان، تواضع و انکسار، ایفائے عہد، ایثار، سخاوت اور شجاعت وغیرہ میں سے ہر ایک کی بابت جداگانہ طور پر آپؐ کے ارشادات ملتے ہیں جن میں آپؐ نے ان اخلاقِ فاضلہ کو اپنانے کی تلقین فرمائی ہے۔ اسی طرح آپؐ نے رذائل اخلاق، جھوٹ، خیانت، غیبت، حسد، تکبر، بُخل، ظلم، بے رحمی وغیرہ ہر ایک سے بچنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

د۔ معاشرتی زندگی کی بابت تعلیمات

حضور اکرمؐ نے معاشرتی زندگی کے بہت سے پہلوؤں کے بارے میں راہنمائی فرمائی ہے۔ مندرجہ ذیل پہلو خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں:

(۱) مساوات۔ آپؐ نے مساوات کی تعلیم دی ہے۔ آپؐ کی تعلیم کی رُو سے کسی شخص کو رنگ، نسل، زبان، وطن وغیرہ کی بنا پر کسی دوسرے شخص پر فوقیت یا فضیلت حاصل نہیں ہے۔ فضیلت کی بنیاد صرف تقویٰ ہے۔ سب انسان ایک ماں باپ (آدمؑ و حوّاؑ) کی اولاد سے ہیں۔

قانون کی نظر میں سب برابر ہوں گے۔ اس میں امیر و غریب، حاکم و محکوم وغیرہ میں کوئی فرق نہیں کیا جائے گا۔ ہر انسان کی جان، آبرو اور مال یکساں طور پر محترم ہے۔ کوئی شخص قانون سے بالاتر نہ ہوگا۔

(۲) آپ نے بالخصوص عورتوں اور غلاموں کے ساتھ حسنِ سلوک کی ہدایت فرمائی ہے۔

(۳) والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی سخت تاکید فرمائی ہے۔

(۴) پڑوسی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔

(۵) صلہ رحمی (قرابت داروں سے تعلق استوار رکھنے) کی تاکید فرمائی ہے۔

(۶) میاں، بیوی کو ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔

ہ۔ معاشی زندگی کی بابت تعلیمات

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسبِ حلال کرنے، اور حلال کمائی میں سے مخلوقِ خدا (اپنے اہل و عیال، والدین، قرابت داروں، ہمسائیوں اور حاجت مندوں) پر خرچ کرنے کی تعلیم دی ہے۔ آپؐ نے سادہ زندگی بسر کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ حضورؐ نے تمام معاشی برائیوں مثلاً سود خواری، قمار بازی، ذخیرہ اندوزی، ناپ تول میں کمی، ملاوٹ وغیرہ کرنے سے سختی سے منع فرمایا ہے۔

Marfat.com

اہم سوالات

۱۔ ہجرت مدینہ کے اسباب، واقعات اور نتائج بیان کیجیے۔ (پنجاب یونیورسٹی ۱۹۹۰ء دوسرا گروپ)

۲۔ فتح مکہ پر تفصیل سے روشنی ڈالیے۔ (پنجاب یونیورسٹی سپلیمنٹری ۱۹۹۱ء، دوسرا گروپ)

۳۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کامیاب ترین مبلغ تھے۔ وضاحت کیجیے۔ (پنجاب یونیورسٹی ۱۹۸۹ء، دوسرا گروپ)۔

۴۔ حضورِ اکرمؐ ایک مثالی تاجر تھے۔ وضاحت کیجیے۔

۵۔ بحیثیت معلم رسولِ اکرمؐ کے اوصاف بیان کیجیے۔

۶۔ نبی کریمؐ بہترین سربراہِ خاندان تھے۔ بحث کیجیے (پنجاب یونیورسٹی ۱۹۹۱ء سپلیمنٹری، دوسرا گروپ)

۷۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بہترین رعظیم سپہ سالار تھے۔ بحث / وضاحت کیجیے۔ (پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۹۲ء، پہلا گروپ، ۱۹۸۸ء، دوسرا گروپ)۔

۸۔ حضور اکرمؐ کے اخلاق کے نمایاں پہلو بیان کیجیے (پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۹۲ء، دوسرا گروپ)۔

۹۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر ایک جامع مضمون سپردِ قلم کیجیے (پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۸۹ء، پہلا گروپ)۔

۱۰۔ نوٹ لکھیے:

(الف) رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی (پنجاب یونیورسٹی ۱۹۹۰ء پہلا اور دوسرا دونوں گروپ۔ ۱۹۹۲ء، پہلا اور دوسرا دونوں گروپ)۔

(ب) مواخاۃ (پنجاب یونیورسٹی ۱۹۸۹ء، دوسرا گروپ)۔

(ج) میثاقِ مدینہ (پنجاب یونیورسٹی ۱۹۸۹ء، دوسرا گروپ)۔

(د) خطبہ حجۃ الوداع کی اہمیت۔

۱۱۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ تشریح کیجیے۔

نوٹ: اس سوال کے جواب میں پہلے تو تمہید باندھیے کہ حضورؐ نے بھرپور زندگی بسر کی اور ہر حیثیت میں آپؐ کی حیاتِ طیبہ قیامت تک کے لوگوں کے لیے اُسوۂ حسنہ ہے۔ پھر بطور مثال حضورؐ کا بحیثیت ایک مثالی تاجر، معلم، مبلغ، سربراہِ خاندان اور سپہ سالار ذکر کیجیے۔

Marfat.com

باب چہارم

اسلام کی اخلاقی اقدار

اور

اسلامی معاشرے کے بنیادی اوصاف

(الف) تعمیرِ کردار

بلند اخلاق کا مفہوم۔ اخلاقِ فاضلہ مثلاً
صدق، توکل، تقویٰ، ایفائے عہد، سادگی
والدین اور بزرگوں کا احترام، رواداری اور وسعتِ نظر

(ب) اسلامی معاشرہ

کسبِ حلال، انسانی وقار، اجتماعی عدل، شوریٰ

Marfat.com

تعمیرِ کردار

کردار کا مفہوم

انسان دوسرے انسانوں کے ساتھ مل جل کر زندگی بسر کرتا ہے۔ یہ اس کی طبع ہے اور ضرورت بھی۔ دوسرے انسانوں کے ساتھ اس میل جول سے اس کے ان کے ساتھ طرح طرح کے تعلقات قائم ہوتے ہیں۔ وہ ان تعلقات کو کس طرح قائم رکھتا اور نباہتا ہے اس کا نام کردار ہے۔ اگر وہ ان تعلقات کو اس طریقے سے نباہتا ہے کہ دوسرے اس سے خوش ہوتے ہیں تو اس کا کردار اعلیٰ ہے اور اگر وہ اس سے ناخوش ہوتے ہیں تو اس کا کردار گھٹیا ہے۔ دوسرے انسانوں کے ساتھ مل جل کر زندگی بسر کرتے ہوئے ایک انسان دوسرے انسانوں سے بہت سے فوائد اور سہولتیں حاصل کرتا ہے اگر وہ کے بدلے میں انہیں بھی فائدے اور سہولتیں پہنچاتا ہے، اپنی استطاعت کے مطابق مگر اپنی پوری صلاحیتیں استعمال کر کے، تو اس کا کردار اچھا ہے اور اگر وہ دوسروں سے فوائد تو کم از کم حاصل کرتا ہے، لیکن انہیں فوائد کہیں زیادہ پہنچاتا ہے تو وہ اعلیٰ کردار کا مالک ہے۔ اس بات کو یوں بھی بیان کیا جا سکتا ہے کہ معاشرتی (مل جل کر رہنے کی) زندگی بسر کرتے ہوئے انسان پر دوسرے انسانوں کے لیے کچھ حقوق واجب ہوتے ہیں اور دوسرے انسانوں پر اس کے کچھ حقوق لازم آتے ہیں۔ اب اگر یہ دوسروں کے حقوق (یعنی اپنے فرائض) بہت اچھے طریقے سے ادا کرتا ہے اور اس پر اصرار نہیں کرتا کہ دوسرے بھی اس کے حقوق اسی طرح ادا کریں، نہ ان سے اس کی توقع رکھتا ہے اور اپنے حقوق تلف ہونے پر کوئی ناگوار ردِ عمل بھی ظاہر نہیں کرتا تو یہ انسان اعلیٰ کردار کا مالک ہے۔ اگر اس کے برعکس ہو تو کردار گھٹیا ہے۔

اسی بات کو ایک اور انداز سے بھی بیان کیا جا سکتا ہے۔ تمام جانداروں کی طرح انسان بھی اپنی بقا کے لیے جدوجہد کرتا ہے، وہ اپنی زندگی کو آسان بنانے اور اپنی شخصیت کو سنوارنے کے لیے بھی محنت اور کوشش کرتا ہے۔ اگر وہ ایسی جدوجہد کرتے ہوئے کسی دوسرے انسان کی ایسی ہی جدوجہد کو خراب نہیں کرتا، یعنی خود جینا چاہتا ہے تو دوسروں کو بھی جینے کا کچھ حق دیتا ہے تو اس کا کردار نہ اچھا ہے نہ برا۔ اگر وہ اپنی جدوجہد کے ساتھ ساتھ دوسرے انسانوں (تھوڑے یا زیادہ) کی جدوجہد میں بھی مدد دیتا ہے تو اس کا کردار اچھا ہے۔ اگر ایک فرد بشر اپنی بقا کے بجائے دوسرے انسانوں کی بقا اور ان کے سکھ کے لیے جدوجہد کرتا ہے تو اس کا کردار اعلیٰ ہے، اور وہ سب سے اچھا انسان ہے۔

Marfat.com

بلند اخلاق کا مفہوم:

اخلاق جمع ہے خُلق کی، جس کا مطلب ہے پختہ عادت۔ مراد یہ ہے کہ دوسرے انسانوں کے ساتھ تعلق یا برتاؤ کے کسی پہلو میں ایک آدمی عام طور پر کیا رویہ رکھتا ہے۔ مثلاً بالعموم وہ سچ بولتا ہے یا جھوٹ۔ اگر وہ عام طور پر سچ بولتا ہے تو اس کے اخلاق میں سے ایک خلق سچ بولنا (صدق) سمجھا جائے گا۔ سچ بولنا اس کی پختہ عادت ہے۔ اخلاق انسان کے کردار کے عناصر ہیں۔ انہیں سے مل کر کردار تشکیل پاتا ہے۔ تمام اخلاق سے مل کر جو مجموعی کیفیت بنتی ہے وہ کردار ہے۔

بلند اخلاق سے مراد ہے دوسروں کو سکھ دینے کے لیے جدّ وجہد کرنا۔ اُن سے کچھ حاصل کرنے کی تمنا نہ رکھنا۔ صدق، امانت، رحم، عفو، ایثار، سخاوت، علم وتحمل، ایفائے عہد، صبر، شکر، استقامت، عفت، اور پاکبازی، عدل و احسان، تواضع و انکسار، شرم وحیا، استغنا، اور خودداری، شجاعت خوش کلامی، نرمی اور شفقت یہ سب اخلاقِ فاضلہ بلند اخلاق کی مثالیں ہیں۔ جو شخص ان اخلاقِ حسنہ سے متصف ہوگا اسے بلند اخلاق والا انسان کہیں گے۔ ان اخلاق فاضلہ کی جو اضداد ہیں، مثلاً جھوٹ، خیانت، ظلم اور بے رحمی، خود غرضی، بخل، انتقام پسند ہونا، بد عہدی، بے صبری، احسان فراموشی، حق پر قائم نہ رہنا، بدچلنی اور بدکرداری، بے انصافی، تکبر اور غرور، بے حیائی، گھٹیا پن، بزدلی، بدکلامی، سختی وغیرہ اخلاق رذیلہ ہیں۔ بلند اخلاق والا شخص تمام اخلاقِ رذیلہ سے ہمیشہ بچتا ہے۔ جس شخص میں اخلاق رذیلہ پائے جائیں وہ بداخلاق ہے۔

غور سے دیکھا جائے تو تمام اخلاق فاضلہ کی اصل عفو اور ایثار ہیں اور باقی تمام اچھے اخلاق انہی دو اخلاق (عفو اور ایثار) کی شاخیں ہیں۔

اسلام میں تعمیر کردار کی اہمیت[1]

حضورؐ کی بعثت کا مقصد:

معاشرے کے افراد کا کردار اعلیٰ ہوگا تو وہ معاشرہ پُرامن، پُرسکون، خوشحال، مضبوط، طاقتور اور علوم وفنون میں ترقی کرنے والا ہوگا، دنیا میں اس کا اونچا مقام ومرتبہ ہوگا، زندگی کے مختلف شعبوں میں وہ اقوام عالم کی راہنمائی کرے گا۔ اسلام اللہ تعالیٰ کا واحد مقبول دین ہے، قرآن حکیم آخری آسمانی کتاب ہے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں۔ تو اسلام اعلیٰ کردار کو اور سیرت د

---

[1] یوں بھی کہہ سکتے ہیں: اسلام میں اعلیٰ کردار کی اہمیت۔ اسلام میں اخلاق فاضلہ کی اہمیت۔

Marfat.com

کردار کی تعمیر جیسے اہم کام کو بہت زیادہ اہمیت کیوں کر نہ دیتا - اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے پیارے رسولؐ کے منصب کو یوں بیان فرمایا ہے:

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۔

(آل عمران ، ۱۶۴)

ترجمہ: "آپؐ انہیں اللہ کی آیات پڑھ کر سناتے ہیں، ان کا تزکیہ کرتے ہیں ۔ انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں ۔"

حکمت میں علم و عمل دونوں شامل ہیں اور تزکیہ سے مراد اعلیٰ سیرت و کردار کی تعمیر ہے حضور اکرمؐ کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ

" بے شک مجھے تو اخلاق حسنہ کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے ۔"

حضورؐ کی طرف سے صحابہؓ کی کردار سازی:

رسول کریمؐ نے اہل ایمان کو اعلیٰ اخلاق کی صرف تعلیم نہیں دی بلکہ آپؐ نے ان کے سامنے اخلاق فاضلہ کا بہترین عملی نمونہ پیش کیا اور مسلسل کوشش کے ساتھ مومنین کو اخلاق حسنہ سے متصف کیا۔ حضورؐ کی بعثت سے پہلے اہل عرب اخلاق فاضلہ کے مالک نہ تھے بلکہ ان میں رذائل بکثرت پائے جاتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تئیس سال کی محنت شاقہ اور تربیت کی بدولت عرب کے یہی لوگ آپؐ کے صحابہ کرامؓ کے عظیم شرف سے سرفراز ہوئے اور اخلاق فاضلہ میں انہوں نے دنیا بھر کے انسانوں کے لیے اعلیٰ مثالیں پیش کیں اور ان کے معلم اور امام بنے ۔ یہ حضور اکرمؐ کی صحبت اور تربیت کا فیضان ہے اور آپؐ کا اعجاز ہے۔ آپؐ نے دنیا بھر کے انسانوں کی راہنمائی اور پیشوائی کے لیے نہایت بلند اخلاق رکھنے والے صحابہ کرامؓ کی ایک بہت بڑی جماعت تیار فرمادی۔ بنی نوع انسان پر حضورؐ کے احسانات میں یہ عظیم احسان بھی شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول اور حبیب پر لاکھوں درود و سلام ۔

قرآن حکیم میں کردار کی اہمیت:

قرآن حکیم میں اُخروی نجات کا ذریعہ دو چیزیں بتائی گئی ہیں۔

۱۔ ایمان

۲۔ عمل صالح (یعنی اعلیٰ سیرت و کردار)

قرآن حکیم میں ہر مقام پر جنت کے مستحق صرف انہی لوگوں کو بتایا گیا ہے جو ایمان رکھتے تھے اور جنہوں نے نیک اعمال کیے۔

مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

Marfat.com

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ (البقرہ، ۸۲)

اور جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے۔ وہی اہلِ جنت ہیں۔ وہ اس میں سدا مقیم رہیں گے۔

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے۔ اخلاق فاضلہ کی اصل دو اخلاق ہیں: عفو اور ایثار۔ قرآن حکیم میں عفو کی تعلیم دی گئی ہے۔ عدل و انصاف کے ساتھ بدلہ لینے کی بھی اجازت ہے لیکن ترجیح عفو کو دی ہے اور اسی کی ترغیب دی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۚ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۝

اور اگر تم بدلہ لو تو اُسی قدر لو جس قدر تم پر زیادتی کی گئی ہے اور اگر تم صبر کرو تو ضرور یہ صبر کرنے والوں کے حق میں بہتر ہے۔

(النحل ۱۶: ۱۲۶)

جو لوگ جنت میں جائیں گے ان کی صفات میں سے یہ بھی ہیں کہ وہ غصے کو پینے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں:

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ (آلِ عمران، ۱۳۴)

اہلِ ایمان انصارِ مدینہ کی ایک صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ ایثار کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جو دل کی تنگی سے محفوظ ہوتے ہیں یعنی دوسروں کے لیے ایثار کرتے ہیں وہی ہیں فلاح پانے والے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ڵ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (الحشر، ۵۹: ۹)

اور وہ (دوسروں کو) اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں چاہے خود تنگی میں ہوں اور جو بچالیے گئے دل کی تنگی سے تو وہی ہیں فلاح پانے والے۔

حدیث میں اخلاق کی اہمیت:

اسلام میں تمام اخلاقِ فاضلہ کو اپنانے کی تعلیم دی گئی ہے اور رذائلِ اخلاق سے اجتناب کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ رسول اکرمؐ کے ارشاد کے مطابق کسی شخص کے اخلاق جتنے اچھے ہوں گے اتنا ہی اس کا ایمان کامل ہوگا: اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ اَخْلَاقًا[1] ایک اور حدیث میں حضورؐ کا فرمان ہے:

---

[1] ریاض الصالحین، باب ۷۳، حسن خلق، بحوالہ ترمذی۔

Marfat.com

إِنَّ مِنْ خِيَارِكُمْ أَحْسَنَكُمْ أَخْلَاقًا[1]

"تم میں بہترین ■ وہ ہیں جو تم میں اخلاق میں سب سے اچھے ہیں"

ایک صحابی حضرت نواس ؓ نے حضورؐ سے نیکی اور گناہ کی بابت دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا:

اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ وَالْاِثْمُ مَا حَاكَ فِي صَدْرِكَ وَكَرِهْتَ اَنْ يَّطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ[2] "نیکی حسنِ خلق ہے اور گناہ وہ ہے جو تیرے سینے (یعنی دل) میں کھٹکے اور تو اسے ناپسند کرے کہ لوگ اس سے مطلع ہوں"

اسلامی اخلاقیات کی امتیازی خصوصیات:

اسلام کے علاوہ دیگر تمام مذاہب کی بنیاد بھی اخلاق پر ہے، لیکن جیسے دوسرے تمام شعبوں میں اسلامی احکام و تعلیمات سب مذاہب کے مقابلے میں زیادہ جامع، ترقی یافتہ اور کامل ہیں۔ اسی طرح اخلاق کی بابت بھی اسلامی تعلیمات زیادہ جامع و کامل ہیں۔ اسلام میں ان کی تکمیل ہو گئی ہے، ان کو انسانی فطرت سے ہم آہنگ کر دیا گیا ہے، ان کو قابلِ عمل بنا دیا گیا ہے۔ اسلام کی پیش کردہ اخلاقی تعلیمات انسانی زندگی کو سنوارنے میں زیادہ ممد اور موثر ہیں۔ مثلاً اسلام نے انتقام لینے کی ترغیب نہیں دی گئی ہے، ترغیب عفو و درگزر کرنے کی دی ہے مگر برابر کا بدلہ، جس میں ذرا بھی زیادتی نہ ہو، لینے کی بھی اجازت ہے یہ نہیں کہا کہ کوئی ایک گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا گال بھی اسے پیش کر دو۔ ایثار کی تعلیم دی ہے، لیکن اپنے اور اپنے بال بچوں کے حقوق بھی پورا کرنے کی تلقین کی ہے۔

اب نصاب میں شامل بعض اخلاقی اقدار کو بیان کیا جائے گا۔

صدق

معنی و مفہوم:

صدق کے لغوی معنی ہیں:

۱۔ سچ کہنا، یعنی جو امر واقعہ ہے من و عن وہی بتانا۔
۲۔ عمل میں کھرا اور مخلص ہونا۔ جو کام کرے اپنی پوری قوت و صلاحیت کو اس میں صرف کر دے۔
۳۔ دل کا سچا اور کھرا ہونا۔

---

[1]: ریاض الصالحین، باب ۷۲، بحوالہ صحیحین۔

[2]: ریاض الصالحین، باب ۷۲، بحوالہ مسلم۔

Marfat.com

صادق اس سے اسم فاعل ہے اور صدیق کا معنی ہے، ہمیشہ سچ کہنے والا، سچ کو سچ بتلانے والا، یعنی تصدیق کرنے والا، اپنے عمل سے اپنے قول کی تائید کرنے والا، یعنی جو کچھ کہے وہی کچھ کرے بھی۔

صدق کے شعبے:

مذکورہ بالا معانی کو پیش نظر رکھیں تو صدق کو تین شعبوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ دل کی سچائی

۲۔ زبان کی سچائی

۳۔ عمل کی سچائی

۱۔ دل کی سچائی:

دل کی سچائی سے مراد نیت و ارادہ کا خالص ہونا، یعنی ہر کام کرتے وقت دل میں خلوص ہو۔ ارشاد نبویؐ کے مطابق مسلمانوں کا خلوص اللہ تعالیٰ، اس کی کتاب، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، مسلمانوں کے امام (یعنی حکمرانوں) اور ان کے عوام سے ہوتا ہے[1]۔ لہٰذا وہ ہر کام اللہ کی رضا کے لیے کرے گا، کتاب و سنت کے احکام کے مطابق کرے گا اور اس میں اسلامی حکومت اور عوام کی بہبود اور بھلائی کی خواہش موجود ہوگی۔ وہ کوئی ایسا کام نہیں کرے گا جس سے صرف ایسا ذاتی مفاد مقصود ہو جو اسلامی حکومت کے مفاد و مقاصد یا عوام کے مفاد کے منافی ہو اور نہ ہی وہ جان بوجھ کر کوئی ایسا کام کرے گا جس میں کتاب و سنت کے کسی حکم کی خلاف ورزی ہو۔ مختصر یہ کہ اس کے دل میں اللہ کی خوشنودی کی طلب اور عوام کی بھلائی کی آرزو ہر وقت موجود رہے گی۔

دل کی سچائی کے مقابلے میں نفاق (منافقت) ہے۔ منافق کے دل میں کھوٹ ہوتا ہے۔ زبان سے ایمان اور خیر خواہی کا دعویٰ کرتا ہے، لیکن اس کے دل میں کفر اور بدخواہی ہوتی ہے۔ وہ اگر کوئی نیکی کرتا ہے تو ریاکاری اور دکھاوے کے لیے کرتا ہے۔ مثلاً دل کی سچائی رکھنے والا مسلمان اگر خیرات کرے گا تو اللہ کی رضا جوئی کے ارادے سے کرے گا اور اس کے دل میں غرباء و مساکین کے لیے محبت اور ہمدردی کے جذبات ہوں گے مگر منافق خیرات اس ارادے سے کرے گا کہ لوگ اسے سخی اور فیاض کہیں اور غرباء و مساکین اس کے ممنون اور احسان مند ہو جائیں۔ یہی فرق ہوگا ان کے باقی سب نیک اعمال میں۔ مومن کو اس کے ہر نیک عمل کا اجر ملے گا، کیونکہ وہ ہر نیک کام دل کی سچائی یعنی خلوصِ نیت کے ساتھ کرتا ہے۔ جبکہ منافق کو اس کے کسی نیک عمل کا اجر نہیں ملے گا۔ کیونکہ اس کے دل میں نفاق اور کھوٹ ہے، سچائی اور خلوص نہیں ہے۔ مومن کا ہر نیک عمل اللہ کی خوشنودی کے حصول

---

[1] : ریاض الصالحین، باب ۲۲، بحوالہ مسلم۔

Marfat.com

کے لیے ہوتا ہے جب کہ منافق ریاکاری کرتا ہے، وہ لوگوں کے دکھاوے کے لیے نیکی کرتا ہے کہ لوگ اسے نیک کہیں، مثلاً وہ خیرات کرے گا تو سخی کہلانے کے لیے جبکہ مومن کی خیرات صدقہ (صدقہ وہ خیرات ہے کہ جو صدق دل کے ساتھ کی جائے) ہوتی ہے۔

۲۔ زبان کی سچائی

زبان کی سچائی سے مراد یہ ہے کہ آدمی اپنے علم کے مطابق درست بیان کرے، جو کچھ اسے معلوم ہے اس کا صحیح اظہار کرے، جو کچھ دل میں ہے وہی زبان پر لائے۔ یعنی حقیقت کا اظہار کرے اور امرِ واقعہ بیان کرے تو یہ زبان کی سچائی یا صدق قولی ہے۔ اس کے برعکس، اگر وہ حقیقت یا امر واقعہ کے خلاف بات کرے گا تو یہ جھوٹ ہوگا۔

۳۔ عمل کی سچائی

عمل کی سچائی یہ ہے کہ انسان کا ظاہر و باطن ایک ہو، جو اس کے دل میں ہو اس کے مطابق عمل ہو، دل میں اللہ کے لیے محبت اور اس کا تقویٰ ہو تو عمل میں بھی اس محبت اور تقویٰ کا اظہار ہونا چاہیے۔ دل میں حضور اکرمؐ سے محبت و عقیدت ہو تو اس کے اعمال بھی اس کے مطابق ہونے چاہئیں، یعنی وہ کام کیے جائیں جو حضورؐ کو پسند ہیں، جن کی آپؐ نے تعلیم دی ہے اور ان کاموں سے اجتناب کیا جائے جو آپ کو ناپسند ہیں اور جن سے آپؐ نے منع فرمایا ہے۔

عمل کی سچائی میں یہ بات بھی شامل ہے کہ مسلمان جو کام کرے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر کرے، اسے اپنی پوری استعداد کے مطابق بطریق احسن انجام دے۔ اس میں جان بوجھ کر کوئی کوتاہی نہ کرے۔ مثلاً نماز پڑھے تو حضورِ قلب اور پورے خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھے، منافقوں کی طرح کاہل بن کر اور جمائیاں لے لے کر نہ پڑھے۔ جہاد کرے تو اپنی پوری ہمت اور طاقت کے ساتھ کرے، کم ہمتی اور بزدلی سے کام نہ لے۔ علم حاصل کرے تو پوری محنت اور لگن کے ساتھ کرے۔

قرآن و حدیث میں صدق کی تاکید

قرآن حکیم میں صدق کی بہت تاکید کی گئی ہے، مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ

(التوبۃ: ۹: ۱۱۹)

ترجمہ: "اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ"

جھوٹوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت کا ذکر ملتا ہے:

Marfat.com

ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ (آل عمران ۳: ۶۱)

ترجمہ: "پھر ہم اللہ سے اس طرح دعا کریں کہ جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہو"[۱]

رسول اکرمؐ خود بھی الصادق والامین تھے اور آپؐ نے اپنی امت کو بھی صدق اختیار کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ آپؐ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: "جو چیز شک و شبہ پیدا کرے اسے ترک کرکے وہ بات اختیار کر جس میں شک و شبہ نہ ہو۔ یقیناً سچ اطمینان ہے اور جھوٹ شک ہے۔"[۲]

حضور اکرمؐ نے جھوٹ سے اجتناب کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ آپؐ نے منافق کی چار خصلتیں بتائی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ وہ بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے۔

صدق کی اہمیت اور فوائد و ثمرات

تعمیرِ کردار میں صدق کی اہمیت:

انسان کی سیرت و کردار کی تشکیل میں صدق کی بڑی اہمیت ہے۔ ہر امر میں صدق اختیار کرنے والا آدمی تمام برائیوں اور گناہوں سے محفوظ رہتا ہے اور اعلیٰ کردار کا مالک ہوتا ہے۔ معاشرتی دباؤ ہر آدمی محسوس کرتا ہے، جھوٹ بولنے والا برائی کرتے وقت یہ خیال رکھتا ہے کہ میں جھوٹ بول کر معاشرے میں شرمندگی اٹھانے اور رسوا ہونے سے بچ جاؤں گا۔ اس لیے وہ برائی کا ارتکاب کر لیتا ہے۔ اس کے برعکس، ہمیشہ سچ بولنے والے شخص کے دل میں جب کسی بُرائی کا خیال آتا ہے تو فوراً اُسے یہ احساس ہوتا ہے کہ اگر کسی نے پوچھ لیا تو مجھے یہ بات بتانا ہوگی، پھر بدنامی اور تذلیل ہوگی۔ اس لیے وہ اس برائی کے خیال کو ذہن سے جھٹک کر دور کر دیتا ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص حضورؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا، یا رسول اللہ مجھ میں چار بڑی خصلتیں ہیں: بدکار ہوں۔ چوری کرتا ہوں۔ شراب پیتا ہوں۔ اور جھوٹ بولتا ہوں۔ آپؐ کی خاطر ان میں سے کوئی ایک چھوڑ سکتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا جھوٹ نہ بولا کر۔ اس نے آپؐ سے جھوٹ نہ بولنے کا وعدہ کر لیا۔ پھر اسے بدکاری، چوری اور شراب نوشی میں سے جس کا بھی خیال آتا اور اس کا ارتکاب کرنے کو جی چاہتا فوراً ہی یہ خیال آجاتا کہ اگر اس کی بابت پوچھا گیا تو سچ بتانا

۱: نیز دیکھیے سورہ النور، ۲۴: ۷

۲: ریاض الصالحین، باب الصدق، بحوالہ ترمذی۔

Marfat.com

پڑے گا، جھوٹ بول نہیں سکتا، اور سچ بولنے سے رسوائی بھی ہوگی اور اس جرم کی سزا بھی ملے گی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس نے باقی تین برائیاں بھی چھوڑ دیں۔

سچ کی عادت انسان کو نیکی کی طرف لے جاتی ہے اور برائی سے روکتی ہے۔ جبکہ جھوٹ بولنے کی کی عادت انسان کو برائی کے ارتکاب پر دلیر بنا دیتی ہے۔ حضور اکرمؐ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: "سچ نیکی کی طرف لے جاتا ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے اور یقیناً آدمی سچ بولتا رہتا ہے تاکہ اللہ کے ہاں اس کو صدیق لکھ لیا جاتا ہے۔ اور جھوٹ گناہ کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ دوزخ کی طرف لے جاتا ہے اور یقیناً آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے تاآنکہ اللہ کے ہاں اس کو کذاب لکھ لیا جاتا ہے"[1]

۲۔ صدق ذریعۂ نجات ہے:

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے:

اَلصِّدْقُ يُنْجِيْ وَالْكِذْبُ يُهْلِكُ

"سچ نجات دلاتا ہے اور جھوٹ ہلاک کرتا ہے۔"

سچ بولنے سے دنیا میں پریشانیوں سے نجات ملتی ہے اور آخرت میں عذاب سے۔ جھوٹ بولنے والے کو فکر لاحق رہتی ہے کہ اس کا جھوٹ پکڑا نہ جائے، اُسے ایک جھوٹ کو چھپانے کے لیے کئی اور جھوٹ بولنا پڑتے ہیں۔ لیکن سچ بولنے سے خواہ وقتی طور پر کچھ نقصان ہی کیوں نہ ہو جائے لیکن آدمی بے فکر ہو جاتا ہے، دل مطمئن اور پُرسکون رہتا ہے۔

۳۔ لوگوں کا اعتماد حاصل ہوتا ہے:

لوگوں کے جتنے بھی معاملات طے پاتے ہیں ان میں باہمی اعتماد کو بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے اور لوگوں کا اعتماد سچائی سے حاصل ہوتا ہے۔ سچے شخص پر سب کو اعتماد ہوتا ہے، لہٰذا اس کے ساتھ کوئی بھی معاملہ وہ بے دھڑک اور پورے اطمینان کے ساتھ کر لیتے ہیں۔ اس کے برعکس جھوٹ بولنے والا شخص لوگوں کا اعتماد کھو بیٹھتا ہے، کوئی شخص اس پر اعتماد نہیں کرتا، اس لیے اس کے ساتھ کوئی بھی معاملہ (لین دین کا، یا کوئی معاہدہ، تجارتی سودا، رشتہ ناطہ وغیرہ) کرنے سے ہچکچاتے ہیں۔ اس طرح سچے کو بھی اس کی سچائی سے بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں اور معاشرے کو بھی۔ ایسا شخص لوگوں کے لیے ایک بڑی نعمت ہوتا ہے۔

۴۔ **رضائے الٰہی کا حصول:** ہر نیکی کا مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہے اور ہر مسلمان کا منتہائے

---

[1] ریاض الصالحین: باب الصدق: بحوالہ بخاری و مسلم۔

Marfat.com

آرزو یہ ہے کہ اللہ کی خوشنودی حاصل ہو جائے سچے لوگوں کو اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○ (المائدہ ۵: ۱۱۹)

ترجمہ: "اللہ فرمائے گا: یہ وہ دن ہے جس میں سچے لوگوں کو ان کی سچائی نفع دیتی ہے، ان کیلئے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، یہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے، یہی عظیم کامیابی ہے۔"

توکّل

معنی و مفہوم:

توکّل (علیٰ) کا لغوی معنی ہے اپنا معاملہ یا کام اس کے سپرد کرنا جس پر یہ اعتماد ہو کہ وہ اس کو کرنے کی قدرت رکھتا ہے اور وہ اس کو احسن طریقے سے کرے گا۔ اس کام کو انجام دینے میں بہترین نائب ثابت ہوگا۔ جس کو کام سپرد کیا جاتا ہے اور جس پر اعتماد کیا جاتا ہے اسے وکیل کہتے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں توکّل سے مراد اللہ پر بھروسہ (توکّل علی اللہ) ہے۔ اس اصطلاحی توکّل میں درج ذیل اہم نکات شامل ہیں:

۱۔ پختہ یقین:

اللہ تعالیٰ پر پختہ ایمان ہو اور پختہ یقین ہو کہ وہ قادرِ مطلق ہے، وہ جو چاہے کر سکتا ہے اور قدرتِ مطلقہ صرف اسی کی ہے، ساری کائنات اس کے سامنے عاجز اور بے بس ہے۔ وہ اگر نفع دینا چاہے تو ساری کائنات مل کر روک نہیں سکتی اور اگر وہ نقصان پہنچانا چاہے تو کوئی اس سے بچا نہیں سکتا۔ یعنی توحید و صفاتِ باری تعالیٰ پر پکا ایمان ہو۔

۲۔ حتی المقدور کوشش

اپنی استطاعت اور مقدور میں جو کچھ ہو سب صرف کر دینا چاہیے، اس کے بعد اللہ پر توکّل کرنا چاہیے کہ وہ اس محنت اور کوشش کا مطلوبہ ثمر عطا فرمائے۔ مثلاً ایک کسان کا توکّل علی اللہ یہ ہونا چاہیے کہ وہ محنت سے زمین میں ہل چلائے اور اسے کاشت کے لیے تیار کرے پھر اپنی دانست کے مطابق بہترین بیج بو دے۔ اس کے بعد اللہ پر توکّل کرے کہ وہ اسے اُگا دے۔ کسان زمین کے اندر داخل ہو کر بیج کو پھاڑ کر اس میں سے پودا نکالنے کی قدرت نہیں رکھتا یہ کام وہ اللہ کے سپرد کر دے جو اس کی کامل قدرت رکھتا

Marfat.com

ہے۔ اس حدیث سے اس نکتے کی اچھی طرح وضاحت ہو جائے گی۔ ایک صحابیؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے اللہ پر توکل کر کے اپنا اونٹ چھوڑ دیا تھا تو وہ کہیں چلا گیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ توکل کرنے سے پہلے اس کے گھٹنے باندھ دینے تھے۔

پس توکل کے لیے ضروری ہے کہ اپنی محنت اور کوشش میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی جائے اور صبر و استقامت سے کام کیا جائے۔ اس میں جتنی بھی مشکلات و مصائب آئیں ان کو برداشت کیا جائے۔

۳۔ **اطمینان قلب:**

اللہ کی مدد پر دل کو پورا اطمینان ہو۔ لہٰذا ضروری ہے کہ کسی لمحے بھی مایوسی قریب نہ پھٹکے اور نہ ہی کسی وقت حوصلہ ہارے، خواہ مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں۔ اگر دل میں ناکامی کا وسوسہ موجود رہے یا کسی بھی لمحے مایوسی طاری ہو جائے تو سمجھیے گا کہ اللہ پر توکل نہیں ہے۔ حضور اکرمؐ کے اسوۂ حسنہ کو دیکھیے، آپ کو کیسی کیسی مصیبتیں جھیلنا پڑیں لیکن آپؐ کا اللہ پر توکل قائم رہا۔ آپؐ نے کبھی مایوسی کو اپنے قریب نہ آنے دیا۔

۴۔ **یہ توکل نہیں ہے کہ:**

۱۔ آدمی محنت نہ کرے اور اللہ پر بھروسہ کر کے بیٹھ رہے کہ وہ کام بنا دے گا۔

۲۔ آدمی ایسا کام کرے جو دین کے احکام و تعلیمات کے منافی ہو اور اللہ پر بھروسہ کرے کہ وہ اسے کامیابی دے گا۔

۳۔ مقصد کے حصول کے لیے ناجائز ذرائع بھی اختیار کرے اور اللہ پر بھروسہ رکھے۔ ناجائز ذرائع میں ایسے تمام وسائل و اسباب شامل ہیں جو شرعی احکام کے خلاف ہوں، جن سے دوسروں کو نقصان پہنچتا ہو یا جن میں شرک کا مفہوم پایا جاتا ہو۔

۴۔ آدمی تدبیر و احتیاط سے کام نہ لے اور اندھا دھند خطرات میں کود پڑے۔ حضور اکرمؐ کی سیرت طیبہ سامنے رہنی چاہیے۔ آپؐ نے ہمیشہ ہر ممکن تدبیر و احتیاط اختیار فرمائی اور اللہ پر توکل رکھا، مثلاً غزوات میں آپؐ کے اسوۂ حسنہ کا مطالعہ کریں تو پتا چلتا ہے کہ آپؐ نے اتنی اعلیٰ تدبیر اختیار فرمائیں کہ دشمن کی ساری تدبیریں ناکام ہو گئیں اور وہ بے بس ہو گئے۔ غزوۂ اُحد میں پہاڑ پر تیر اندازوں کو تعینات فرمانا، غزوۂ احزاب میں مدینہ منورہ کے گرد خندق کھود کر شہر کا دفاع کرنا، قیصر روم کی طرف سے ممکنہ حملہ کے لیے جیشِ عسرت لے کر تبوک کی مہم پر تشریف لے جانا۔ آپؐ تو اللہ کے حبیب، امام الانبیاء و سید المرسلین ہیں، اللہ تو ویسے ہی آپؐ کو فاتح و غالب کر دیتا اور آپؐ نے تمام انبیاءؑ و رسلؑ سے زیادہ جو مصائب برداشت کیے وہ نہ کرنا پڑتے۔ مگر اللہ کا یہ دستور نہیں ہے توکل کے سلسلے میں یہ اصول ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے:

Marfat.com

وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ۝ (النجم، ۵۳: ۳۹)

ترجمہ: "اور کہ نہیں ہے انسان کے لیے کچھ مگر وہ جس کی اس نے کوشش کی۔"

جو اصول فرد کے لیے ہے وہی قوم کے لیے ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ ط (الرعد، ۱۳: ۱۱)

ترجمہ: یقیناً اللہ نہیں بدلتا کسی قوم کے حال کو جب تک وہ خود نہ بدلیں اپنی حالت کو۔"

توکّل کی اہمیت

قرآن حکیم میں بارہا توکل علی اللہ کا ذکر آیا ہے۔ کہیں کسی نبی یا رسول کو توکل علی اللہ کا حکم دیا گیا ہے کہیں اہل ایمان کو حکم دیا گیا کہ وہ اللہ پر توکل کریں اور بعض مقامات پر اہل ایمان کی اس صفت کی تعریف کی ہے کہ وہ اللہ پر توکل رکھتے ہیں مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۱۔ وَعَلَى اللّٰہِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (الطلاق، ۶۵: ۱۳)

ترجمہ: "اور اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے ایمان والوں کو۔"

۲۔ اِنَّہٗ لَیْسَ لَہٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ۝

(النحل، ۱۶: ۹۹)

ترجمہ: "یقیناً اس (یعنی شیطان) کا ان لوگوں پر قابو نہیں چلتا جو ایمان لائے اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔"

۳۔ وَمَا عِنْدَ اللّٰہِ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ۝

(الشوریٰ، ۴۲: ۳۶)

ترجمہ: "جو کچھ اللہ کے ہاں ہے وہ بہتر اور زیادہ پائیدار ہے، ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔"

۴۔ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰہِ ط اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِیْنَ ۝

(آل عمران، ۳: ۱۵۹)

ترجمہ: "تو جب آپ عزم کرلیں تو بھروسہ رکھیے اللہ پر، یقیناً اللہ پسند کرتا ہے بھروسہ رکھنے والوں کو۔"

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ وہ اس پر بھروسہ رکھیں اس کے ساتھ یہ بھی بتا دیا ہے کہ جو اللہ پر بھروسہ رکھے گا اللہ اس کے لیے کافی ہے، پھر اسے کسی اور پر بھروسہ کرنے یا کسی کی مدد کی حاجت نہ ہوگی، وہ ساری کائنات سے بے نیاز ہو جائے گا۔ ارشاد ربانی ہے:

Marfat.com

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ط (الطلاق، ۶۵ : ۳)

ترجمہ: "اور جو بھروسہ رکھتا ہے اللہ پر تو وہ اس کے لیے کافی ہے۔"

رسول اکرمؐ نے توکل علی اللہ میں اعلیٰ عملی مثالیں پیش کی ہیں اور مسلمانوں کو اللہ پر بھروسہ رکھنے کی تلقین بھی فرمائی ہے۔ توکل کی بابت آپؐ سے متعدد احادیث روایت کی گئی ہیں۔ مثلاً حضور کا ارشاد ہے:

ترجمہ: "تم اگر اللہ تعالیٰ پر ایسا توکل رکھو جیسا کہ اس پر توکل رکھنے کا حق ہے تو وہ تمہیں اسی طرح رزق دے گا جیسے وہ پرندوں کو رزق دیتا ہے کہ صبح کے وقت بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو بھرے پیٹ لوٹتے ہیں۔"[1]

توکّل کے ثمرات

۱۔ جو اللہ پر بھروسہ رکھتا ہے اس پر شیطان کا قابو نہیں چلتا۔

۲۔ اللہ پر بھروسہ رکھنے والا دنیا بھر سے بے نیاز ہو جاتا ہے، اللہ کی مدد اس کے لیے کافی ہوتی ہے۔

۳۔ توکل علی اللہ سے انسان میں نہایت اعلیٰ درجے کا کام سرانجام دینے کا عزم و حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اسے یقین ہوتا ہے کہ اسے قادرِ مطلق کی حمایت حاصل ہے۔

۴۔ اللہ پر بھروسہ رکھنے والا کبھی، کسی حال میں بھی ہمت نہیں ہارتا اور نہ مایوس ہوتا ہے۔ بڑی سے بڑی مشکلات اور مصیبتیں بھی اس کا حوصلہ نہیں ڈھا سکتیں۔

۵۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہو تو دل ہمیشہ مطمئن رہتا ہے، کبھی پریشان نہیں ہوتا۔

۶۔ اللہ پر بھروسہ رکھنے والوں کو اللہ پسند کرتا ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا اجر ہے۔

تقویٰ

معنی و مفہوم

اس کا لغوی معنی ہے: اپنے آپ کو اس چیز سے بچانا جس سے خوف ہو۔ خوف اذیت یا ضرر پہنچنے کا ہوتا ہے۔ شرعی اصطلاح میں تقویٰ سے مراد ہے دل میں اللہ کا خوف رکھتے ہوئے اپنے آپ

---

[1] ریاض الصالحین، باب الیقین والتوکل بحوالہ ترمذی

Marfat.com

کو گناہ کا موجب بننے والی چیزوں سے بچانا، یعنی شریعت نے جن چیزوں سے منع کیا ہے ان کو چھوڑ دینا اور حرام اور حلال کے درمیان جو شبہ والی چیزیں (مشتبہات) ہیں ان کو بھی ترک کر دینا۔ اللہ کے خوف سے مراد ہے اللہ کی ناراضگی کا ڈر۔ اگر اللہ ناراض ہو جائے تو پھر انسان کے پاس کون سا سہارا باقی رہ جاتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے ہر انسان پر ان گنت احسانات ہیں، ہر لمحہ اس کی مدد کی اسے ضرورت ہے، لہٰذا کوئی انسان اللہ کی ناراضگی کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اور اللہ کی ناراضگی سے بچنے کا طریقہ یہی ہے کہ اللہ کی اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کی جائے، اوامر بجا لائیں اور نواہی سے باز رہیں۔

تقویٰ کے اہم تقاضے

تقویٰ کی مذکورہ بالا تعریف پر غور کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بہت ہی جامع قسم کی اصطلاح ہے اس کے کئی پہلو ہیں اور اس کے اظہار کی متعدد صورتیں ہیں۔ اس تعریف سے اس امر کا بھی پتا چلتا ہے کہ تقویٰ کے بہت سے تقاضے ہیں، جن کو پورا کیے بغیر انسان اس وصف سے کامل طور پر متصف نہیں ہو سکتا۔ تقویٰ کے بعض اہم تقاضے درج ذیل ہیں:

۱۔ ایمان[1]:

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ تقویٰ ہو گا تو پختہ ایمان بھی ہو گا، اور اگر ایمان ہی نہیں ہو گا تو تقویٰ کے ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ایمان اور تقویٰ لازم و ملزوم ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (المائدہ، ۵:۵۷)

"اور ڈرو اللہ سے اگر تم ایمان والے ہو۔"

متقی کا اللہ کی توحید اور اس کی صفات پر پورا اور مضبوط ایمان ہو۔ اسے یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے، سب کچھ دیکھ رہا ہے، سن رہا ہے، وہ دلوں کے بھید بھی جانتا ہے، وہ علیم و خبیر ہے، قادر مطلق ہے وہ آخرت پر بھی یقین رکھتا ہو، کہ ایک دن اسے اپنے رب کے حضور پیش ہو کر دنیا میں اپنے کیے ہوئے اعمال کا حساب دینا ہے اور وہاں نیک اعمال کا اجر اور برے اعمال کی سزا ملے گی۔ تقویٰ والا شخص سابقہ الہامی کتابوں اور آخری الہامی کتاب قرآن مجید پر ایمان رکھتا ہو،

---

[1] مفصل ایمان متقین کے اوصاف میں شامل ہے۔ دیکھیے مثلاً سورہ البقرہ، ۲: ۲ تا ۴، ۱۷۷۔ سابقہ انبیائے کرام، نوحؑ، ہودؑ، شعیبؑ، لوطؑ، صالحؑ، الیاسؑ وغیرہ کو لوگ جھٹلاتے، ان پر ایمان نہ لاتے تو وہ ان سے کہتے: اَلَا تَتَّقُوْنَ، کیا تم ڈرتے نہیں، کیا تم تقویٰ نہیں رکھتے؟ دیکھیے سورہ الشعراء، ۲۶: ۱۰۶، ۱۲۴، ۱۴۲، ۱۶۱، ۱۷۷۔ سورہ الصّٰفّٰت، ۳۷: ۱۲۴۔

Marfat.com

فرشتوں، انبیاء ورسل اور خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت پر ایمان رکھتا ہے۔ اسے پختہ یقین ہوتا ہے کہ آپؐ کی اتباع میں ہی کامیابی ہے۔

۲- اللہ تعالیٰ سے شدید محبت:

متقی کے دل میں اللہ کی محبت سب سے زیادہ ہو جیسا کہ قرآن حکیم میں اللہ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرہ ۲: ۱۶۵)

"اور جو لوگ ایمان رکھتے ہیں وہ سب سے زیادہ اللہ سے محبت رکھتے ہیں۔"

اور تقویٰ والے ہی اہل ایمان ہوتے ہیں۔ متقی احسان شناس ہوتا ہے وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس پر اتنے احسانات اور نوازشات ہیں کہ وہ انہیں شمار کرنا چاہے تو شمار نہ کر سکے گا۔ اسے احساس ہوتا ہے کہ اس کا رب اس پر کتنا مہربان ہے، اس پر اس کی کتنی رحمتیں ہیں۔ اس لیے اسے اپنے سوہنے اور مہربان رب سے بے پناہ محبت ہونی چاہیئے۔

۳- دل میں صرف اللہ کا خوف

جس سے جتنی زیادہ محبت ہوتی ہے اتنا ہی زیادہ وہ اس کی ناراضگی سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ محبوب کی ناراضگی مول لینے کا یارا اور حوصلہ کسے ہو سکتا ہے! متقی کو اپنے رب رحیم سے شدید ترین محبت ہوتی ہے۔ اس لیے وہ نہایت محتاط رہتا ہے کہ کہیں اس کا رب اس سے خفا نہ ہو جائے۔

اور اس کے دل میں صرف اللہ ہی کا خوف ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ نے حکم دیا ہے:

وَاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ (البقرہ ۲: ۴۱)

"اور صرف مجھ ہی سے ڈرو۔"

کیونکہ اس کا ایمان ہے کہ اس کا نفع صرف اللہ کی خوشنودی میں ہے اور اس کا نقصان صرف اللہ کی ناراضگی میں ہے، اور اللہ کے سوا کوئی اُسے نہ نفع دے سکتا ہے اور نہ نقصان۔ اُسے یقین ہے کہ اگر اسے کوئی مصیبت پہنچ جائے تو سوائے اللہ کے کوئی اسے دور نہیں کر سکتا اور اگر اللہ اُسے بھلائی پہنچانا چاہے تو کوئی اس کے فضل کو ٹالنے والا نہیں ہے۔[1]

اللہ کا عبادت گزار ہو

متقی اللہ تعالیٰ کا عبادت گزار ہوتا ہے۔ عبادت الٰہی تقویٰ کے اظہار کی نہایت اعلیٰ صورت ہے اور تقویٰ کا اہم تقاضا بھی ہے۔ اللہ کی عبادت نہ کرنا تقویٰ کے منافی ہے۔[2] اللہ ہی معبود حقیقی ہے، وہی خالق ہے وہی مالک، وہی رب ہے اور وہی حامی و مددگار، اس کی عبادت

---

[1]: دیکھیے سورہ یونس ۱۰: ۱۰۶

[2]: دیکھیے مثلاً سورہ المومنون ۲۳، ۲۳: ۲۳ و ۳۲

Marfat.com

متقی کی سعادت اور خوش بختی ہے۔ عبادت، اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم رکھنے کی بہترین صورت ہے۔ اس سے اس کا اپنے رب کے ساتھ ربط و تعلق استوار رہتا ہے۔ عبادت متقی کے لازمی اوصاف میں شامل ہے۔[1]

۵۔ حقوق العباد ادا کرے:

تقویٰ کا یہ اہم تقاضا ہے کہ وہ بندوں کے حقوق احسن طریقے سے ادا کرے۔ اللہ کے بندوں سے محبت کرے، ان سے ہمدردی رکھے، مصیبت میں ان کے کام آئے اور جس کا اس کے ذمے جو حق بنتا ہے وہ ادا کرے، والدین، اپنے بیوی بچوں، رشتہ داروں، پڑوسیوں، ہم وطنوں اور ملت کی طرف سے جو فرائض اس پر عائد ہوں ان کو بجا لائے۔ مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ (البقرہ ۲: ۲۸۳)

"تو جس کو امانت سونپی گئی وہ اس کے مالک کو اس کی امانت ادا کرے اور اپنے رب اللہ سے ڈرے۔"

قرآن مجید اور حدیث نبوی میں والدین سے حسن سلوک، زوجین کے لیے آپس میں اچھا برتاؤ، رشتہ داروں اور پڑوسیوں سے نیک سلوک کی تلقین سب مسلمانوں کو کی گئی ہے، تقویٰ والے شخص پر ان احکام کی بجا آوری بدرجہ اولیٰ لازم آتی ہے۔

۶۔ انفاق فی سبیل اللہ:

اللہ کی راہ میں خرچ کرنا بھی متقی کے اوصاف میں شامل ہے۔ مال انسان کو بہت پیارا ہوتا ہے مگر متقی کو سب سے زیادہ محبت اللہ سے ہوتی ہے، چنانچہ وہ اللہ کی محبت میں اپنا مال خرچ کرتا ہے۔ ان جگہوں پر جن پر خرچ کرنے سے اللہ راضی ہوتا ہے۔ متقی کا انفاق فی سبیل اللہ صرف اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ہوتا ہے۔

۷۔ صبر و استقامت:

تقویٰ کا تقاضا ہے کہ اگر تنگی یا مصیبت آ جائے یا جہاد میں مشکلات کا سامنا ہو تو صبر سے کام لے، ہمت نہ ہارے، اللہ پر بھروسہ رکھے، گھبراہٹ اور پریشانی کو قریب نہ آنے دے۔ سورہ بقرہ کی آیت ۱۷۷ میں صبر کو بھی متقین کے اوصاف میں بیان کیا گیا ہے۔[2]

۸۔ واضح حرام اور مشکوک چیزوں سے پرہیز:

جو چیزیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم ﷺ نے واضح طور پر حرام کر دی ہیں۔ ان سے سب مسلمان پرہیز کرتے ہیں یا انہیں پرہیز کرنا چاہیے، لہٰذا متقی بھی ان سے لازماً پرہیز کرے گا، لیکن تقویٰ والا

---

[1]: سورہ بقرہ ۲: ۷۷ [2] سورہ بقرہ، آیت ۱۷۷

Marfat.com

مسلمان ان چیزوں سے بھی پرہیز کرے گا، جن کا حلال یا حرام ہونا واضح نہیں ہے، جو مشکوک ہیں۔ ارشاد نبویؐ ہے:

ترجمہ: "یقیناً حلال واضح ہے اور یقیناً حرام واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان مشکوک چیزیں ہیں، جن کو اکثر لوگ نہیں جانتے۔ پس جو ان مشکوک چیزوں سے پرہیز کرے گا وہ اپنے دین اور اپنی آبرو کو بچائے گا اور جو مشکوک چیزوں میں پڑ گیا وہ حرام میں پڑ گیا۔ اس چرواہے کی طرح جو (اپنا ریوڑ) ممنوعہ علاقے کے آس پاس چراتا ہو، مبادا وہ اس ممنوعہ علاقہ میں چرنے لگے۔ خبردار! ہر بادشاہ کا ایک ممنوعہ علاقہ ہوتا ہے اور اللہ کا ممنوعہ علاقہ اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں۔ سن لو! بدن میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے وہ ٹھیک رہے تو سارا بدن ٹھیک رہتا ہے اور وہ بگڑ جائے تو سارا بدن بگڑ جاتا ہے سن لو وہ لوتھڑا دل ہے۔" [1]

۹۔ عہد ایفا کرتے ہیں:

سورہ بقرہ (آیت ۱۷۷) میں متقین کے اوصاف میں ایک وصف یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ عہد باندھتے ہیں تو اس کو نبھاتے ہیں، پورا کرتے ہیں۔ (تفصیل ایفائے عہد کے عنوان کے تحت دیکھیے گا)

۱۰۔ نیکی اور تقویٰ میں تعاون:

جن کے دلوں میں تقویٰ ہوتا ہے وہ معاشرے میں نیکی اور تقویٰ کے ہر کام میں تعاون کرتے ہیں اور گناہ اور زیادتی کے کسی کام میں تعاون نہیں کرتے۔ وہ اپنے رب تعالیٰ کے اس حکم پر پورا عمل کرتے ہیں:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۖ (المائدہ ۵:۲)

ترجمہ: "اور ایک دوسرے سے تعاون کرو نیکی اور تقویٰ میں اور نہ تعاون کرو گناہ اور زیادتی میں۔"

متقی کو نیکی سے دلی رغبت اور بدی سے شدید نفرت ہوتی ہے۔

تقویٰ کی اہمیت

قرآن حکیم میں تقویٰ کی اصطلاح بہت زیادہ استعمال ہوئی ہے۔ اہل ایمان کو اور لوگوں کو تقویٰ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ سابقہ انبیائے کرام بھی تقویٰ رکھنے کی تلقین کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تقویٰ رکھنے والوں کے لیے دنیا میں کامیابی، اپنی مدد، اپنی محبت اور اخروی نجات اور انعامات کا مژدہ سنایا ہے۔ تمام نیکیوں، عبادات، اعمالِ صالحہ، اخلاقِ حسنہ کی غرض و غایت یہ ہے کہ دلوں میں تقویٰ پیدا ہو۔ ذیل میں اختصار سے اس کا ذکر کیا جائے گا۔

---

[1] ریاض الصالحین، باب الورع وترک الشبہات، بحوالہ بخاری و مسلم۔

Marfat.com

۱۔ قرآن حکیم میں تقویٰ کا حکم:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۱۔ یَاأَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ (الحج، ۲۲: ۱)

ترجمہ: " اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو "

۲۔ یَاأَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِیدًا

(الاحزاب، ۳۳: ۷۰)

ترجمہ: " اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور درست بات کہو۔"

۳۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (التغابن، ۶۴: ۱۶)

ترجمہ: پس اللہ سے ڈرو جس قدر تم ڈر سکتے ہو۔

۲۔ تمام عبادات سے مقصود تقویٰ ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۱۔ یَاأَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِینَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ۔ (البقرہ: ۲: ۲۱)

ترجمہ: اے لوگو! عبادت کرو اپنے رب کی جس نے پیدا کیا تمہیں اور ان کو جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم تقویٰ رکھو۔

۲۔ یَاأَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِینَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ۔ (البقرہ: ۱۸۳)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جیسے ان پر فرض کیا گیا تھا جو تم سے پہلے تھے:

۳۔ قبول اعمال کا معیار تقویٰ ہے:

اللہ تعالیٰ صرف وہی نیک اعمال قبول فرماتا ہے جو تقویٰ کے ساتھ کیے جائیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۱۔ لَنْ یَنَالَ اللّٰهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰكِنْ یَنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (الحج، ۲۲: ۳۷)

ترجمہ: نہیں پہنچتے اللہ کو ان (قربانی کے جانوروں) کے گوشت اور نہ ان کے خون مگر اسے تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

۲۔ قَالَ إِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِینَ (المائدہ، ۵: ۲۷)

ترجمہ: کہا (ہابیل نے قابیل سے) اللہ تو صرف تقویٰ رکھنے والوں سے ہی (قربانی) قبول کرتا ہے

لہ: ریاض الصالحین، باب ۱، بحوالہ مسلم

Marfat.com

۴۔ فضیلت کا معیار تقویٰ ہے:

اللہ تعالیٰ نے فضیلت کا معیار صرف تقویٰ کو قرار دیا ہے:۔

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (الحجرات، ۴۹: ۱۳)

ترجمہ: "بے شک تم میں سب سے زیادہ عزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے۔"

۵۔ ارشاداتِ نبویؐ:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین فرمائی ہے اور اس کی اہمیت کو اُجاگر فرمایا ہے، مثلاً حضورؐ کا ارشاد ہے:

۱۔ یقیناً اللہ تمہارے جسموں اور تمہارے چہروں کو نہیں دیکھتا، بلکہ وہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔[۱]
یعنی دلوں میں جو تقویٰ ہے اس کو دیکھتا ہے۔

۲۔ حضور اکرمؐ سے عرض کیا گیا: "یا رسول اللہ! لوگوں میں سے سب سے زیادہ عزت والا کون ہے؟"
آپؐ نے ارشاد فرمایا: "جو ان میں سے سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے۔"[۲]

آپؐ نے اپنے مشہور خطبۂ حجۃ الوداع میں بڑی وضاحت کے ساتھ تقویٰ کے سوا فضیلت کے سب معیار باطل قرار دیے۔

تقویٰ کے ثمرات

۱۔ خیر و شر میں تمیز کا ملکہ:

انسان بہت ہی کوتاہ بصیرت والا (SHORT SIGHTED) ہے، وہ ایک چیز کو حاصل کرنے کے لیے تن من کی بازی لگا دیتا ہے۔ بغیر یہ جانے کہ وہ چیز اس کے حق میں خیر ہے یا شر۔ خیر سمجھ کے حاصل کر لیتا ہے۔ بعد میں پتہ چلتا ہے کہ وہ چیز تو اس کے حق میں شر تھی۔ اسی طرح شریعت نے بعض امور کی بابت تو وضاحت کر دی کہ یہ حلال ہے یہ حرام، لیکن کئی امور ان دونوں کے بین بین ہوتے ہیں، عام آدمی کو پتا نہیں چلتا کہ حرام ہیں یا حلال۔ لیکن جو شخص تقویٰ رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے یہ ملکہ عطا فرما دیتا ہے کہ وہ خیر و شر میں تمیز کر سکے اور مشکوک چیزوں کے بارے میں فیصلہ کر سکے کہ حرام ہیں یا حلال۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

[۱]: ریاض الصالحین، باب ۱، بحوالہ مسلم۔
[۲]: ریاض الصالحین، باب ۶، بحوالہ بخاری و مسلم۔

Marfat.com

إِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا - (الانفال، ۸ : ۲۹)

ترجمہ: "اگر تم اللہ کا تقویٰ رکھو گے تو وہ تمہارے لیے ایک کسوٹی بہم پہنچا دے گا۔"

فرقان سے مراد ہے حق و باطل، خیر و شر، حرام و حلال اور نیکی اور بدی میں تمیز کرنے کی صلاحیت اور اس کا ملکہ۔ یہ بہت بڑی نعمت ہے، جس کی قدر وہی جانتے ہیں جو دنیا کے بندے نہیں ہیں۔

۲۔ مشکلات آسان ہو جاتی ہیں:

جو شخص تقویٰ رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مشکلات آسان فرما دیتا ہے، سخت دشواری اور مصیبت میں بھی بچ نکلنے کی کوئی راہ پیدا کر دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا (الطلاق، ۶۵ : ۲)

ترجمہ: "اور جو اللہ کا تقویٰ رکھتا ہے اللہ اس کے لیے (مشکلات سے) نکلنے کا کوئی راستہ پیدا کر دیتا ہے۔"

ایک اور مقام پر ارشاد ربانی ہے:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا (الطلاق، ۶۵ : ۴)

ترجمہ: اور جو اللہ کا تقویٰ رکھتا ہے اللہ اس کے لیے اس کے کام میں سہولت پیدا فرما دیتا ہے۔

۳۔ غیر متوقع رزق:

تقویٰ رکھنے والا مسلمان ایسی جائز (مباح) چیزوں سے بھی پرہیز کرتا ہے جو مشکوک ہوتی ہے اور جن سے دوسرے فائدہ اٹھاتے ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ متقی سراسر گھاٹے میں رہتا ہے اور بھوکوں مرتا ہے۔ رب العالمین تو اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کی ربوبیت تو کفار و مشرکین کے لیے بھی ہے جو اس کے متقی بندے ہیں کیا وہ انہیں بھوک و افلاس میں مبتلا ہونے دے گا؟ نہیں۔ وہ انہیں ایسے ایسے ذرائع سے رزق فراہم کرتا ہے جن کی بابت ان کے ذہن میں کبھی کوئی گمان یا خیال تک نہیں آیا ہوتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (الطلاق، ۶۵ : ۲)

ترجمہ: "اور اسے (جو اللہ کا تقویٰ رکھتا ہے) وہ ایسے ایسے ذریعے سے رزق دیتا ہے۔ جدھر کا اسے گمان بھی نہیں ہوتا ہے۔"

۴۔ اللہ کی تائید اور محبت

اہل تقویٰ کو اللہ تعالیٰ کی تائید حاصل ہوتی ہے، اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے اور اللہ ان سے محبت رکھتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

Marfat.com

۱۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ (البقرہ ۲، ۱۹۴)

ترجمہ: "اور جان لو کہ یقیناً اللہ متقیوں کے ساتھ ہے"۔

۲۔ فَاِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ (اٰل عمران، ۳ : ۷۶)

ترجمہ: "پس یقیناً اللہ متقیوں سے محبت رکھتا ہے"۔

۵۔ اہلِ تقویٰ کے لیے جنت اور اجرِ عظیم ہے،

آخرت میں اللہ تعالیٰ متقیوں کو بڑے انعامات سے نوازے گا، انہیں جنت میں داخل کرے گا اور اجرِ عظیم عطا فرمائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

۱۔ لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّھِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَھَّرَۃٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ ط

اٰل عمران ۳ : ۱۵)

ترجمہ: جو لوگ تقویٰ رکھیں ان کے لیے ان کے رب کے ہاں باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں مقیم رہیں گے اور وہاں ان کی پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور انہیں اللہ کی خوشنودی حاصل ہوگی"۔

اللہ تعالیٰ کی خوشنودی (رضوان ہے) بہت بڑی نعمت ہے۔

۲۔ ترجمہ: اور جو لوگ اپنے رب کا تقویٰ رکھتے تھے انہیں گروہ در گروہ جنت کی طرف لے جایا جائے گا حتّٰی کہ جب وہ وہاں پہنچیں گے، اور اس کے دروازے پہلے ہی کھولے جا چکے ہوں گے تو اس کے منتظمین ان سے کہیں گے، سلام ہو تم پر، بہت اچھے رہے تم! داخل ہو جاؤ اس میں مقیم رہنے کے لیے"۔ (الزمر، ۳۹ : ۷۳)

۳۔ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یُکَفِّرْ عَنْہُ سَیِّاٰتِہٖ وَیُعْظِمْ لَہٗٓ اَجْرًا

(الطلاق، ۶۵ : ۵)

ترجمہ: "اور جو اللہ کا تقویٰ رکھے گا اللہ اس کی برائیوں کو اس سے دور کر دے گا اور اس کو بڑا اجر دے گا"۔

ایفائے عہد

مفہوم:

ایفائے عہد کا معنی ہے عہد پورا کرنا۔ عہد کا مفہوم بہت وسیع ہے اور اس میں درج ذیل

Marfat.com

اقسام شامل ہیں۔

۱۔ اولادِ آدم نے اللہ تعالیٰ سے جو اقرار کیا تھا، اور خود اپنے اوپر اس کے گواہ بنے تھے، کہ اللہ ہی ان کا رب ہے یہ بھی عہد ہے (عہدِ الست) - اس عہد کو پورا کرنے کی صورت یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی توحید پر کامل ایمان رکھے اور ہر طرح کے شرک سے بچے اور اللہ تعالیٰ کی توحید کا شعور، اسی عہد کی بدولت، ہر انسان کو ہر دور میں حاصل رہا ہے۔

۲۔ اسلام قبول کر کے مسلمان اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرنے کا عہد کرتا ہے۔ اس عہد کو ایفا کرنے کی صورت یہ ہے کہ کتاب وسنت کے مطابق زندگی بسر کی جائے۔ ان میں جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا گیا ان کو انسان بجالائے اور جن سے منع کیا گیا ہے۔ ان سے باز رہے۔ اپنے نئے پیش آمدہ مسائل بھی کتاب وسنت کی روشنی میں حل کرے۔

۳۔ تیسرا عہد یہ ہے کہ حکومت کے احکام کی تعمیل اور اس کے قوانین کی پابندی کی جائے گی۔ قرآن و حدیث میں اولوالامر کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ حکومت اور عام شہریوں کا باہمی تعلق ایک عہد کے تحت ہے۔ لوگوں کا حکومت سے یہ عہد ہوتا ہے کہ ہم حکومت کے احکام پر عمل کریں گے اور اس کے بنائے ہوئے قوانین کی پابندی کریں گے۔ اس کے بدلے میں حکومت انہیں جان ومال اور آبرو کا تحفظ (ملک کے اندر کے شریر عناصر سے اور باہر کے حملہ آوروں سے) دینے کا بندوبست کرتی ہے؛ بہت سی شہری سہولتیں فراہم کرتی ہے اور معاشرے کی ترقی اور اصلاح کے لیے ضروری اقدامات کرتی ہے۔ لوگوں کے باہمی تنازعات طے کرانے کے لیے عدالتیں قائم کرتی ہے۔ کسی ملکی قانون کی خلاف ورزی کرنا بھی عہد شکنی ہے۔ لوگوں نے یہ تاثر لے رکھا ہے کہ شرعی حکم کی خلاف ورزی کرنا تو گناہ ہے مگر ملکی قانون کی خلاف ورزی کرنا گناہ نہیں ہے۔ یہ سراسر غلط تاثر ہے۔ حکومت کے حکم کو نہ ماننا اور اس کے بنائے ہوئے قانون کی خلاف ورزی کرنا بھی عہد شکنی اور گناہ ہے۔ یا پھر آپ اس عہد کو توڑ دیں یعنی بغاوت کا اعلان کر دیں صرف اس صورت میں حکمران کی اطاعت لازم نہیں رہتی۔ جب وہ ایسا حکم دے جس میں اللہ کی نافرمانی ہو۔

۴۔ وہ عہد، معاہدے جو مسلمانوں کی نمائندہ اسلامی حکومت دوسری قوموں سے کریں۔ ان کو بھی دی ہوئی شرائط کے مطابق پورا کرنا چاہیے۔

۵۔ وہ عہد، معاہدے، معاملے (CONTRACTS - DEEDS - DEALINGS) جو بندے آپس میں کرتے ہیں۔ ان کو بھی طے شدہ شرطوں کے مطابق پورا کرنے چاہیے۔ کسی زبان سے دیا ہوا قول، وعدہ بھی عہد ہے، اس کی بھی خلاف ورزی نہیں ہونی چاہیے۔

Marfat.com

۶۔ انسان اپنے آپ سے جو عہد کرے اسے بھی پورا کرنا چاہیے۔ مثلاً کوئی پختہ ارادہ (عزم) کرے تو پھر اللہ پر بھروسہ کرکے اور اس کی تکمیل کے لیے ہر ممکن اقدامات اور بھرپور جدوجہد کرے۔ اگر اپنے جی میں قسم کھالے تو اس کو بھی پورا کرنا چاہیے، یہ بھی عہد ہے۔

ایفائے عہد کی اہمیت

الف۔ از روئے قرآن حکیم۔

۱۔ ایفائے عہد کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو عہد پورا کرنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۱۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ (المائدہ، ۵: ۱)

ترجمہ: "اے ایمان والو! معاہدے پورے کرو"

۲۔ وَاَوْفُوْا بِالْعَھْدِ اِنَّ الْعَھْدَ کَانَ مَسْئُوْلًا (بنی اسرائیل، ۱۷: ۳۴)

ترجمہ: "اور عہد کو پورا کرو یقیناً عہد کے بارے باز پرس ہوگی"

۳۔ وَاَوْفُوْا بِعَھْدِ اللّٰہِ اِذَا عٰھَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَیْمَانَ بَعْدَ تَوْکِیْدِھَا۔ (النحل، ۱۶: ۹۱)

ترجمہ: "اور اللہ کے ساتھ عہد کو پورا کرو جب تم کوئی عہد باندھو اور نہ توڑا کرو قسموں کو ان کو پختہ کرنے کے بعد"

اگر دشمن قوم سے بھی کوئی معاہدہ کر رکھا ہو تو اس کو بھی پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اگر اس کی طرف سے خیانت (عہد شکنی) کا اندیشہ ہو تو پھر بھی معاہدے کی خفیہ طور پر خلاف ورزی نہیں کرنی چاہیے بلکہ معاہدہ توڑنے کا کھلم کھلا اعلان کرنا چاہیئے (دیکھیے سورہ الانفال ۸: ۵۶ تا ۵۸)

۲۔ مؤمنین کا لازمی وصف ہے: اہل ایمان میں ایفائے عہد کی صفت کا پایا جانا لازمی امر ہے۔ مومن کبھی غدار اور عہد شکن نہیں ہو سکتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِاَمٰنٰتِھِمْ وَعَھْدِھِمْ رٰعُوْنَ (المؤمنون، ۲۳: ۸)

ترجمہ: "اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی حفاظت کرنے والے ہیں"

۳۔ متقیوں اور اہل عقل کی صفت: اللہ تعالیٰ نے متقیوں کی ایک صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ اپنا عہد پورا کرتے ہیں:

Marfat.com

وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عٰهَدُوْا (البقرہ ۲، ۱۷۷)

ترجمہ: "اور اپنے عہد کو پورا کرنے والے ہوتے ہیں جب وہ عہد باندھ لیں۔"

ایک مقام پر عقل والوں کی ایک صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں اور اس کو توڑتے نہیں:

اَلَّذِیْنَ یُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا یَنْقُضُوْنَ الْمِیْثَاقَ (الرعد، ۱۳، ۲۰)

ترجمہ: جو پورا کرتے ہیں۔ اللہ کے ساتھ عہد کو اور مضبوط باندھے ہوئے عہد کو توڑتے نہیں۔

۴۔ عہد شکنی کی مذمت: قرآن حکیم میں جہاں ایفائے عہد کا حکم دیا گیا اور عہد پورا کرنے والوں کی تعریف کی گئی ہے وہاں عہد شکنی کرنے والوں کی سخت مذمت بھی کی گئی ہے اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایفائے عہد کی کتنی اہمیت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: یقیناً جو لوگ اللہ کے ساتھ کیے ہوئے اپنے عہد کو اور اپنی قسموں کو حقیر داموں بیچ ڈالتے ہیں۔ ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے، اللہ قیامت کے روز نہ ان سے بات کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا۔ (گناہوں سے) اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

(ب) از روئے حدیث شریف:

رسول اکرمؐ نے اپنی امت کو ایفائے عہد کی سخت تلقین فرمائی ہے اور اس کی بڑی اہمیت بتائی ہے۔ حضور کا مشہور ارشاد گرامی ہے:

لَا دِیْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهٗ

اس کا کوئی دین نہیں جس کا کوئی عہد نہیں

حضور اکرمؐ کی سیرت طیبہ سے ایفائے عہد کی نہایت درخشندہ مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً:

۱۔ غزوہ بدر کا ایک واقعہ ہے، مجاہدین اسلام اور کفار مکہ کا لشکر میدان جنگ میں ایک دوسرے کے مدمقابل پڑاؤ کیے ہوئے تھے کہ اتنے میں دو صحابی حضرت حذیفہؓ بن الیمان اور ابو حسیلؓ کہیں سے آرہے تھے (وہ کسی کام سے مدینہ سے باہر گئے ہوئے تھے)۔ راستے میں دشمن نے روک لیا اور پھر اس شرط پر جانے دیا کہ سیدھے مدینہ جاؤ گے اور ہمارے خلاف لڑائی میں حصہ نہیں لو گے۔ وہ دونوں رسول اکرمؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو پورا ماجرا بیان کیا۔ آپؐ نے انہیں حکم دیا کہ تم مدینہ جاؤ ہم تمہارے کیے ہوئے عہد کو پورا کریں گے اور دشمن کے خلاف اللہ سے مدد مانگیں گے۔ مجاہدین اسلام پہلے ہی کفار کے لشکر کے مقابلے میں تعداد میں بہت کم تھے (تقریباً ایک اور تین کی نسبت تھی)۔ ایک ایک مسلمان مجاہد کی ضرورت تھی۔ ایسے میں بھی حضورؐ نے اپنے دو صحابیوں کے کیے ہوئے عہد کو پورا

Marfat.com

کیا، اور عہد بھی وہ جو بر سر جنگ دشمن سے کیا تھا۔ اس کا ایک بیٹا حضرت ابو جندلؓ اسلام لا چکا تھا اور باپ نے اسے بیڑیاں پہنا کر قید
۲۔ صلح حدیبیہ کی شرطوں میں سے ایک یہ بھی کہ اگر مکہ سے کوئی شخص اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر مدینہ آئے گا تو اُسے واپس کر دیا جائے گا اور اس کے برعکس اگر مدینہ سے کوئی شخص آئے گا تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔ صلح حدیبیہ میں کفار مکہ کی نمائندگی ان کا ایک سردار سہیل نامی کر رہا تھا۔ کر رکھا تھا۔ حضرت ابو جندلؓ کو پتا چلا کہ حضور اکرمؐ اپنے صحابہ کرامؓ کے ساتھ حدیبیہ میں تشریف رکھتے ہیں تو وہ کسی طرح سے وہاں پہنچنے میں بہت کامیاب ہو گئے۔ معاہدہ ابھی لکھا جا رہا تھا۔ سہیل نے مطالبہ کیا کہ معاہدے کی شرط کے مطابق اسے واپس کیا جائے۔ حضرت ابو جندلؓ نے مدد کے لیے صحابہ کرامؓ کو پکارا۔ حضور اکرمؐ نے ایفائے عہد فرماتے ہوئے اُسے واپس کر دیا۔ اگرچہ صحابہ عظامؓ پر اس کی واپسی بہت گراں گزری لیکن آپؐ کے حکم کے آگے خاموش رہے۔ آپؐ کے ایفائے عہد کا فائدہ یہ ہوا کہ مکہ میں اسلام کی اشاعت پہلے سے بڑھ گئی۔

ایفائے عہد کی افادیت

ایفائے عہد کو قرآن و حدیث میں اتنی زیادہ اہمیت جو دی گئی ہے اور اس عہد کو پورا کرنے کی جو سخت تاکید کی گئی ہے تو یقیناً فرد اور معاشرے کو اس سے گراں قدر فوائد بھی حاصل ہوں گے۔ چند فوائد درج ذیل ہیں۔

۱۔ اس سے باہمی اعتماد قائم ہوتا ہے، جو تمام معاملات کے طے پانے کے لیے اشد ضروری ہے۔
۲۔ اس سے لوگوں کو اطمینان اور سکون حاصل ہوتا ہے۔ اگر معلوم ہو کہ فلاں شخص، جس سے معاہدہ ہوا ہے۔ وفا کرنے کا عادی ہے تو دل مطمئن رہتا ہے، کوئی اندیشہ اور پریشانی لاحق نہیں ہوتی۔
۳۔ معاشرے میں امن و سکون رہتا ہے۔ جبکہ عہد شکنی سے لڑائی جھگڑے اور فساد ہوتے ہیں۔
۴۔ ایفائے عہد کرنے والے فرد یا قوم کی اچھی ساکھ اور شہرت بنتی ہے۔ دوسرے اس سے بلا خوف اور بے دھڑک معاملہ کرتے ہیں۔ اس سے معاشرتی اور معاشی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔
۵۔ ایفائے عہد کی عادت سے فرد کی شخصیت مضبوط ہوتی ہے جبکہ عہد شکنی کی عادت شخصیت کو کمزور کرنے کا باعث بنتی ہے۔ عہد شکنی معمولی دنیوی فائدے (دنیا کا بڑے سے بڑا فائدہ

Marfat.com

بھی معمولی ہے) کے لیے کی جاتی ہے۔ عہد کو پورا کرنے کی عادت سے انسان کی نظر میں دنیا کی وقعت کم ہو جاتی ہے، وہ کسی نفع یا نقصان کی پروا نہیں کرتا۔ یہی بات اُسے مضبوط شخصیت کا مالک بناتی ہے۔

سادگی

مفہوم

سادگی کی صحیح تعریف (DEFINITION) بیان کرنا بہت دشوار ہے اور نہ ہی اس کے خدوخال متعین کیے جا سکتے ہیں۔ اس کے لگے بندھے قواعد (HARD AND FAST RULES) بھی نہیں ہیں کہ مثلاً اتنے رقبے میں ان تفصیلات والی عمارت کا مکان ہو تو سادہ ہے ورنہ پُر تکلف یا پُر تعیش ہے۔ سادگی ایک اضافی اصطلاح (RELATIVE TERM) ہے اس کا مفہوم ہر دور، ہر معاشرے اور ہر فرد کے نزدیک مختلف رہا ہے۔ مثال کے طور پر رسول اکرمؐ کے عہد مبارک میں مسجد کی عمارت کا نقشہ ذہن میں رکھیں تو آج ہمارے گاؤں اور قصبے کی مسجد کی عمارت بھی غیر سادہ نظر آئے گی۔ آج کے دور میں ہمارا ملک عزیز پاکستان دنیا کے انتہائی مقروض اور پسماندہ و غریب ممالک میں شامل ہے لیکن اس غریب ملک کے ایک عام آدمی کا رہن سہن دیکھیں تو اس کی ہر چیز حضور اکرمؐ کے مبارک دور کے ایک عام آدمی کے رہن سہن کی چیزوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ پُر تکلف اور پُر تعیش دکھائی دے گی اور اگر امریکہ میں رہنے والے کسی کھاتے پیتے مسلمان کے رہن سہن سے موازنہ کریں تو یہ فرق اور بھی بڑھ جائے گا بلکہ ان میں موازنہ کرنا ہی بے سود ہے۔

کچھ آفاقی اصول ایسے ہیں جن کا اطلاق ہم ہر دور کے ہر فرد اور ہر معاشرے پر کر سکتے ہیں، یہ طے کرنے کے لیے کہ سادگی ہے یا نہیں ہے۔ یہ اصول درج ذیل ہیں:

۱۔ فخر و غرور نہ ہو

کسی بھی موقع پر، خواہ رہائش ہو یا لباس، دستر خوان ہو یا شادی بیاہ کی تقریب وغیرہ، فخر جتانے کے لیے کچھ نہ کیا جائے۔ فخر جتانے کے لیے، اپنے حالات اور توفیق کے مطابق جو کچھ بھی کیا جائے گا وہ سادگی سے خارج ہوگا۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَفْرَحُوا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ (الحدید ۵۷:۲۳)

ترجمہ: اور اللہ نے تمہیں جو (مال) دیا ہے اس پر اتراؤ نہیں، اور اللہ پسند نہیں کرتا کسی بھی اترانے والے اور فخر جتانے والے کو۔

Marfat.com

رسول کریمؐ کا فرمان ہے: "آپس میں تواضع سے پیش آؤ، کوئی دوسرے پر فخر نہ جتائے اور نہ کوئی دوسرے پر سرکشی کرے۔"[۱]

۲۔ وسائل کا ضیاع نہ ہو:

رزق کو کسی طرح بھی ضائع نہیں کرنا چاہیئے، وسائل کا ضیاع سادگی کے منافی ہے۔ اسلام میں اس کی ممانعت کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فضول خرچی سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ۝ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ

(بنی اسرائیل ۱۷: ۲۶-۲۷)۔

ترجمہ: "اور فضول خرچی نہ کر۔ یقیناً فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔"

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ اللہ مال کے ضیاع کو پسند نہیں کرتا۔[۲]

۳۔ لذت پرستی نہ ہو:

رہائش، لباس، خوراک وغیرہ سے مقصود ضرورتیں پوری کرنا ہونا چاہیے۔ لذت پرستی مقصود نہ ہو۔ لذت پرستی مذموم روش ہے۔ اگرچہ ضرورتوں کا معیار ہر دور، ہر فرد اور ہر معاشرے میں مختلف رہا ہے۔ ظاہر ہے ضرورتیں اپنے وقت کے دستور (معروف۔عرف) کے مطابق پوری کی جائیں گی۔

۴۔ تکلف و تصنع نہ ہو:

ایسا طرزِ زندگی ہو کہ کسی بھی موقع پر تکلف اور بناوٹ سے کام نہ لیا جائے۔ تکلف و تصنع سادگی کے منافی ہیں اور کبھی ان کو پسند نہیں کیا گیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہمیں تکلف (تصنع اور بناوٹ) سے منع کیا گیا ہے۔[۳]

سادگی کے متعلق حضورؐ کے ارشادات

۱۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے ایک دن آپؐ کے سامنے دنیا کا تذکرہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو تو، سنو تو! سادگی جزوِ ایمان ہے۔ سادگی جزوِ ایمان ہے۔"[۴]

۲۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دائیں ہاتھ میں ریشم اور بائیں ہاتھ میں سونا لے کر فرمایا یہ

---

[۱] ریاض الصالحین، باب ۷۱، بحوالہ مسلم [۲] ریاض الصالحین، باب ۲۱۳، بحوالہ مسلم

[۳] ریاض الصالحین، باب ۱۵۸، بحوالہ بخاری [۴] ریاض الصالحین، باب ۵۶، بحوالہ ابوداؤد

Marfat.com

دونوں چیزیں میری امت کے مردوں کے لیے حرام ہیں۔ [1]

۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اولادِ آدم کو تین چیزوں کے سوا کسی چیز کے لیے (تگ و دو) کا حق نہیں ہے۔ رہنے کے لیے مکان، ننگ ڈھانپنے کے لیے کپڑا اور روٹی اور پانی۔" [2]

۴۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ اس شخص سے نفرت کرتا ہے جو بلاغت جتلانے کے لیے اپنی زبان کو اس طرح توڑتا مروڑتا ہے جس طرح کوئی بیل (چارہ کھاتے وقت اپنی زبان مروڑتا ہے)۔ [3]

سادگی کے مواقع اور اس کی صورتیں

ذیل میں زندگی کے چند اہم اور خاص مواقع کا ذکر کیا جائے گا جن میں سادگی اختیار کرنی چاہیے۔

۱۔ **خوراک:**

خوراک سادہ ہونی چاہیے۔ اور اس سے مقصود جسمانی صحت و طاقت برقرار رکھنا ہو نہ کہ لذت حاصل کرنا

۲۔ **لباس:**

لباس سے مقصود بدن ڈھانپنا ہو تاکہ ننگ چھپایا جائے نیز موسم کی شدت کا مقابلہ کیا جائے۔ فخر و تکبر کے لیے نہ پہنا جائے اور نہ ہی کپڑے کا ضیاع کیا جائے۔

۳۔ **رہائش:**

رہائش سے مقصود آرام و سکون اور حفاظت حاصل کرنا ہو، فخر جتانا نہ ہو، نہ ہی اس میں وسائل کا بے دریغ ضیاع ہو۔

۴۔ **مجلس و معاشرت:**

آدمی ملنسار ہو، تواضع سے کام لے، مجلس میں اپنے لیے کوئی امتیاز پسند نہ کرے اپنی برتری نہ جتائے۔

۵۔ **کلام:**

گفتگو سے مقصود حسن طریقے سے اپنے مافی الضمیر کا اظہار ہو، اپنی زبان دانی کا رعب جمانے کے لیے نہ ہو۔

---

[1]: ریاض الصالحین، بحوالہ ابوداؤد۔ باب ۱۲۱ ، [2]: ریاض الصالحین، باب ۱۹۵ ، بحوالہ ترمذی۔
[3]: ریاض الصالحین، باب ۱۸۵ ، بحوالہ ترمذی و ابوداؤد۔

Marfat.com

۸۔ تقریبات:

شادی بیاہ وغیرہ کی تقریبات میں دولت کی نمائش اور رزق کے ضیاع سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ ایسا کرنا ممنوع ہے ان میں جتنی سادگی اختیار کی جائے گی اتنا ہی اچھا ہے۔

اسوۂ حسنہ اور سادگی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی فقر و زہد کی زندگی بسر فرمائی۔ آپؐ کا یہ فقر اختیاری تھا۔ آپؐ نے اپنے لیے اور اپنے اہل بیت کے لیے فقر و زہد کو اختیار فرمایا۔ ازواج مطہرات کے لیے مسجد نبوی سے ملحقہ چھوٹے چھوٹے حجرے تھے، ان کی چھتیں نیچی تھیں اور کھجور کی چھال کی تھیں موٹا جھوٹا پہنتے اکثر جَو کی روٹی کھاتے اور وہ بھی ان چھنے آٹے کی۔ گھر میں اکثر فاقہ بھی ہوتا تھا۔ سارے عرب پر اسلام کا غلبہ ہو گیا اور آپؐ ملک و حکومت کے سربراہ تھے، فتوحات سے خاصا مالِ غنیمت حاصل ہوا تھا (آپؐ اپنے حصّے کا مال ہمیشہ خیرات فرما دیتے) اس لیے ازواج مطہرات نے مطالبہ کیا کہ راشن پانی میں کچھ اضافہ ہونا چاہیے، لیکن حضورؐ نے نامنظور فرمایا، بات بڑھی تو آپؐ نے ناراض ہو کر گھر میں ہی ان سے علیحدگی اختیار فرمائی۔ آخر وحی الٰہی نازل ہوئی جس کے تحت آپؐ نے ازواج مطہرات کو اختیار دے دیا، چاہو تو اسی گزران پر قناعت کرلو اور چاہو تو علیحدگی اختیار کرلو۔

والدین اور بزرگوں کا احترام

والدین اور بزرگوں کے احترام سے مراد ہے ان کی عظمت کو ماننا، ان کی تعظیم کرنا، ان کا ادب و لحاظ کرنا۔ ذیل میں والدین اور بزرگوں کے احترام کی اہم صورتیں کو الگ الگ بیان کیا جائے گا۔

والدین کا احترام

والدین کے انسان پر اس قدر احسانات ہوتے ہیں کہ کسی طور ان کا پورا بدلہ نہیں چکا سکتا۔ ہر شخص کو یہ احسانات معلوم ہیں۔ دنیا کے ہر انسانی معاشرے اور ہر مذہب کی اخلاقیات کا پہلا سبق ہی والدین کا احترام رہا ہے۔ قرآن و حدیث میں والدین کے احترام کی سخت تاکید کی گئی ہے۔ ان کے احترام کی اہم صورتیں درج ذیل ہیں۔

Marfat.com

۱- اطاعت اور فرمانبرداری

اولاد کا فرض ہے کہ وہ عمر کے جس حصے میں بھی ہو، یعنی بچپن سے لے کر بڑھاپے تک، اپنے والدین کی فرمانبرداری کرے، ان کے احکام کو بجا لائے، جن امور سے روکیں ان سے باز رہیں۔ والدین کو اپنی اولاد سے بے لوث محبت ہوتی ہے۔ وہ ہمیشہ اس کے بھلے کا سوچتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ اگر تیرے والدین تجھے کنبہ اور دنیا سے نکل جانے کا حکم دیں تو جب بھی ان کی نافرمانی نہ کر۔ حدیث نبوی کی رو سے والدین کی نافرمانی سب سے بڑے کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ آپؐ کا فرمان ہے کہ والدین کی نافرمانی کی سزا انسان کو اس کی زندگی ہی میں گھیر لیتی ہے۔

اگر والدین اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے کا حکم دیں تو اس صورت میں ان کی اطاعت نہیں کرنی چاہیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا

(العنکبوت، ۲۹ : ۸)

ترجمہ: اور اگر وہ (یعنی والدین) تجھ پر زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے جس کا تجھے علم نہیں ہے تو تُو ان کی اطاعت نہ کر۔"

اسی طرح کوئی بھی حکم جو خلاف شرع ہو اس کو نہیں ماننا چاہیے مگر اس کے سوا ان کے کسی حکم کے ماننے میں کوئی کوتاہی نہیں کرنی چاہیے۔

۲- حسن سلوک:

والدین سے ساتھ حسن سلوک کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا (النساء، ۴ : ۳۶)

"اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔"

ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا (العنکبوت، ۲۹ : ۸)

"اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم دیا ہے۔"

حسن سلوک میں ادب تعظیم، اطاعت سے لے کر خدمت تک سبھی چیزیں شامل ہیں۔ والدین کی خدمت میں کوئی کسر نہیں چھوڑنی چاہیے۔

۳- نرمی سے پیش آنا چاہیے

والدین کے ساتھ نرمی سے پیش آنا چاہیے۔ ان کے ساتھ ادب اور نرمی سے گفتگو کرنی چاہیے ان کے سامنے اونچے لہجے میں بات نہیں کرنی چاہیے، انہیں جھڑکنا نہیں چاہیے۔ ان آداب کی ضرورت

Marfat.com

اس وقت خاص طور پر پیش آتی ہے جب اولاد جوان ہو اور والدین بوڑھے ہو جائیں، کیونکہ بڑھاپے میں بسا اوقات انسان میں چڑچڑا پن پیدا ہو جاتا ہے یا بچوں کی سی باتیں کرنے لگتا ہے۔ نسلی تفاوت (GENERATION GAP) کی وجہ سے بہت سے امور میں خیالات میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے، لہذا لحاظ رکھنا چاہیے۔ ارشاد ربانی تعالیٰ ہے:

ترجمہ: اگر ان دونوں میں سے ایک یا دونوں تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اف تک نہ کہہ اور نہ انہیں جھڑک اور ان سے ادب و احترام سے بات کہہ اور ان کے سامنے نرمی اور رحم کے ساتھ جھک کر رہ اور یہ کہہ، اے میرے رب ان پر رحم فرما جس طرح انہوں نے مجھے کمسنی میں پالا تھا۔ (بنی اسرائیل ۱۷: ۲۴)

۴۔ ناراضگی سے بچنا چاہیے۔

والدین کی ناراضگی سے بچنا چاہیے، کبھی انہیں ایسی سخت سست بات نہیں کہنی چاہیے یا ان کی ایسی حکم عدولی نہیں کرنی چاہیے جس سے وہ ناراض ہو جائیں۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ تین دعائیں یقیناً قبول ہوتی ہیں، مظلوم کی دعا، مسافر کی دعا اور والدین کی بددعا بیٹے کے لیے۔ اسی طرح آپؐ کا فرمان ہے کہ باپ کی خوشنودی میں رب کی خوشنودی ہے اور باپ کی ناراضگی میں رب کی ناراضگی ہے۔

۵۔ دعا

والدین کے لیے، ان کی زندگی میں اور ان کی وفات کے بعد بھی دعا کرتے رہنا چاہیے۔ زندہ ہوں تو اللہ کی رحمت کی دعا مانگنی چاہیے اور فوت ہو جائیں تو مغفرت کی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۱۔ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا (بنی اسرائیل ۱۷: ۲۴)

"اور کہہ اے میرے رب ان پر رحم فرما جس طرح انہوں نے مجھے بچپن میں پالا تھا۔"

۲۔ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ (نوح ۷۱: ۲۸)

"اے میرے پروردگار میری اور میرے والدین کی مغفرت فرما۔"

بزرگوں کا احترام

حدیث شریف میں بزرگوں کے لیے اکابر کا لفظ استعمال فرمایا ہے، جس کا واحد کبیر ہے۔ اکابر سے مراد ہیں:

۱۔ وہ لوگ جو عمر میں اپنے سے بڑے ہوں۔

Marfat.com

۲۔ اہل علم
۳۔ وہ صاحب اقتدار اور حکام (اولی الامر) جو نیک اور فرض شناس ہوں۔
۴۔ کسی قوم، قبیلہ یا خاندان کا سربراہ، خواہ کسی عمر کا ہو۔

۱۔ عمر میں بڑوں کا احترام:

اسلام نے تمام بزرگوں کا احترام کرنے کی تعلیم دی ہے۔ رسول اکرمؐ کا ارشاد ہے:

مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا فَلَيْسَ مِنَّا

"جس نے ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کیا اور ہمارے بڑے کا احترام نہ کیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔"

۲۔ اہل علم کا احترام

اسلام نے علم، علماء، اور طلبۂ علم سب کو بہت اہمیت دی ہے۔ علماء قوم کے معمار ہوتے ہیں، وہ ان کے کردار کی تعمیر کرتے ہیں، انہیں ذہن اور رُوح کی غذا فراہم کرتے ہیں وہ ان کی تعلیم و تربیت کرتے ہیں (اہل علم میں علمائے دین اور دیگر سکالرز اور اساتذہ کرام سب شامل ہیں)۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ علماء کی تعظیم کرو کیونکہ وہ انبیاء کے وارث ہیں۔ آپؐ کا فرمان ہے کہ جن سے تم علم حاصل کرتے ہو ان کے سامنے عاجزی سے رہو۔

۳۔ نیک حکام کا احترام:

نیک اور فرض شناس حکام لوگوں کی دن رات خدمت کرتے ہیں ان کی تعظیم ہونی چاہیے حضورؐ کا فرمان ہے کہ عادل حکمران کی تعظیم کرو۔

۴۔ کسی قوم، قبیلہ یا خاندان کے سربراہ کا احترام:

یہ سربراہ اپنی قوم، قبیلہ یا خاندان کا نمائندہ ہوتا ہے، لہٰذا اس کا احترام کرنے سے اس کی قوم، قبیلہ یا خاندان سے اچھے تعلقات قائم ہوں گے۔ حضور اکرمؐ کا فرمان ہے کہ جب تمہارے پاس کسی قوم کا معزز شخص آئے تو اس کی تعظیم کرو۔

بزرگوں کے احترام کے تقاضے

۱۔ پہل کر کے انہیں سلام کرو۔
۲۔ ان کے سامنے اونچی آواز اور بے باکانہ انداز میں نہ بولو۔
۳۔ ان سے گفتگو کرتے وقت نگاہیں پست رکھو۔
۴۔ ان کے سامنے مؤدب ہو کر بیٹھو۔

Marfat.com

۵- ان سے سبقت لے جانے کی کوشش نہ کرو۔

۶- ان کے سامنے قہقہے لگا کر نہ ہنسو۔

۷- مجلس میں کوئی بزرگ آئے تو اُسے اچھی جگہ پر بٹھاؤ۔

۸- وہ گفتگو کریں تو توجہ اور دھیان سے سنو اور بیچ میں مت ٹوکو۔

۹- کوئی کام کاج کہہ دیں تو حتی الامکان کرنے کی کوشش کرو۔

۱۰- ان کی کوتاہیوں اور خامیوں کی نشاندہی نہ کرو۔

رواداری اور وسعتِ نظر

مفہوم

رواداری فارسی کی ترکیب ہے۔ لفظی معنی ہے جائز رکھنا یا ماننا۔ اصطلاح میں اس سے مراد ہے غیروں بالخصوص دوسرے مذہب والوں کے ساتھ ویسا ہی حسن سلوک کرنا جیسا کہ اپنے کے ساتھ کیا جاتا ہے، اگر غیر کے مقابلے میں اپنا باطل پر ہو، ظلم کرتا ہو تو اس کی حمایت نہ کرنا اور غیر کی مخالفت نہ کرنا۔ اس کے مقابلے لفظ تعصب ہے جس کا مفہوم اس کے برعکس ہے، یعنی اپنا اگر حق پر نہ بھی ہو تو بھی اس کی طرف داری کرنا اور غیر اگر حق پر ہو پھر بھی اس کی مخالفت کرنا۔

وسعتِ نظر، نظر کی وسعت، یعنی فکر و خیال کی وسعت سے مراد ہے کہ غیر کی اچھی بات کو اچھا سمجھنا، دوسرے کو اختلاف رائے کا حق دینا، اپنی بھلائی کے دائرے کو تمام بنی نوع انسان تک پھیلانا، وغیرہ۔ اس کے مقابلے تنگ نظری کی اصطلاح ہے جو اس کے برعکس مفہوم رکھتی ہے۔

دوسرے مذاہب میں رواداری اور وسعتِ نظر

اسلام سے پہلے جتنے مذاہب دنیا میں موجود تھے یا اب اسلام کے علاوہ جو مذاہب موجود ہیں ان میں رواداری اور وسعتِ نظر کا تصور سرے سے موجود ہی نہیں، ان اقدار سے قطعی طور پہ ناآشنا ہیں۔ یہودی دیگر تمام مذاہب کو نہ صرف باطل سمجھتے ہیں بلکہ ان کی تذلیل کرتے ہیں۔ یہی حال عیسائیوں کا ہے۔ یہودی حضرت عیسیٰؑ کو نہیں مانتے نہ عیسائیوں کے مذہب کو تسلیم کرتے ہیں اور عیسائی یہودیوں کو نہیں مانتے۔ حالانکہ یہ دونوں مذہب ایک ہی قوم بنی اسرائیل میں آتے ہیں۔ ان کا یہ حال قرآن حکیم میں اس طرح بیان کیا گیا ہے،

ترجمہ: اور یہودی کہتے ہیں، عیسائی کسی چیز (یعنی مذہب) پر نہیں ہیں اور عیسائی کہتے ہیں یہودی کسی چیز (یعنی مذہب) پر نہیں ہیں۔ (البقرہ ۲۰: ۱۱۳)

Marfat.com

حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ دونوں بنی اسرائیل کے نبی ہیں، ان کے ماننے والوں کا ایک دوسرے کے ساتھ یہ سلوک ہے تو دوسروں کے ساتھ ان کی رواداری کا اندازہ لگا لیجیے کہ کیسی ہو گی۔

ہندو تو خود اپنے ہم مذہبوں کے ساتھ رواداری نہیں رکھتے۔ اونچی ذات والے ہندو نچلی ذات والے ہندوؤں (شودروں) کو اچھوت سمجھتے ہیں، اگر کوئی شودر اونچی ذات والے ہندوؤں کے کنوئیں سے پانی پی لے تو ان کا کنواں بھرشٹ (ناپاک) ہو جاتا ہے اور اس کی سزا میں وہ شودروں کے پورے گاؤں کو جلا ڈالتے ہیں۔ اگر شودر اونچی ذات والے ہندوؤں کے مندر کے پاس سے گزرے اور اس کے کان میں مندر میں پڑھے جانے والے مذہبی گیتوں (بھجن وغیرہ) کی آواز پڑ جائے تو اس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈال دیتے رہے ہیں۔

اسلام میں رواداری

اسلام دنیا کا واحد مذہب ہے جس میں مکمل رواداری پائی جاتی ہے۔ اس کی رواداری کی چند باتیں درج ذیل ہیں:

۱۔ دین میں کوئی جبر نہیں

اسلام دین کے معاملے میں کسی جبر کا قائل نہیں ہے، وہ ہر شخص کو آزادی دیتا ہے کہ جس کو جو مذہب اچھا لگتا ہے اپنا لے۔ مسلمانوں کو صرف تبلیغ کے ذریعے دینِ اسلام کی اشاعت اور پرچار کرنے کی اجازت ہے، طاقت کے زور سے کسی کو مسلمان کرنے کی اجازت ہرگز نہیں ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۱۔ لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ (البقرہ ۲: ۲۵۶)

"دین میں کوئی جبر نہیں ہے۔"

۲۔ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (الکھف ۱۸: ۲۹)

"بس جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے کفر کرے۔"

۳۔ حضورِ اکرمؐ کفار و مشرکین کو اپنی گمراہی پر مُصر دیکھتے تو آپؐ کو بہت دکھ ہوتا، آپ چاہتے تھے کہ وہ راہِ ہدایت پر آ جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ سے ارشاد فرمایا:

ترجمہ: "آپؐ نصیحت کیے جائیں، آپؐ کا کام بس نصیحت کرنا ہے، آپؐ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہیں۔"

Marfat.com

۲۔ دوسروں کے مذہبی احساسات وجذبات کا احترام:

اسلام دوسروں کے مذہبی جذبات و احساسات کا احترام کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ انہیں اچھے طریقے سے اسلام کی دعوت دینے کی اجازت تو ہے مگر ان سے الجھنے اور جھگڑا کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر وہ اکھڑپن کا مظاہرہ کریں تو بھلے طریقے سے ان سے کنارا کر لینا چاہیے۔ ان کے خداؤں / معبودوں وغیرہ کو برا بھلا کہنا ممنوع ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (الانعام ۶: ۱۰۸)

"اور ان کو گالی نہ دو جن کو یہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں۔"

۳۔ غیروں کے ساتھ عدل وانصاف:

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ عدل وانصاف کرو سب کے ساتھ، اپنا ہو یا کوئی غیر۔ دشمن ہو تو بھی انصاف کرو، دشمنی بے انصافی پر آمادہ نہ کرنے پائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ‎
(المائدہ ۵: ۸)

"اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس پر نہ اکسائے کہ تم انصاف نہ کرو، تم انصاف کرو۔"

چنانچہ اسلامی ممالک میں غیر مسلموں کے ساتھ بلا امتیاز پورا انصاف کیا جاتا ہے اور تاریخ اسلام اس کی درخشندہ عملی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ مثلاً اہل ایمان کے خلیفہ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایک یہودی کے ساتھ فریق مقدمہ بن کر عدالت میں پیش ہوتے ہیں اور عدالت یہودی کے حق میں اور حضرت علیؓ کے خلاف فیصلہ دیتی ہے اور حضرت علیؓ اس فیصلہ کو قبول فرماتے ہیں۔ یہودی جھوٹا تھا، اس نے حضرت علیؓ کے گھوڑے کی زین چوری کی تھی، لیکن حضرت علیؓ اپنے مقدمے کے خود ہی گواہ تھے اور کوئی گواہ نہیں تھا۔ اس لیے فیصلہ یہودی کے حق میں ہوا۔ پوری دنیا کی تاریخ میں کہاں ملیں گی ایسی شاندار مثالیں!

۴۔ غیر مسلموں (اہل ذمہ) کے حقوق:

اسلامی مملکت میں جو غیر مسلم مقیم ہوں انہیں اہل ذمہ (یا ذمّی) کہتے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر باہر سے حملہ ہو تو یہ جنگ میں حصہ نہ لیں گے بلکہ ان کے جان و مال اور آبرو کی حفاظت، زمانۂ امن کی طرح، بدستور مسلمانوں کی ذمہ داری ہوگی۔ ان سے اس خدمت کے عوض معمولی ٹیکس لیا جاتا ہے جسے جزیہ کہتے ہیں جس کی مقدار ذمّی کی مالی حیثیت کے مطابق کم و بیش ہوتی ہے اور جس کو اس کی ادائیگی کی استطاعت نہ ہو اسے معاف کر دیا جاتا ہے۔ اگر ▪ فوجی خدمت سرانجام دیں تو ان پر یہ ٹیکس لاگو نہیں ہوتا۔ ان سے زکوٰۃ نہیں لی جاتی۔ جبکہ ہر صاحب نصاب مسلمان سے زکوٰۃ لازماً

Marfat.com

وصول کی جاتی ہے اور وہ بھی مقررہ شرح سے۔ زکوٰۃ معاف نہیں ہو سکتی۔

اسلامی مملکت میں رہنے والے غیر مسلموں کو درج ذیل حقوق حاصل ہوتے ہیں:

۱۔ انہیں مکمل مذہبی آزادی حاصل ہوتی ہے۔ ان کی عبادت گاہوں کی پوری حفاظت کی جاتی ہے، جن کے اندر انہیں عبادت کرنے کی مکمل آزادی ہوتی ہے۔

۲۔ ان کی جان، مال اور آبرو اسی طرح محترم ہوتے ہیں جس طرح مسلمانوں کے ہوتے ہیں۔

۳۔ مسلمانوں کے مساوی معاشرتی و معاشی حقوق اور آزادیاں حاصل ہوتی ہیں۔

۴۔ شخصی معاملات میں ان کے فیصلے ان کے اپنے مذہبی قانون کے مطابق ہوتے ہیں، جس کے لیے ان کے اپنے جج ہوتے ہیں۔

۵۔ **جنگ میں غیر مسلموں کے ساتھ سلوک:**

بر سر جنگ غیر مسلموں کے ساتھ بھی اسلام رواداری کی تعلیمات دیتا ہے اگر دشمن صلح پر آمادہ ہو جائے تو صلح کر لینے کا حکم ہے اور اگر وہ جنگ کرنے پر ہی مصر ہو تو مجاہدینِ اسلام کو حکم ہے کہ وہ:

۱۔ غیر اہلِ قتال (جو لڑنے کے قابل نہ ہوں) پر ہاتھ نہ اٹھائیں، مثلاً بچے، بوڑھے، عورتیں، خانقاہوں کے راہب وغیرہ۔

۲۔ فصلوں اور باغات کو نہ اجاڑیں۔

۳۔ آبادیوں کو نہ جلائیں اور نہ اجاڑیں۔

۴۔ درختوں اور مویشیوں کو تلف نہ کریں۔

۵۔ مثلہ (ہاتھ، پاؤں، ناک، کان وغیرہ کاٹنا) نہ کریں۔

۶۔ عہد شکنی نہ کریں۔ اگر عہد توڑنا ہو تو پہلے اس کا کھلا اعلان کیا جائے۔

اسلام میں وسعتِ نظر

۱۔ اسلام تمام سابقہ الہامی مذاہب اور ان کے بانیوں کو مانتا ہے:

اسلام سے پہلے جتنے بھی الہامی مذاہب وجود میں آئے اسلام ان کو مانتا ہے، جتنی آسمانی کتابیں نازل ہوئیں ان کی تصدیق کرتا ہے، جتنے بھی انبیاء و رسل آئے سب کو تسلیم کرتا ہے۔ قرآن حکیم بتاتا ہے کہ ہر قوم میں ہادی اور رسول آیا ہے، لہٰذا ہر قوم ہدایت ربانی سے بہرہ ور ہوتی ہے۔ اسلام اپنے پیروکاروں کو حکم دیتا ہے کہ وہ قرآن پر بھی ایمان لائیں اور اس سے پہلے جتنی بھی کتابیں اور صحیفے اللہ نے نازل فرمائے سب پر ایمان لائیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے جتنے انبیاء و رسل مبعوث فرمائے ہیں ان

Marfat.com

سب پر ایمان لائیں، نبوت و رسالت کے معاملے میں ان میں کوئی تفریق نہ کریں۔ اور پھر اللہ کے آخری نبی و رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں۔ آپؐ کا ذکر مبارک پہلی الہامی کتابوں میں بھی موجود ہے۔ ہر نبی آپؐ کی تشریف آوری کی بشارت دیتا رہا ہے۔ قرآن حکیم میں چند سابقہ آسمانی کتابوں اور سابقہ انبیاء و رسل کا ذکر بھی آیا ہے اور سب انبیاء و رسل کا ذکر خیر شاندار الفاظ میں آیا ہے بلکہ سابقہ الہامی کتابوں میں ان کے بارے میں جو شانِ نبوت و رسالت کے منافی باتیں پائی جاتی ہیں ان کی تصحیح بھی کی ہے۔

قرآن حکیم، البتہ یہ بتاتا ہے کہ سابقہ الہامی کتابوں میں تبدیلیاں، ترمیمیں اور اضافے کیے گئے ہیں۔ اس لیے اب ▪ اصل حالت میں موجود نہیں ہیں اور ان کتابوں کے ماننے والے بھی قرآن مجید کے اس موقف کو جھٹلا نہیں سکتے۔

۲۔ **اسلام وحدتِ نسل انسانی کے نظریے کا علمبردار ہے:** دنیا بھر کے انسانوں، بالخصوص ان کو جو کمزور ہیں، گوری رنگت والے نہیں ہیں، اسلام کا احسان مند ہونا چاہیے کہ اس نے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ تمام انسان ایک ماں باپ کی اولاد ہیں، سب کی نسل ایک ہے کسی کو رنگ اور نسل کی بنا پر دوسرے پر پیدائشی فوقیت و فضیلت حاصل نہیں ہے۔ موروثی طور پر کوئی معزز نہیں ہے، عزت کا حق دار وہ ہے جس کے اعمال اچھے ہیں، فضیلت کا معیار صرف تقویٰ ہے۔ سب انسان بحیثیت انسان برابر ہیں۔ قبیلے، برادریاں، ذاتیں، قومیں یہ سب صرف باہمی پہچان کے لیے ہیں، امتیاز اور فوقیت کی بنیاد ہرگز نہیں ہیں۔

۳۔ **علم میں وسعتِ نظر:** اسلام علم حاصل کرنے، تحقیق کرنے اور کائنات میں غور و فکر کرنے کی نہ صرف اجازت دیتا ہے بلکہ اس کا حکم دیتا ہے۔ قرآن حکیم میں جا بجا ارشاد ہے کہ عقل سے کام لو، کائنات میں تفکر کرو، ساری کائنات انسان کے لیے پیدا کی گئی ہے، اسے استعمال میں لاؤ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ گرامی ہے۔

اَلْحِکْمَۃُ ضَالَّۃُ الْمُؤْمِنِ

حکمت مومن کی گم شدہ چیز ہے

مراد ہے کہ حکمت جہاں سے بھی ملے حاصل کر لو، جب بھی ملے لے لو۔ اسلام سے قبل دیگر مذاہب میں علم اور تحقیق و تفکر کی اجازت نہ تھی۔ یورپ میں عیسائی علماء نے کتنے ہی کتب خانے جلوا دیے یا ان پر تالے ڈال دیے، کتنے ہی سائنسدانوں کو نئے نظریات و قوانین پیش کرنے کے "جرم" میں سخت ایذائیں دیں۔ اسلام سے پہلے علم کے میدان میں نہایت تنگ نظری سے کام لیا جاتا تھا۔ اسلام نے بنی نوع انسان کو اس سے نجات دلا کر وسعتِ نظر بخشی۔

Marfat.com

اسلامی معاشرہ

اسلام اپنی تعلیمات کے ذریعے مسلمانوں کا ایک ایسا معاشرہ تشکیل دیتا ہے جس میں بہت سے محاسن اور خوبیاں پائی جاتی ہیں، یہ اسلامی معاشرے کے بنیادی اور لازمی اوصاف ہیں، ان میں سے اہم ترین اوصاف درج ذیل ہیں:۔

۱۔ روحانیت: اسلامی معاشرہ کے افراد اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے لوگ ہیں ان کے نزدیک دنیا کے مقابلے میں آخرت کی زیادہ اہمیت ہے، لہذا وہ دنیوی زندگی سے زیادہ اخروی زندگی کو سنوارنے کی زیادہ تگ و دو کرتے ہیں۔ عبادت گزار ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق جوڑے رکھتے ہیں اور زہد اور پارسائی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اس زندگی کی ضروریات پوری کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے شاکرانہ انداز میں لطف اندوز بھی ہوتے ہیں لیکن نہ مادہ پرست ہوتے ہیں اور نہ ہی لذت پرست۔ یہ وصف جس قدر کم ہوتا جائے گا اتنا ہی معاشرہ غیر اسلامی ہوتا جائے گا۔

۲۔ اعلیٰ اخلاقی اقدار: اسلامی معاشرے کے افراد حیوانی سطح سے بہت بلند اور انسانیت کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہوتے ہیں، چنانچہ وہ تمام اعلیٰ اخلاقی اقدار (جن میں سے بعض کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے) کی پاسداری کرتے ہیں اور رذائل سے اجتناب کرتے ہیں۔

۳۔ مساوات: اسلامی معاشرہ وحدتِ نسلِ انسانی اور مساوات کے اصولوں پر قائم ہوتا ہے۔ اس میں رنگ، نسل، زبان وغیرہ کی بنیاد پر کوئی امتیاز روا نہیں ہوتا اور فضیلت کا معیار صرف تقویٰ ہوتا ہے۔

نوٹ: اس کی تفصیل سورہ حجرات کی آیت نمبر ۱۳ کی توضیح میں بیان کی جا چکی ہے۔

۴۔ اخوت: اسلامی معاشرے میں بھائی چارے کا ماحول ہوتا ہے، وہ سب ایک برادری کی طرح مل جل کر رہتے ہیں کیونکہ دین نے ان سب کو بھائی بھائی قرار دیا ہے۔ لہذا وہ بھائیوں کی طرح ایک دوسرے کے دکھ درد کا احساس کرتے ہیں اور باہم تعاون کرتے ہیں۔

نوٹ: اس پر قدرے تفصیل سے بات سورہ حجرات کی آیت نمبر ۱۰ کی توضیح میں کی جا چکی ہے

Marfat.com

۵۔ کسبِ حلال
۶۔ انسانی وقار
۷۔ عدل اجتماعی
۸۔ شوریٰ

ان سب پر اگلے صفحات میں الگ الگ بات کی جائے گی۔

مختصر یہ کہ اسلامی معاشرہ ایک پُرامن، پُرسکون، پُر وقار، ظلم و استحصال سے پاک، اونچ نیچ سے پاک، جرائم سے پاک (کم از کم جرائم والا) خوشحال، ترقی پذیر اور متحرک معاشرہ ہوتا ہے اور اس کی اخلاقی سطح بہت بلند ہوتی ہے۔

کسبِ حلال

مفہوم: اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے، اس نے روئے زمین کے تمام جانداروں، انسانوں، جانوروں، پرندوں اور حشرات وغیرہ کے لیے زمین کے اندر اور اس کے باہر وافر رزق فراہم کر رکھا ہے۔ بس ہر ایک کے ذمے یہ ہے کہ وہ اپنا رزق تلاش کرے۔ انسان کو بھی حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کے فراہم کردہ وسائل رزق سے اپنی روزی تلاش کرے، لیکن ایسے طریقے کہ اس سے نہ کسی دوسرے انسان کو نقصان پہنچے اور نہ انسانی معاشرے کو۔ بس یہی کسبِ حلال ہے۔ دینِ اسلام نے ان طریقوں کی نشاندہی کر دی ہے جن سے دوسروں کو نقصان پہنچتا ہے، اور ان طریقوں سے منع کر دیا ہے۔ اگر ان طریقوں سے اجتناب کر کے جائز کردہ طریقوں سے روزی کمائی جائے تو یہ کسبِ حلال ہے۔ ایک بات واضح ہو کہ حلال رزق کمانے (کسب) کا حکم ہے رزق ہتھیانے کا نہیں۔ کسب اپنی محنت و مشقت سے ہوتا ہے فریب، دھوکے اور عیاری سے نہیں اور جو محنت کر کے کمایا جائے وہی طیب اور حلال رزق ہے۔

کسبِ حلال کی اہمیت از روئے قرآن: قرآن حکیم میں دو چیزوں پر ہی زور دیا گیا ہے: (۱) ایمان (۲) عملِ صالح۔ جا بجا ان دونوں کا حکم دیا گیا ہے۔ کسبِ حلال کا عمل بھی عملِ صالح کی ذیل میں آتا ہے۔ اس کے علاوہ خصوصیت سے پاکیزہ اور حلال کھانے اور روزی تلاش کرنے کا حکم بھی کئی مقامات پر آیا ہے، مثلاً:

۱۔ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا۔ (البقرہ، ۱۶۸)

ترجمہ: اے لوگو! زمین میں جو حلال اور پاک چیزیں ہیں ان سے کھاؤ۔

Marfat.com

۲۔ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۔ (الجمعة ، ۶۲ : ۱۰)

ترجمہ: پھر جب نماز ادا ہو جائے تو پھیل جاؤ زمین میں اور تلاش کرو اللہ کا فضل :
یعنی اللہ کی عبادت کرو اور پھر اللہ کا رکھا ہوا رزق تلاش کرو۔

کسبِ حلال کی اہمیت از روئے حدیث: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی محنت مزدوری کر کے روزی کمائی اور اُمت کو بھی محنت کر کے رزق حلال کمانے کی تلقین فرمائی ہے۔ آپؐ نے بچپن میں بکریاں چرائیں وہ بھی معاوضے پر دوسروں کی۔ آپؐ کے ارشاد کے مطابق تمام سابقہ انبیاء نے بکریاں چرائیں معاوضے پر حضرت خدیجہ طاہرہؓ کا مال تجارت لے کر دوسرے ملکوں میں تشریف لے جاتے رہے۔ مدینہ منورہ میں پورے ملک عرب کا حکمران بننے کے بعد بھی، گھر کے کام کاج میں ازواج مطہرات کا ہاتھ بٹایا کرتے تھے، اپنے نجی کام خود انجام فرما لیتے تھے۔ محنت کر کے روزی کمانے کی بابت آپؐ کے کئی ارشادات کتبِ حدیث میں روایت کیے گئے ہیں، مثلاً :

۱۔ اِنَّ اَطْيَبَ مَا اَكَلَ الرَّجُلُ مِنْ كَسْبِهٖ [۱]

"سب سے پاکیزہ کھانا جو آدمی کھاتا ہے وہ اس کی اپنی کمائی کا ہے۔"

۲۔ مَا كَسَبَ الرَّجُلُ كَسْبًا اَطْيَبَ مِنْ عَمَلِ يَدِهٖ [۲]

"آدمی کی سب سے پاکیزہ کمائی وہ ہے جو اس کے اپنے ہاتھ کے کام سے ہو۔"

۳۔ "کسی شخص نے اس سے بہتر کھانا کبھی نہیں کھایا کہ وہ اپنے ہاتھ کی محنت سے کمائے اور اللہ کے نبی داؤدؑ اپنے ہاتھ کی محنت سے کھایا کرتے تھے۔" [۳]

۴۔ "آدمی لکڑیوں کا گٹھا اپنی پیٹھ پر اٹھا کر لائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی سے مانگے پھر وہ اس کو دے دے یا انکار کر دے۔" [۴]

رزقِ حرام کی ممانعت: اسلام جہاں کسبِ حلال کی تلقین کرتا ہے وہاں رزقِ حرام سے منع بھی کرتا ہے اور حرام رزق کے ذرائع کی نشاندہی بھی کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

ترجمہ: اے ایمان والو! تم آپس میں اپنے اموال باطل طریقے سے نہ کھاؤ۔ (النساء ، ۴ : ۲۹)

---

[۱] : ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب اول۔ [۲] ایضاً۔ [۳] : بخاری، کتاب البیوع، باب کسب الرجل وعملہ بیدہ۔ [۴] بخاری، کتاب البیوع، باب مذکور۔

Marfat.com

اور وہ باطل طریقے یعنی رزقِ حرام کے ذرائع یہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ نے سختی سے منع کیا ہے:

۱۔ سود (ربوٰ) ۔ سود لینا، دینا، سودی کاروبار سے کسی بھی طرح منسلک ہو کر روزی کمانا سب سے منع کیا گیا ہے۔

۲۔ ناپ تول میں کمی۔ ایسا کرنے والوں کے لیے ہلاکت کی وعید آئی ہے۔

۳۔ غبن، یعنی مسلمانوں کے مال (PUBLIC FUNDS) میں خیانت (غلول)

۴۔ امانت میں خیانت کرنا۔

۵۔ چوری اور ڈکیتی، خواہ کسی بھی طرح کی ہو۔

۶۔ رشوت ۔ رشوت لینے والے اور دینے والے دونوں کے لیے سخت وعید آئی ہے۔

۷۔ ذخیرہ اندوزی (احتکار)، یعنی اشیائے ضرورت کو اس لیے روک رکھنا کہ قیمتیں بڑھیں گی تو فروخت کریں گے یا مصنوعی طور پر قلت پیدا کرنا تاکہ قیمتیں بڑھیں۔

۸۔ کسی بھی طرح دھوکا اور فریب دے کر رزق حاصل کرنا۔

۹۔ قمار بازی (ہر شکل میں حرام ہے)

۱۰۔ ملاوٹ۔

کسبِ حلال کے فوائد

۱۔ کسی بھی فرد اور قوم کی معاشی خوشحالی کا انحصار کسبِ حلال یعنی محنت کر کے روزی حاصل کرنے پر ہے۔ اگر لوگ محنت نہیں کریں گے اور لوٹ مار کر کے، دھوکے اور عیاری سے، استحصال کر کے روزی حاصل کرنے کی کوشش کریں تو ملک کی معیشت بالکل بیٹھ جائے گی اور ملک دیوالیہ ہو جائے گا۔

۲۔ فرد خوشحال ہو تو نارمل انسان بن کر زندگی گزارتا ہے، اس کے گھر کا ماحول خوشگوار ہوتا ہے، اور ملک خوشحال ہو تو بے روزگاری نہیں ہوتی، جرائم نہیں ہوتے، جو اکثر معاشی بدحالی کی کوکھ سے جنم لیتے ہیں۔

۳۔ حلال رزق کمانے والے کے صدقات کو اللہ کے ہاں شرفِ قبول حاصل ہوتا ہے۔ رزقِ حرام سے کی گئی خیرات قبول نہیں ہوتی۔

۴۔ حلال کمائی والے کی دُعا قبول ہوتی ہے جبکہ حرام رزق کھانے والے کی دُعا قبول

Marfat.com

نہیں ہوتی۔

۵۔ کسبِ حلال اور حلال رزق کھائے بغیر تزکیہ باطن نہیں ہو سکتا اور نہ عبادات کا اس کی سیرت پر کچھ اچھا اثر پڑ سکتا ہے۔ تمام عبادات و اخلاق حسنہ سے مقصود تقویٰ پیدا کرنا ہے اور حرام رزق کھانے والے میں تقویٰ پیدا ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کے لیے تو حرام کے ساتھ ساتھ مشکوک چیزوں سے بھی اجتناب کرنا پڑتا ہے۔ گویا کسبِ حلال نہ ہو تو عبادات کا مقصد بھی حاصل نہیں ہو پاتا۔

انسانی وقار

مفہوم: انسانی وقار سے مراد یہ ہے کہ انسان کو اس کائنات میں عزت و فضیلت کا مقام حاصل ہے اور ہر انسان صرف اس لیے معزز ہے کہ ▬ انسان ہے، کسی اور حوالے سے نہیں۔ ہر انسان دوسرے انسانوں کے مقابل بھی احترام و اکرام کا حق دار ہے، صرف اس لیے کہ وہ انسان ہے۔ ہر انسان دوسرے تمام انسانوں کی طرح یکساں طور پر محترم محترم و معزز ہے۔ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

کائنات میں انسان کا مقام و مرتبہ: یہ کائنات بہت بڑی ہے۔ جس کا انسان بھی ایک چھوٹا سا حصہ ہے بے شمار ستارے ہیں۔ ستاروں کی کہکشائیں ہیں۔ ستاروں کے بے شمار سیارے ہیں۔ آسمان ہیں، فرشتے ہیں، جنات ہیں۔ ہماری یہ زمین ہے۔ اس زمین میں بے شمار مخلوقات ہیں۔ اس ساری کائنات میں انسان کی حیثیت اور اس کا مقام و مرتبہ کیا ہے؟

انسان نے سورج کی پوجا کی۔ ستاروں کی پرستش کی۔ چاند کو معبود جانا۔ زمین کی بے شمار چیزوں کے آگے سجدہ کرنے کی ذلت اٹھائی۔ آگ کو پوجا۔ درختوں، پتھروں اور حیوانات تک کی پرستش کی۔ پانی کو تقدس دیا۔ حد یہ ہے کہ خود اپنے ہی بنی نوع کی پرستش کی۔ جب اسلام آیا تو ہنوز انسان یہ ذلتیں اٹھا رہا تھا۔ کائنات کی تقریباً ہر چیز اس کا معبود تھی اور وہ سب کا بندہ۔ گویا تمام کائنات میں سب سے گھٹیا حیثیت اسی کی تھی۔

کائنات کی بندگی سے آزادی: اسلام نے سب سے پہلے تو انسان کو تمام مخلوقات کی بندگی سے آزادی دلائی، کائنات کی ہر چیز مخلوق ہے اور کوئی مخلوق خدا نہیں ہو سکتی۔ معبود صرف ایک ہے اور وہ ہے۔ اللہ تعالیٰ جو ساری

Marfat.com

کائنات کا خالق ہے ۔ مالک ہے ۔ مدبر ہے ۔ انسان بھی اسی کی مخلوق ہے ۔ انسان اور کائنات کی ہر چیز اللہ کی مخلوق ہے جب سبھی اللہ کی مخلوق ہیں تو ایک مخلوق دوسری مخلوق کی معبود کیسے ہو سکتی ہے ؟

۲۔ کائنات انسان کے لیے مسخر ہے: اسلام نے صرف یہی نہیں کیا کہ انسان کو کائنات کی بندگی سے آزادی دلائی بلکہ اسے یہ شعور دیا کہ اللہ نے پوری کائنات کو اس کے استفادے کے لیے مسخر کیا ہوا ہے ۔ ارشاد ربانی ہے:

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۭ (الجاثیۃ، ۴۵: ۱۳)

اور اس (اللہ تعالیٰ) نے زمین اور آسمانوں کی ساری ہی چیزوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا۔ سب کچھ اپنے پاس سے ۔

اسلام نے انسان کو اس حقیقت سے آشنا کیا کہ یہ ساری کائنات اس کے لیے ہے وہ کائنات کے لیے نہیں ہے ۔

۳۔ اولادِ آدمؑ کی تکریم: انسان کے لیے ساری کائنات مسخر ہے ۔ اسی سے پتہ چل جاتا ہے کہ ہر انسان کو تو کائنات میں بہت بلند مقام حاصل ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے مزید صراحت فرمادی کہ ہم نے آدمؑ کی اولاد کو عزت اور بزرگی عطا کی ہے ۔ اسے فضیلت بخشی ہے بہت سی مخلوقات پر ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا (بنی اسرائیل، ۱۷: ۷۰)

اور یقیناً ہم نے اولاد آدمؑ کو بزرگی دی اور انہیں خشکی و تری میں سواریاں عطا کیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر انہیں فضیلت بخشی ۔

قرآن حکیم میں اس مفہوم کی کوئی ایک بھی آیت نہیں کہ کسی اور مخلوق کو انسان پر فضیلت دی ہو۔

۴۔ خلافت ارضی: اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین پر خلافت (نیابت) کا منصب عطا کیا ہے کیا شان عطا کی ہے ۔ انسان کو کہ اسے زمین پر اللہ نے نائب مقرر کیا ہے ۔ قرآن حکیم (البقرہ، ۲: ۳۰ تا ۳۴) میں نائب مقرر کرنے کے اس واقعہ کو بیان کیا گیا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو نائب بنانے کا ارادہ فرمایا تو فرشتوں کے سامنے بڑے اہتمام کے ساتھ اس کا ذکر فرمایا اس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ انسان کے نائب بننے کی کس قدر اہمیت ہے اور خود اللہ تبارک و تعالیٰ کے نزدیک ۔

مسجودِ ملائک: قرآن حکیم نے انسان کے اس اشرف کو بیان کیا ہے کہ اس کو فرشتوں نے حکم الٰہی کی تعمیل میں سجدہ کیا تھا ۔ جب اللہ تعالیٰ نے علم میں آدمؑ کی

Marfat.com

فرشتوں پر برتری کو ثابت کر دیا تو فرشتوں کو حکم فرمایا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو۔ سب نے سجدہ کیا۔ لیکن ابلیس۔ نے جو کہ ایک جن تھا۔ سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اور اپنے اس انکار کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے راندۂ درگاہ ہو گیا۔ اللہ تعالےٰ نے انسان کو فرشتوں اور جنات دونوں پر فضیلت بخشی، اگر جن ابلیس نے فوقیت کو تسلیم نہیں کیا۔ تو اس کی سخت سزا بھی اسے ملی۔

ب۔ اپنے بنی نوع میں شرف و وقار کی بنیاد: یہ تو تھا انسان کا مقام و مرتبہ اور دوسری مخلوقات کے مقابلے میں اب دیکھنا یہ ہے کہ اسلام سے پہلے خود بنی نوع انسان میں انسان کی کیا کیا حیثیتیں تھیں۔ اور اسلام نے انسان کو شرف و وقار دلانے کے لیے ان میں کیا تبدیلیاں کیں۔

اسلام سے پہلے: اسلام سے پہلے محض انسان ہونے سے انسان عزت کا مستحق نہیں جانا جاتا تھا۔ عزت کی بنیاد، نسل، نسب، ذات، پیشہ، مالی حیثیت اور اختیارات تھے۔ دنیا بھر میں غلامی کا رواج تھا۔ انسان خود اپنے بنی نوع کے ہاتھوں خریدا اور بیچا جاتا تھا۔ غلاموں کی خرید و فروخت کی منڈیاں لگتی تھیں۔ غلام بھی دیگر اجناس کی طرح ایک جنس تھا۔ آقا کو غلام کے جسم و جان پر پورا تسلط حاصل تھا۔ غلام، لونڈی کے ساتھ کسی بھی قسم کا سلوک کرنے کا اسے پورا قانونی اور اخلاقی حق حاصل تھا۔

برصغیر پاک و ہند میں اعلیٰ اور ادنیٰ ذاتیں تھیں۔ سب سے گھٹیا ذات شودروں کی تھی۔ جو معاشرے میں اچھوت تھے۔ مذہب سب کا ایک تھا۔ شودر اگر کسی اونچی ذات والے کو چھو لیتا تو اسے سخت سزا دی جاتی تھی۔ اگر وہ مذہبی بھجن وغیرہ نادانستہ طور پر بھی سن لیتا تو اس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈال دیا جاتا۔

جو آزاد تھے۔ وہ بھی سب کے سب یکساں عزت کے مستحق نہ تھے۔ ذرائع معاش اور پیشوں کی بنیاد پر ہر معاشرے میں طبقات تھے۔ اعلیٰ طبقہ کے لوگ قانون سے بالاتر ہوتے تھے۔ انہیں خصوصی حقوق و مراعات حاصل تھیں۔ ادنیٰ طبقات کے لوگ ذلت کی زندگی بسر کرتے تھے اور انہیں معمولی جرائم پر قتل تک کی سزا دی جاتی تھی۔ مذہبی پیشواؤں کو بھی ہر جگہ خصوصی حقوق و مراعات حاصل تھیں۔ وہ بھی ظالم طبقوں میں شامل تھے اور ان کے ساتھی تھے۔

عورت ہر معاشرے میں مظلوم تھی۔ اس کی حیثیت مالِ منقول سے زیادہ نہ تھی۔ برصغیر پاک و ہند میں عورت کو ثانوی درجہ کا انسان سمجھا جاتا تھا۔ خاوند کے فوت ہو لینے پر اسے زندہ جل مرنا ہوتا تھا۔ عیسائیوں کے ہاں عورت کو انسان کے گناہ کی ذمہ دار سمجھا جاتا تھا۔ عرب میں شوہر جب چاہتا عورت کو گھر سے نکال دیتا اور جب جی چاہتا واپس لے آتا۔

Marfat.com

اسلام کے اقدامات: اسلام نے تمام انسانوں کو مساوی حیثیت دلانے کے لیے متعدد ضروری اقدامات کیے جو درج ذیل ہیں:۔

وحدتِ اصل کا نظریہ: اسلام نے نسب، نسل وغیرہ کی بنیاد پر فضیلت و فوقیت کے نظریات کی سختی کے ساتھ تردید کی اور یہ نظریہ پیش کیا کہ تمام بنی نوع انسان کی اصل ایک ہے اور وہ اصل ہے آدمؑ۔ سب آدمؑ کی اولاد ہیں قبیلے اور برادریاں وغیرہ تو صرف پہچان کے لیے ہیں۔ نہ کہ برتری ظاہر کرنے کے لیے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱتَّقُوا۟ رَبَّكُمُ ٱلَّذِى خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَٰحِدَةٍ۔
(النساء ۴:۱)

"اے لوگو، اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم سب کو ایک ہی جان سے پیدا کیا۔"

رسول کریمؐ کا مشہور فرمان ہے۔ لوگو بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے۔ اسی طرح آپؐ کا فرمان ہے۔ اِنَّ الْعِبَادَ کُلُّھُمْ اِخْوَۃٌ بے شک سب بندے (انسان) آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

فضیلت کی بنیاد صرف تقویٰ: اسلام کسی بھی بنیاد پر ایک انسان کی دوسرے انسان پر فضیلت کا قائل نہیں۔ سوائے تقویٰ کے۔ اور یہ فضیلت اللہ کے نزدیک ہے۔ اس بنیاد پر بھی وہ اپنے بنی نوع سے امتیازی یا ترجیحی سلوک کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ ارشاد ربانی ہے:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَٰكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَٰكُمْ شُعُوبًا وَقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوٓا۟ ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ ٱللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ ۚ
(الحجرات ۴۹:۱۳)

"اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں۔ تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ بیشک اللہ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سے سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔"

چنانچہ اسلام میں کسی انسان کو پیدائش اور وراثت کے طریقے سے فضیلت حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور کوئی بھی شخص، خواہ وہ مرد ہو یا عورت تنگدست ہو، یا خوشحال، گورا ہو، یا کالا اپنی ذاتی محنت سے سب سے زیادہ عزت والا بن سکتا ہے۔ نبی کریمؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے مشہور خطبہ میں اعلان فرمایا: عربی کو عجمی پر یا عجمی کو عربی پر، سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں۔ مگر تقویٰ کے سبب سے۔"

Marfat.com

۳۔ عورت کا مقام بلند کیا: اسلام نے عورت کو ہر حیثیت (ماں، بہن، بیٹی اور بیوی) میں بلند مقام عطا کیا۔ اُسے بحیثیت انسان مرد کے مساوی حقوق دیئے۔ اسے انسان کے گناہ کی ذمہ داری سے بری کیا۔ اسے بھی اتنا ہی نیک فطرت قرار دیا جتنا کہ مرد ہے۔ شوہر کے مرنے پر اسے بھی اسی طرح دوسری شادی کرنے کا حق دیا۔ جیسے بیوی کے فوت ہونے پر مرد کو حق دیا۔ اس کی مرضی کے خلاف اس کی شادی نہیں کی جاسکتی۔ وراثت میں اسے بھی شریک کیا۔ ماں کو اتنا بلند مقام بخشا کہ مرد ہزار جتن کر کے بھی وہ مقام حاصل نہیں کرسکتا۔ آپؐ کا ارشاد ہے: "جنت ماؤں کے قدموں تلے ہے" ایک حدیث کی رو سے باپ کے مقابلے میں ماں کا درجہ تین گنا زیادہ ہے۔ ایک حدیث کی رو سے ماں کی عدم موجودگی میں اس کی بہن (یعنی خالہ) کی خدمت کر کے گناہوں کی تلافی کی جاسکتی ہے۔ بیوی کی بابت فرمایا۔ تم میں سے بہترین وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے حق میں بہترین ہیں۔ عورت کو عبادات میں برابر کا شریک کیا۔

۴۔ غلاموں کے بارے میں اصلاحات: اسلام نے غلاموں کی حالت سدھارنے کیلئے متعدد اقدامات کیے:۔

(ا) ان کے ساتھ برابر کا سلوک کرنے کا حکم دیا۔ جو خود کھاؤ، وہی ان کو کھلاؤ۔ جو خود پہنو، وہی ان کو پہناؤ۔

(ب) غلام کی طاقت سے زیادہ اس سے کام لینے کی ممانعت کی اور سخت کام میں ان کی اعانت کرنے کا حکم دیا۔

(ج) شادی کر دینے کے بعد غلام اور اس کی بیوی میں جبراً علیحدگی کرانے کی ممانعت کر دی۔

(د) حکم دیا کہ میرے غلام/میری لونڈی کے بجائے میرے بچے/میری بچی کہہ کر بلاؤ۔

(س) کسی آزاد آدمی کو خرید کر غلام بنانے کی سختی سے ممانعت کر دی۔

(ص) غلاموں کو آزاد کرنے کی ترغیب دی۔

(ط) غلاموں کو آزاد کرنے کے متعدد طریقے اختیار کیے گئے۔ مثلاً کفارے کے طور پر، قتل خطا کی سزا کے طور پر۔

انسانی وقار اور اسوۂ حسنہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود شرف کے اعلیٰ درجے پہ فائز تھے۔ اور آپؐ ہر انسان کو

Marfat.com

شرف و وقار کے اعلیٰ درجے پر دیکھنے کے خواہاں تھے ۔ درج ذیل باتوں سے بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ آپؐ کو انسان کے وقار کا کس قدر خیال تھا۔

۱۔ آپؐ نے اپنے لیے نہ تو کبھی کوئی خصوصی امتیاز پسند کیا، نہ خصوصی القابات اور حقوق و مراعات۔ کسی نے آپؐ کو میرے آقا کہہ کر خطاب کیا تو آپؐ نے منع فرما دیا۔ آپؐ کو خیر البریہ (بہترین مخلوق) کہنا چاہا تو آپؐ نے اس سے بھی منع فرما دیا۔ صحابہؓ کو آپؐ کی تعظیم میں کھڑا ہونے کی اجازت نہ تھی۔ آپؐ عام مسلمانوں میں گھل مل کر اور مساوی حیثیت میں رہتے تھے۔

۲۔ آپؐ کی مجلس میں غریب، امیر، عام آدمی اور قبیلوں کے سردار، غلام اور آقا، کم عمر اور عمر رسیدہ سبھی قسم کے لوگ شریک ہوتے تھے۔ اور سب کو مساوی عزت و احترام حاصل تھا کسی کے ساتھ کبھی ترجیحی سلوک نہیں کیا گیا۔

۳۔ آپؐ اپنے گھر والوں کے ساتھ بھی گھل مل کر رہتے تھے اور کبھی اپنے ساتھ امتیازی سلوک کو روا نہیں رکھا۔ گھر کے تمام کام کاج میں گھر والوں کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ بازار سے سودا سلف لے آتے تھے۔

۴۔ آپؐ اپنی ازواج مطہرات کے جذبات کا ہمیشہ احترام کرتے تھے۔ ایک دفعہ گھر میں آپؐ سو رہے تھے اور عائشہؓ کے پاس آئی ہوئی لڑکیاں گا بجا رہی تھیں۔ عید کا دن تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ آئے تو انہوں نے لڑکیوں کو ڈانٹا۔ آپؐ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو منع فرمایا، اور فرمایا: انہیں گانے بجانے دو۔ ان کی عید کا دن ہے۔ آپؐ نے کبھی کسی زوجہ مطہرہ کو نہیں مارا پیٹا۔ آپؐ کی بیشتر ازواج مطہرات آپؐ سے تکرار بھی کر لیا کرتی تھیں۔ آپؐ نے ان کو آزادی دے رکھی تھی۔ ان کو دبا کر نہیں رکھا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ آپؐ کی ازواج مطہرات آپؐ سے بے حد محبت کرتی تھیں۔ آپؐ کے خوف اور رعب و دبدبہ کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ آپؐ کی شفقت اور پیار کی وجہ سے۔

۵۔ آپؐ نے کبھی کسی بھی شخص کی تحقیر یا تذلیل نہیں کی۔ آپؐ کے خادم حضرت انس بن مالکؓ کا کہنا ہے کہ آپؐ نے کبھی ان سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ تم نے یہ کام کیوں نہیں کیا۔

۶۔ آپؐ نے اپنے کسی دشمن کی بھی کبھی تحقیر و تذلیل نہیں کی۔ دشمن کی لاش تک کی بے حرمتی نہیں نہیں ہونے دی۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے آپؐ کے محبوب چچا حضرت حمزہؓ کا کلیجہ نکال کر چبایا تھا۔ مگر آپؐ نے لاش کا مثلہ کرنے کی سخت ممانعت کر رکھی تھی۔ لاش خواہ بادشاہ کے کتے کی ہو۔

۷۔ آپؐ ہمیشہ صحابہ کرامؓ کو بے حد اہمیت دیتے، ہمیشہ ان کے ساتھ صلاح مشورہ کرتے، اپنی رائے

Marfat.com

کو ان پر کبھی مسلط نہ فرماتے۔ صحابہ کرامؓ بلا جھجک آپؐ کی رائے سے اختلاف کر لیتے تھے اور آپؐ نے بارہا اپنی رائے کو چھوڑ کر صحابہؓ کی رائے کو اختیار کیا۔

۸۔ آپؐ نے مالکوں کو حکم دیا کہ غلاموں کو "اے میرے غلام" "اے میری لونڈی" کہنے کے بجائے "اے میرے بچے" "اے میری بچی" کہہ کر بلاؤ کرو۔ تاکہ ان کی عزتِ نفس مجروح نہ ہو۔

۹۔ آپؐ نے اپنے اہل و عیال "اپنے اقارب، اپنے قبیلے کسی کے ساتھ امتیازی یا ترجیحی سلوک نہ خود کیا نہ کسی کو ایسا کرنے کی اجازت یا حکم دیا۔

اجتماعی عدل

مفہوم: اجتماعی عدل (SOCIAL JUSTICE) سے مراد یہ ہے کہ معاشرہ میں ہر فرد کو اس کے معاشرتی، معاشی اور سیاسی حقوق وغیرہ تمام بلا امتیاز اور سب کے مساوی حاصل ہوں، حکومت ان حقوق کی نگہداشت کرے اور کسی شخص یا ادارے کو اس امر کی اجازت نہ ہو کہ وہ دوسرے کے ایسے کسی حق کو تلف یا غصب کرے، اور اگر ایسا ہو تو حکومت (بذریعہ عدالت) اس کی داد رسی کرے اور اس کا حق اسے واپس دلائے۔ اجتماعی عدل کو درج ذیل شعبوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱۔ عدالتی انصاف

لوگوں کے درمیان کسی حق کی بابت تنازعہ ہو جانا ایک بات ہے۔ اس تنازعہ کے پُرامن تصفیہ کے لیے عدالتیں قائم کی جاتی ہیں۔ عدالت کا فرض ہے کہ انصاف کے ساتھ فیصلہ کرے تاکہ حقدار کو اس کا حق مل جائے۔ قرآن و حدیث میں عدالتی انصاف کو بے حد اہمیت دی گئی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

۱۔ وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ (النساء ۴: ۵۸)

ترجمہ: اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔

۲۔ وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝ (المائدہ ۵: ۴۲)

ترجمہ: اور اگر فیصلہ کرو تو ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ کرنا، بے شک اللہ پسند کرتا ہے

Marfat.com

انصاف کرنے والوں کو۔"

۲۔ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (النحل ۱۶: ۹۰)

سچی گواہی: عدالتی انصاف میں سچی گواہی کا بہت اہم کردار ہوتا ہے۔ کیونکہ عدالت نے تنازعے کا فیصلہ گواہوں کی شہادت پر کرنا ہوتا ہے۔ گواہوں کو بڑی سخت تاکید کی گئی ہے کہ وہ جب بھی گواہی دیں انصاف کے ساتھ دیں، خواہ وہ کسی کے بھی خلاف جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۱۔ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى (الانعام ۶: ۱۵۲)

ترجمہ: اور جب بات کہو تو انصاف کی کہو خواہ وہ قرابت دار ہی ہو۔"

۲۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝

(النساء ۴: ۱۳۵)

ترجمہ: "اے ایمان والو، انصاف پر خوب قائم رہنے والے اللہ کے لیے گواہی دینے والے رہو خواہ تمہارے اپنے ہی خلاف ہو یا والدین یا رشتہ داروں کے خلاف ہو۔ وہ شخص اگر امیر ہے یا غریب دونوں کے ساتھ اللہ کو زیادہ تعلق ہے، پس تم خواہش نفس کی پیروی مت کرنا کہ تم حق سے ہٹ جاؤ، اور اگر تم کج بیانی کرو گے یا پہلو تہی کرو گے تو یقیناً اللہ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے۔"

آیت مذکورہ بالا میں گواہی سے متعلق تمام امور کی بابت واضح ہدایات دی گئی ہیں۔ قرآن حکیم میں گواہی کو چھپانے کی بھی سخت ممانعت کی گئی ہے:

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۚ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ (البقرہ ۲۸۲)۔

ترجمہ: اور گواہی کو مت چھپاؤ، اور جو اسے چھپائے گا تو یقیناً اس کا دل گنہگار ہے۔"

دشمن کے ساتھ انصاف: اسلام نے دشمن سے بھی انصاف کرنے کی تاکید ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۚ اِعْدِلُوْا ۚ

(المائدہ ۵: ۸)

ترجمہ: اور نہ اکسائے تمہیں عداوت کسی قوم کی اس پر کہ تم انصاف نہ کرو، تم انصاف کیا کرو۔"

Marfat.com

حضورؐ کا اسوہ حسنہ: رسول اکرمؐ نے عدالتی انصاف کی بڑی تاکید فرمائی ہے اور بطور حکمران اس کی اعلیٰ عملی مثالیں قائم فرمائی ہیں مثال کے طور پر ایک واقعہ درج کیا جاتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ قریش کو اس مخزومی عورت کے بارے بہت پریشانی لاحق تھی جس نے چوری کی تھی۔ وہ کہنے لگے، اس بارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کون بات کرے گا؟ یہ مشورہ ٹھہرا کہ حضرت اسامہؓ بن زیدؓ کے سوا آپؐ سے بات (سفارش) کرنے کی جرات کون کر سکتا ہے، کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہیتے ہیں۔ چنانچہ اسامہؓ نے حضورؐ سے بات کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تو اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے ایک حد کے بارے سفارش کرتا ہے؟ پھر آپؐ نے کھڑے ہو کر (لوگوں سے) خطاب فرمایا اور ارشاد فرمایا: تم سے پہلے لوگوں کو اس بات نے ہلاک کیا کہ اگر ان کا کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو وہ اُسے چھوڑ دیتے اور اگر ان میں کمزور آدمی چوری کرتا تو اس پر حد قائم کر دیتے۔ اور اللہ کی قسم! اگر فاطمہؓ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے چوری کی ہوتی تو میں ضرور اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔[1]

اور ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: پس آپؐ کے چہرۂ انور کا رنگ متغیر ہو گیا (یعنی غصہ سے سرخ ہو گیا) اور آپؐ نے فرمایا: کیا تم اللہ کی حدود میں سے ایک حد کے بارے سفارش کرتے ہو؟ اس پر اسامہؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ میرے لیے استغفار فرمائیے۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر آپؐ نے اس عورت کے متعلق حکم جاری فرمایا اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔[1]

۲۔ معاشرتی حیثیت کے بارے عدل

اسلامی تعلیمات کی رُو سے ہر شخص کو معاشرے میں دوسروں کے مساوی معاشرتی حیثیت (SOCIAL STATUS) حاصل ہے، کسی اونچ نیچ یا امتیاز کی اجازت نہیں ہے۔ کسی کو رنگ، نسل، زبان، مال و زر، جاہ و اقتدار غرض کسی بھی وجہ سے دوسروں پر فوقیت حاصل نہیں ہے، سب یکساں طور پر قابلِ احترام ہیں، کوئی شخص پیدائشی یا موروثی طور پر دوسروں کے مقابلے میں معاشرے میں بہتر مقام کا حقدار نہیں ہے اور نہ ہی کوئی شخص پیدائشی یا موروثی طور پر دوسروں سے کمتر یا نیچ ہے۔ ہر شخص کی جان، مال، آبرو یکساں طور پر محترم ہے، اس میں حاکم و محکوم، امیر و غریب

---

[1] ریاض الصالحین، باب ۲۰۷ بحوالہ بخاری و مسلم۔

Marfat.com

مرد اور عورت، گورے اور کالے کی کوئی تمیز نہیں ہے۔ قانون کی نظر میں سب پر یکساں طور پہ ہر قانون لاگو ہوگا، کوئی قانون سے بالاتر نہیں ہے۔ اسلامی تاریخ میں ایسے بہت سے واقعات ملتے ہیں کہ امیر المومنین، یا خلیفۃ المسلمین یا سلطان تک فریق مقدمہ کے طور پر عدالت میں پیش ہوئے، عدالت میں ان کے ساتھ ان کے عہدے کا لحاظ کرتے ہوئے کوئی ترجیحی سلوک نہیں ہوا بلکہ دوسرے فریق کے برابر کا برتاؤ ہوا اور فیصلہ بھی قانون کے مطابق ہوا جس میں عدل و انصاف کے تمام تقاضے پورے کیے گئے۔ بسا اوقات سربراہِ حکومت کے خلاف بھی فیصلہ ہوا۔

معاشرتی حیثیت کے بارے میں انصاف کی تعلیمات اسلام کا بنی نوع انسان پر نہایت عظیم احسان ہے۔

نوٹ: اس کے بارے میں مزید تفصیل اسی باب میں انسانی وقار کے تحت دیکھیے۔

۳۔ عائلی زندگی میں عدل

عائلی زندگی میں عدل کے دو پہلو ہیں (۱) میاں بیوی کے حقوق میں عدل (۲) اولاد میں عدل
میاں بیوی کے ایک دوسرے پر یکساں حقوق ہیں اور ایک جیسے فرائض ہیں۔ مرد چونکہ گھر میں خرچ کرتا ہے، یعنی بیوی کے نان و نفقہ کی ذمہ داری اس پر ہے اور وہ گھر کا سربراہ ہے اس لیے اس پہلو سے اسے اک گنا بیوی پر فضیلت حاصل ہے، تاہم دونوں کے ایک دوسرے پر حقوق مساوی ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ۔ (البقرہ، ۲۲۸)

ترجمہ: اور عورتوں کے لیے حقوق ہیں مثل ان کے فرائض کے، دستور کے موافق، اور مردوں کو ان پر ایک درجہ حاصل ہے۔

اگر کسی مسلمان کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو اس کا فرض ہے کہ وہ ان کے درمیان ہر معاملے میں عدل کرے اور اگر اسے اندیشہ ہو کہ وہ ان میں عدل نہ کر سکے گا تو پھر ایک سے زیادہ شادی کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً (النساء، ۴: ۳)

ترجمہ: پس اگر تمہیں خوف ہو کہ تم عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی سے نکاح کرو۔

اولاد میں بھی ہر معاملے میں عدل کرنے کی تعلیم دی گئی ہے اور کسی کے ساتھ امتیازی سلوک کرتے

Marfat.com

کی ممانعت ہے۔ خوراک، لباس، تعلیم، صحت اور دیگر سہولتوں وغیرہ کسی بھی معاملے میں بیٹیوں کے مقابلے میں بیٹوں سے ترجیحی سلوک کرنا یا بیٹوں میں سے کسی ایک کے ساتھ بہتر سلوک کرنا جائز نہیں ہے، سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کرنا چاہیئے۔ حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس کے ہاں لڑکی ہو اور وہ اُسے زندہ درگور نہ کرے اور اس کی توہین نہ کرے اور بیٹوں کو اس پر ترجیح نہ دے اللہ اُسے جنت میں داخل کرے گا۔[1]

قرآن وحدیث میں یتیموں کے معاملے میں عدل کرنے کی بہت سخت تاکید آئی ہے اور ان کے ساتھ بے انصافی کرنے پر سخت عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْیَتٰمٰی بِالْقِسْطِ (النساء، ۴: ۱۲۷)

ترجمہ: "اور اللہ تمہیں ہدایت کرتا ہے کہ یتیموں کے ساتھ انصاف پر قائم رہو۔"

۴۔ معاشی عدل

خوشحال اور پُرامن معاشرے کے قیام کے لیے معاشی عدل ناگزیر ہے۔ معاشی عدل کے متعلق اسلام نے متعدد اقدامات کیے ہیں۔ اس بارے میں بعض اہم تعلیمات درج ذیل ہیں:-

۱۔ قدرتی وسائلِ معاش: اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ قدرتی وسائل معاش اللہ تعالیٰ نے سب انسانوں کے لیے پیدا کیے ہیں۔ ارشاد باری ہے:

(۱) هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا۔ (البقرہ، ۲۹)

ترجمہ: "اللہ وہ ہے کہ اس نے جو کچھ کہ زمین میں ہے تم سب کے لیے پیدا کیا۔"

(۲) وَقَدَّرَ فِیْهَآ اَقْوَاتَهَا فِیْۤ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ۔ (حٰمٓ السجدہ، ۴۱: ۱۰)

ترجمہ: "اور اللہ نے اس (یعنی زمین) میں اس کے رہنے والوں کی غذائیں مقرر کر دیں۔ چار دن میں۔ سب جستجو کرنے والوں کے لیے برابر ہیں۔"

اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ اللہ کے پیدا کردہ ان قدرتی وسائل معاش، مثلاً زرعی اراضی، جنگلات، کانوں وغیرہ کی منصفانہ تقسیم کے لیے ضروری اقدامات کرے تاکہ ایسا نہ ہو کہ چند اشخاص

---

[1] مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب فضل الاحسان الی البنات۔

Marfat.com

ان پر طاقت (جسمانی یا ذہنی) کے زور پر قبضہ کر لیں اور باقی کروڑوں لوگ ان کے رحم و کرم پر رہ جائیں یا بے روزگار ہو جائیں۔

باطل طریقوں سے ایک دوسرے کا مال کھانا: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۱۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ

(النساء، ۴: ۲۹)

ترجمہ: "اے ایمان والو، تم آپس میں ایک دوسرے کے اموال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ"

۲۔ ترجمہ: "اور تم لوگ نہ تو آپس میں ایک دوسرے کے اموال باطل طریقوں سے کھاؤ اور نہ حاکموں کے آگے ان کو اس غرض سے پیش کرو کہ تمہیں دوسرے کے مال کا کوئی حصہ دانستہ طور پر ظالمانہ طریقے سے کھانے کا موقع مل جائے" (البقرہ ۲: ۱۸۸)

باطل طریقوں میں یہ معاشی برائیاں شامل ہیں۔

سود۔ ناپ تول میں کمی۔ غصب۔ چوری۔ ڈکیتی۔ رشوت۔ جوا۔ شرع میں حرام چیزوں کی تجارت۔ ذخیرہ اندوزی۔ غبن۔ ملاوٹ وغیرہ۔ قرآن و حدیث میں ان سب معاشی برائیوں سے سختی سے منع کیا گیا ہے۔

اجتماعی عدل کی اہمیت

معاشرتی ... کو بے حد اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر:

۱۔ معا...رہ میں امن ... حکام پیدا نہیں ہو سکتا۔ لوگوں کے درمیان جھگڑے فساد ہوتے رہیں گے۔

۲۔ ہر شخص پریشان ہو گا اور عدم تحفظ کے احساس کا شکار رہے گا۔ وہ ان تفکرات میں گھرا رہے گا کہ بیمار ہو گیا تو کیا ہو گا۔ مر گیا تو بال بچوں کا کیا بنے گا۔ روزگار چھن گیا تو کیا کروں گا وغیرہ۔ اس کی زندگی اجیرن ہو جائے گی۔

۳۔ کرپشن اور طرح طرح کے معاشی جرائم فروغ پائیں گے۔ کیونکہ ہر شخص کو معلوم ہے کہ اس نے بقا کے لیے اکیلے ہی جدوجہد کرنی ہے۔ جیسے تیسے کر کے مال و جائیداد بنائے۔ تاکہ بیماری کی صورت میں علاج کی فکر نہ ہو۔ مر جائے تو پسماندگان کو کسی قسم کی پریشانی نہ اٹھانی پڑے۔ روزگار چھن جائے تو اتنا مال ہو کہ بیٹھ کر بھی کھائیں تو ختم نہ ہو۔ اس کے بچوں کو اچھی سے اچھی تعلیمی اور دیگر سہولتیں حاصل ہوں۔ غرض ہر فرد تن تنہا اپنی اور اپنے زیر کفالت

Marfat.com

افراد کی بقاء کی جنگ لڑے گا۔ خواہ اس سے جتنے لوگوں کو چاہے نقصان پہنچے۔

۴۔ معاشرتی انصاف کے نہ ہونے کی صورت میں حکومت کی اطاعت اور اس سے وفاداری اور حب الوطنی کا جذبہ سرد پڑ جاتا ہے۔

۵۔ معاشرے کے افراد اخلاقی انحطاط کا شکار ہو جاتے ہیں اور رفتہ رفتہ اخلاقی پستی کی گہرائیوں میں ڈوب جاتے ہیں۔

۶۔ جب بے انصافی بڑھتے بڑھتے حد سے بڑھ جاتی ہے تو معاشرہ فسادات اور خون خرابے کی لپیٹ میں آجاتا ہے۔ لوگوں کے باہمی لڑائی جھگڑے اور قتل و غارت گری روز کا معمول بن جاتے ہیں اور آخر کار معاشرہ ختم ہو جاتا ہے۔ (بیرونی حملے سے یا ٹکڑے ٹکڑے ہو کر)۔

شُورٰی

مفہوم: شوریٰ کا لغوی معنی ہے: (۱) ایک دوسرے سے رائے طلب کرنا، مشورہ لینا۔ یعنی یہ مُشَاوَرَت اور تَشَاوُر کے معنی میں آتا ہے (۲) وہ معاملہ جس کے بارے میں رائے طلب کی جائے[1] مشورہ زندگی کے ہر دائرے میں اور ہر سطح پر کرنا مفید اور مستحسن ہے کیونکہ باہمی مشورہ کرنے سے زیرِ مشورہ معاملے کے تمام پہلو سامنے آجاتے ہیں اور اس کے بعد جو فیصلہ طے پاجاتا ہے وہ عام طور پر درست ہوتا ہے۔ اس لیے مشورے میں بڑی برکت ہے۔ اکیلا آدمی فیصلہ کرے تو اس میں غلطی کا امکان کہیں زیادہ ہے کیونکہ معاملے کے کئی رُخ اس کی نظر سے اُوجھل رہ جاتے ہیں۔

یہاں شوریٰ سے مراد سیاسی امور میں مسلمانوں کی باہمی مشاورت ہے اور اس مضمون میں اس پر اسی پہلو سے گفتگو کی جائے گی۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ مسلمان اپنے اجتماعی معاملات باہمی مشورے سے طے کیا کریں، خواہ یہ اجتماعی معاملات دیہہ، گاؤں، قصبہ، تحصیل، ضلع، صوبہ، ملک وغیرہ کسی بھی سطح کے ہوں۔

شوریٰ کے متعلق اسلامی تعلیمات: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا منصب قرآن مجید اور حکمت کی تعلیم دینا اور تزکیہ (یعنی کردار سازی) کرنا تھا۔ آپؐ نے اہل ایمان کی خوب تربیت فرمائی۔ آپؐ کے ذریعے اہل ایمان کی عملی تربیت ہی

---

[1]: امام راغب: مفردات القرآن۔ المعجم الوسیط۔

Marfat.com

کی غرض سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم فرمایا کہ مومنین سے مشورہ فرمایا کریں، ان کی رائے لیا کریں حالانکہ آپ کے علم و بصیرت کے مقابلے میں ان کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۚ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ

(آل عمران ۳، ۱۵۹)

ترجمہ: اور ان سے مشورہ کیجیے معاملے کے بارے میں، پس جب آپ عزم کرلیں تو پھر اللہ پر بھروسہ رکھیں:

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "ان لوگوں کے لیے اللہ کے ہاں جو کچھ ہے (یعنی جنت) وہ بہتر اور زیادہ باقی رہنے والی ہے جو ایمان لائے اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں اور جو کبیرہ گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے اجتناب کرتے ہیں اور ان کو غصہ آئے تو معاف کر دیتے ہیں اور جو اپنے رب کا حکم مانتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور اپنے معاملات باہمی مشورے سے چلاتے ہیں۔ (وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ) اور ہم نے ان کو جو رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں:" (الشوریٰ ۴۲، ۳۶ تا ۳۸)

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ' والی آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو حکم فرمایا ہے اور پھر یہ حکم تمام اولوالامر (اصحاب اقتدار) کے لیے ہے کہ وہ لوگوں سے رائے لیں اور دوسری آیت مبارکہ میں جنت کے حقدار اہل ایمان کی صفات میں سے ایک صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ:

وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ، یعنی وہ اپنے معاملات باہمی مشورے سے طے کرتے ہیں۔ اس دوسری آیت سے بالواسطہ طور پر یہ بھی پتا چلتا ہے کہ آپس کے معاملات کو باہمی مشورے سے طے کرنے والوں کے اوصاف کیا ہونے چاہئیں۔ اس آیت میں ان کے یہ اوصاف بیان کیے گئے ہیں:

۱۔ ایمان رکھتے ہیں ۲۔ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں ۳۔ کبیرہ گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے اجتناب کرتے ہیں۔ ۴۔ غصہ آئے تو درگزر سے کام لیتے ہیں ۵۔ اپنے رب کا حکم مانتے ہیں۔ ۶۔ نماز قائم کرتے ہیں۔ ۷۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

رسول اکرمؐ کا ارشاد ہے: اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ، یعنی جس سے مشورہ لیا جائے۔ وہ امین ہوتا ہے۔ مشورہ والا معاملہ مشیر کے پاس امانت ہوتا ہے۔ لہٰذا خیانت کار شخص مشیر نہیں ہوسکتا۔

باہمی مشورہ کے بعد جب کوئی فیصلہ ہوجائے تو سب پر لازم ہے کہ اس کی پابندی کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

Marfat.com

فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ

(محمد ۴۷ : ۲۱)

ترجمہ: پھر جب معاملہ طے پا جائے تو اگر وہ اللہ سے اپنے عہد کو پورا کریں تو یہ ان کے لیے بہتر ہے۔

اہلِ ایمان کے معاملات باہمی مشاورت سے طے پائیں گے اور جب کوئی فیصلہ کر لیا جائے یعنی قانون وغیرہ بنا لیا جائے یا قرارداد منظور کر لی جائے) تو یہ اللہ سے ان کا عہد ہے، اب ان کے حق میں اچھا یہی ہے کہ صدقِ دل سے اس پر عمل کریں۔

اسوۂ حسنہ: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا ہر لمحہ براہ راست اللہ تعالیٰ کی نگہداشت میں گزرتا اور آپ کا ہر قول اور فعل اللہ تعالیٰ کی راہنمائی میں ہوتا تھا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے جو علم و بصیرت عطا فرمائی۔ اس کا اندازہ لگانا بھی کسی انسان کے بس کی بات نہیں، لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صحابہ کرامؓ اور پھر پوری امت کی تربیت کی غرض سے اور ان میں شوریٰ کی اہمیت کو اجاگر کرنے کا مقصد سے اکثر صحابہ کرامؓ سے مشورہ فرماتے رہتے تھے اور صحابہ کرامؓ پوری آزادی کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کرتے تھے، کہ آپؐ ان کے ساتھ نہایت مشفقانہ سلوک فرماتے تھے۔ بارہا آپؐ نے اپنی رائے کو چھوڑ کر صحابہ کرامؓ کی رائے کو اختیار فرمایا۔ مثال کے طور پر غزوہ بدر کے موقع پر آپؐ نے لشکر کے پڑاؤ ڈالنے کیلئے ایک جگہ کا انتخاب فرمایا، لیکن جب ایک صحابیؓ نے دلیل کے ساتھ دوسری جگہ پڑاؤ ڈالنے کا مشورہ دیا تو آپؐ نے قبول فرمایا۔ غزوۂ احد کے موقع پر شہر سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ بھی صحابہ کرامؓ سے مشورہ کرنے کے بعد فرمایا۔ اسی طرح غزوۂ احزاب میں مدینہ منورہ کے تین طرف خندق کھود کر محصور ہو کر دفاع کرنے کا فیصلہ بھی باہمی مشورے سے طے پایا تھا۔ حضرت ابوہریرہؓ جو ہر وقت بارگاہِ رسالت میں حاضر رہتے تھے (اور اسی لیے انہوں نے کثیر تعداد میں احادیث مبارکہ روایت کی ہیں) ان کا قول ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنے والا نہیں دیکھا۔

شوریٰ کی ضرورت و اہمیت

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عزت و تکریم بخشی ہے (وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ ۔ بنی اسرائیل ۱۷:۷۰) اسے خلافتِ ارضی عطا کی ہے (دیکھیے البقرہ ۲ : ۳۰) اور ہر فرد بشر کو یکساں طور پر قابلِ احترام

Marfat.com

ٹھہرایا ہے اور کسی بھی بنیاد پر کسی کو دوسرے پر فضیلت نہیں دی، سوائے تقویٰ کے، لہٰذا کسی ایک فرد یا گروہ کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ دوسرے پر اپنی مرضی سے حکم چلائے، دوسرے انسان اس کے غلام نہیں ہیں۔ سب کے مساوی حقوق ہیں۔ خلافت کا منصب کسی ایک فرد کو نہیں بلکہ پوری نسلِ انسانی کو عطا ہوا ہے۔ اس لیے کوئی حاکم نہیں اور کوئی محکوم نہیں مسلمان اپنی مرضی سے کسی کو موزوں سمجھ کر حکومت واقتدار کا منصب امانت کے طور پر سپرد کرتے ہیں۔ اس باہمی معاہدے کے ساتھ کہ وہ معاملات کو کتاب وسنت کے مطابق اور باہمی مشاورت سے چلائے گا، وگرنہ وہ خیانت کار ہوگا اور اس کی اطاعت ان پر لازم نہ رہے گی۔ گویا لوگ خود ہی حاکم ہیں اور خود ہی محکوم۔ اس ضمن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات درج ذیل ہیں:

۱۔ حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! آپ مجھے کسی علاقے کا حاکم کیوں نہیں مقرر فرما دیتے؟ آپؐ نے میرا شانہ تھپک کر فرمایا: اے ابوذر، تم ناتواں ہو اور یہ (یعنی منصب حکومت) ایک امانت ہے اور یہ قیامت کے روز ذلت ورسوائی کا باعث بنے گی، سوائے اس کے جو اس کے حق کے ساتھ اسے لے اور اس ضمن میں اپنے اوپر عائد ہونے والے فرائض کو ادا کرے۔[1]

۲۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور ان کے خاندان سے دو اصحاب نے حضورؐ سے منصب حکومت کی درخواست کی تو آپؐ نے فرمایا: "اللہ کی قسم! ہم یہ کام اس کے سپرد نہیں کریں گے جو خود اس کا طالب ہو یا اسے اس کی حرص ہو۔"[2]

۳۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں: "ہم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سننے اور اطاعت کی بیعت کرتے تھے تو آپؐ ہم سے فرمایا کرتے تھے کہ (سننے اور اطاعت کی یہ بیعت ان کے امور کے لیے ہے) جن کی تم میں طاقت ہو۔"[3]

یعنی حضورؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی اطاعت کا باقاعدہ معاہدہ (بیعت) طے پاتا تھا۔ اپنی مرضی اور خوشی سے لوگ یہ معاہدہ کرتے تھے۔ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ کی چھوٹی سی شہری ریاست بھی آپؐ نے لوگوں کے ساتھ باہمی معاہدہ کے تحت قائم فرمائی تھی۔ (یہ بات ریاست کی بابت دا کے بارے میں روسو کے معاہدہ عمرانی والے نظریے (THEORY OF SOCIAL-CONTRACT) کی تائید میں جاتی ہے۔)

---

[1]: ریاض الصالحین، بحوالہ مسلم۔ [2]: ایضاً بحوالہ بخاری ومسلم
[3]: ریاض الصالحین، بحوالہ بخاری ومسلم۔

Marfat.com

۴۔ مسلمان پر سننا اور اطاعت کرنا لازم ہے خواہ وہ حکم اسے اچھا لگے یا برا، البتہ اگر (اللہ کی نافرمانی کا حکم دیا جائے تو نہ سننا (لازم) ہے اور نہ ماننا۔ (بخاری و مسلم)۔

ان احادیث مبارکہ سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اسلامی حکومت نہ تو زبردستی مسلط ہوتی ہے اور نہ ہی وہ جابرانہ اور آمرانہ انداز میں حکومت کے معاملات چلاتی ہے۔ بنی نوع انسان پر جبراً حکومت کرنا ان کی توہین ہے۔

اہم سوالات

۱۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں تعمیر کردار اور اخلاق کی اہمیت پر ایک شذرہ قلم بند کیجیے۔
۲۔ اسلامی معاشرے کی اہم خصوصیات پر ایک مضمون سپرد قلم کیجیے۔
۳۔ تقویٰ کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالیے۔ (۸۸ء گروپ II)
۴۔ اسلام اجتماعی عدل کے قیام کا داعی ہے، بحث کیجیے۔ (۹۰ء گروپ I، ۸۹ء II - ۸۷ء I و II)
۵۔ وسعت اور رواداری کے بارے اسلامی تعلیمات بیان کیجیے۔
۶۔ مندرجہ ذیل پر نوٹ لکھیے:

۱۔ صدق (۸۹ء گروپ I)
۲۔ توکّل (۹۰ء گروپ I - ۸۹ء I)
۳۔ تقوای (۹۲ء گروپ I - ۸۹ء I)
۴۔ ایفائے عہد (۸۹ء گروپ I)
۵۔ سادگی
۶۔ والدین اور بزرگوں کا احترام (۹۱ء II)
۷۔ رواداری اور وسعت نظر
۸۔ کسبِ حلال
۹۔ انسانی وقار
۱۰۔ اجتماعی عدل (۹۰ء II - ۹۱ء سپلیمنٹری II)
۱۱۔ شوریٰ (۹۰ء گروپ I)

نوٹ: ۱۔ ہر سوال کا جواب قرآن و حدیث کی روشنی میں دینا ہے۔
۲۔ قوسین کے درمیان جامعہ پنجاب کے بی اے کے امتحان کا سال اور گروپ دیا ہے۔

Marfat.com

تہذیبِ انسانی کی تعمیر میں

اسلام کا حصّہ

تہذیب کا مفہوم: لفظ تہذیب اُردو زبان میں عربی سے آیا ہے۔ عربی زبان میں اس کا معنی ہے کانٹ چھانٹ کرنا، سنوارنا۔ اُردو میں یہ لفظ انگریزی کے لفظ CIVILIZATION کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور انگریزی لفظ CULTURE کا اُردو متبادل ثقافت ہے۔ عرب "سولائزیشن" کے معنی میں حضارۃ اور تمدن کے الفاظ اور کلچر کے معنی میں ثقافت کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ تہذیب اور ثقافت تقریباً ایک ہی مفہوم میں اُردو میں استعمال ہوتے ہیں اور اکثر اکٹھے بھی استعمال کیے جاتے ہیں۔

تہذیب سے مراد ہے (۱) انسان کے وہ اہم افکار و خیالات جو اس کی زندگی کے مختلف شعبوں میں اس کے اعمال کے پیچھے کارفرما ہوتے ہیں۔ (۲) ان افکار و خیالات کی بنیاد پر صادر ہونے والے اعمال۔ اہم افکار و خیالات میں درج ذیل کو اوّلیت حاصل ہے:

(الف) کائنات میں انسان کا مقام و حیثیت۔ (ب) تصورِ حیات اور زندگی کا نصب العین (ج) انسان کا دوسرے انسانوں سے تعلق۔

اہم افکار و خیالات کی بنیاد پر صادر ہونے والے اعمال میں ان کو خاص اہمیت حاصل ہے:

(الف) اخلاق۔ (ب) معاشرتی طور طریقے۔ (ج) معاشی سرگرمیاں (د) سیاسی سرگرمیاں۔ (ہ) علوم و فنون۔

غرض تہذیب پوری انسانی زندگی کو محیط ہے۔

اسلام سے پہلے انسانی تہذیب: تقریباً چودہ سو سال پہلے جب اسلام کا ظہور ہوا اس وقت انسانی تہذیب کے، ہیں تے ہزاروں سال کا ارتقائی سفر طے کر کے تشکیل پائی تھی، اہم خط و خال یہ تھے:

۱۔ انسان طاقتور مظاہرِ فطرت سے خوفزدہ تھا اور خود کو ان کے مقابل نہایت حقیر اور ادنیٰ

Marfat.com

سمجھتا تھا۔ ان کے شر سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کے لیے ان کی پوجا کرتا اور مختلف قسم کے نذرانے (انسانی جان تک کے) ان کی بھینٹ چڑھاتا تھا۔ سورج، چاند، ستاروں، آگ، سانپ، شجر و حجر تک کی پرستش کی جاتی تھی۔ قحط وغیرہ مختلف قدرتی آفات سے بچنے کے لیے انسانی جانوں کے نذرانے پیش کیے جاتے تھے۔ دریا میں پانی وافر نہ آتا تو انسان کو اس کی بھینٹ چڑھایا جاتا۔ کسی بھی طرح کے دنیوی نقصان کو دیوی دیوتاؤں کی ناراضگی پر محمول کر کے ان کو مختلف طریقوں سے راضی کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ پوری کائنات میں غالباً سب سے ادنیٰ حیثیت انسان کی تھی۔ اسی لیے انسان بے حد توہم پرست تھا۔ یونان، یورپ، عرب، مصر، برصغیر ہر جگہ یہی صورت حال تھی۔

۲۔ زندگی کا کوئی واضح نصب العین موجود نہ تھا۔ اکثر و بیشتر دنیوی زندگی بوجھ اور لعنت سمجھی جاتی تھی جو انسان پر مسلط کر دی گئی تھی۔ کہیں انسان کو پیدائشی گنہگار سمجھا جاتا تھا اور کہیں دنیا کو دکھوں کا گھر۔ دنیوی زندگی کے بعد کی زندگی کے بارے میں کہیں کہیں غیر واضح تصور موجود تھے۔ مثلاً عیسائیوں کے ہاں آسمانی بادشاہت کا تصور دھندلا سا موجود تھا، اس کی بابت دو خیالات پائے جاتے تھے:

۱۔ یہ آسمانی بادشاہت دنیا میں قائم ہوگی جس کے قیام سے مظلوم، خدا ترس اور نیک عیسائیوں کو مظالم سے مل جائے گی۔

۲۔ آسمان پر قائم ہوگی۔ آسمان پر قائم ہونے والی بادشاہت کے بارے میں یہ عقیدہ تھا کہ دنیوی زندگی کی سرگرمیاں کرنے والا شخص اس میں داخل نہیں ہو سکتا، جسے اس میں داخل ہونے کی خواہش ہو وہ دنیا کو ترک کر کے رہبانیت اختیار کرلے۔ برصغیر میں تناسخ کا بے اصل اور غیر معقول نظریہ پایا جاتا تھا اور گنہگار انسان اسی دنیا میں سزا کے طور پر کسی ادنیٰ جانور کی شکل میں پیدا ہوتا ہے یا پھر یہ نظریہ تھا کہ نجات حاصل کرنے کے لیے ترک دنیا کرنا ضروری ہے۔

۳۔ تقریباً ہر معاشرے میں انسانی طبقات پائے جاتے تھے، آقا اور غلام، اونچی ذات اور نیچی ذات۔ معاشرتی طور پر کمزور لوگوں (غلاموں، خادموں اور نیچی ذات والوں) کے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک کیا جاتا تھا۔ یہ عقائد موجود تھے کہ بعض انسان پیدائشی طور پر حقیر و ذلیل اور خدمت گزار ہیں اور دوسرے پیدائشی طور پر معزز و مخدوم۔ ہر معاشرے میں عورت انتہائی مظلوم تھی۔ عیسائیوں کے ہاں آدم کے 'گناہ' کی ذمہ دار عورت ہے۔ یہودیوں کے ہاں بھی عورت کے ساتھ ظالمانہ سلوک بھلا رکھا جاتا تھا۔ برصغیر میں عورت دوسرے درجہ کی انسان تھی، جو اپنے ہر روپ میں مرد سے کمتر اور اس کی خدمت گزار ہے۔ شوہر کے مرنے پر بیوی کی خود سوزی (ستی) کی رسم موجود تھی۔

۴۔ مذکورہ بالا افکار و عقائد کی بنیاد پر اجتماعی زندگی کی کیسی عمارت کھڑی ہو سکتی تھی ان

Marfat.com

کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے ۔ معاشرے طبقات میں تقسیم تھے ۔ ظاہر ہے کمانے والے اور تھے اور کھانے والے اور ، عوام الناس کے سیاسی سرگرمیوں میں دخل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ شخصی ، موروثی اور گروہی حکومتیں قائم تھیں ، جو عوام پر ظالمانہ ٹیکس عائد کرتیں ، ان سے بیگار لیتیں اور ان کے ساتھ غلاموں کا سا سلوک کرتی تھیں ۔ عوام کو زندگی کے اہم شعبوں کی سرگرمیوں سے بے دخل کر دیا جائے تو علوم و فنون کی ترقی بھی محال ہوتی ہے ۔ معمولی دستکاریاں رہ جاتی ہیں ، جو محکوم اور نچلے طبقے اپنی روزی کمانے کے لیے اختیار کرتے ہیں ۔ توہم پرستی اور عقل کے استعمال کی ممانعت بھی علوم و فنون کی ترقی میں سنگین رکاوٹ تھی ۔ یورپ میں عیسائیوں کے مذہبی پیشوا عقل کے استعمال کے قطعی مخالف تھے ۔ جو سائنس دان کوئی نیا نظریہ پیش کرتا یا کوئی نیا قانون دریافت کرتا اسے سخت سزا دی جاتی ۔ وہ ایسے کتب خانے جلوا دیتے یا انہیں بند کر کے مقفل کر دیتے جن میں فلسفہ و حکمت اور سائنس کی کتابیں ہوتیں ۔ لوگوں کو ایسی کتابوں کے پڑھنے سے منع کیا جاتا تھا ۔ یونان میں صرف نظری علوم کی کچھ پیش رفت ہوئی تھی ۔ لیکن وہ انسانی تہذیب کے فروغ میں کچھ زیادہ ممد و معاون ثابت نہ ہو سکی ۔ وہ تجربہ اور عمل کے مخالف تھے جو تہذیب کے ارتقاء کے لیے اشد ضروری ہے ۔

اسلامی تہذیب کی خصوصیات[1]

اس پس منظر میں اسلامی تہذیب کا ظہور ہوا ، جس سے افکار و عقائد اور ان کی بنیاد پر صادر ہونے والے اعمال میں ایک عظیم الشان انقلاب برپا ہو گیا اور انسانی تہذیب برق رفتاری سے ارتقاء کے مراحل طے کرنے لگی ۔ آج انسانی تہذیب و تمدن ترقی کے جس مقام پر ہیں اس کی بنیاد اسلام نے فراہم کی ، اگر اسلام کا ظہور نہ ہوتا تو انسانی تہذیب کی کیفیت اس سے شاید زیادہ مختلف نہ ہوتی جو ظہور اسلام کے وقت تھی ۔ اسلامی تہذیب کی چند اہم اور نمایاں خصوصیات درج ذیل ہیں ۔

۱۔ خلافتِ ارضی : اسلام نے یہ نظریہ پیش کیا کہ انسان کے لیے یہ ساری کائنات پیدا کی گئی ہے ، وہ مکرم و محترم ہے ، اسے بہت سی مخلوقات پر فضیلت

---

[1] : اس سے پہلے اسی کتاب کے چار ابواب بالخصوص باب دوم اور چہارم میں ان خصوصیات سے متعلق مضامین مثلاً توحید ، آخرت ، اخلاقی اقدار وغیرہ خاصی تفصیل سے بیان کیے جا چکے ہیں ۔ اس لیے یہاں نہایت مختصر ذکر کیا جائے گا ۔

Marfat.com

حاصل ہے اور وہ روئے زمین پر نیابتِ الٰہی کا شرف بخشا گیا ہے۔ ساری کائنات اس کے استعمال کے لیے ہے، وہ اس سے استفادہ کرے۔ اسے کائنات کی کسی چیز کی بندگی نہیں کرنی۔ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی کرے، اس کی توحید پر ایمان رکھے، اور اس کے نائب کی حیثیت سے اس کے احکام پر عمل کرے اور عزت و وقار کے ساتھ زندگی بسر کرے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے 'توحید اور انسانی وقار' کے عنوانات)۔

۲۔ **آخرت کا واضح تصوّر:** اسلام نے یہ تعلیم دی کہ انسان کو یوں ہی عبث نہیں پیدا کیا گیا، بلکہ اس کا ایک اعلیٰ مقصدِ حیات ہے اور وہ یہ ہے کہ دنیوی زندگی میں، ایمان رکھتے ہوئے ایسے اعمالِ صالحہ کرے جس سے اس کے قلب و باطن کا تزکیہ ہو، وہ حیوانیت سے بلند تر ہو کر انسانیت کے اعلیٰ مقام کو حاصل کرے، کثافت میں رہتے ہوئے اپنے اندر لطافت پیدا کرے تاکہ وہ فلاح پا کر جنت میں داخل ہو سکے۔ (تصورِ آخرت اور اس کے انسانی زندگی پر اثرات کے لیے دیکھیے عنوان 'آخرت')۔

۳۔ وحدت و مساواتِ انسانی:

اسلام نے یہ انقلاب آفرین نظریہ پیش کیا کہ تمام انسان ایک ماں باپ کی نسل سے ہیں، پیدائشی طور پر سب یکساں ہیں، کسی کو کسی پر امتیاز یا فضیلت حاصل نہیں ہے۔ فضیلت کسب سے حاصل ہوگی اور یہ کسب تقویٰ کا ہے۔ مال و زر، جائیداد یا جاہ و اقتدار کا نہیں۔ (اس کی تفصیل کے لیے دیکھیے عنوان 'انسانی وقار')۔

۴۔ **اعلیٰ اخلاقی اقدار:** اسلام نے جامع اور اکمل صورت میں اعلیٰ اخلاقی اقدار کی تعلیم دی ہے۔ ان کو اپنانے سے انسان انسانیت کے اعلیٰ درجے پر فائز ہو جاتا ہے۔

(تفصیل کے لیے دیکھیے باب چہارم)

۵۔ **تفکر فی الخلق کی دعوت:** اسلام نے انسان کی عقل کو استعمال کر کے کائنات پر اور خود اپنے آپ پر اور اپنی تاریخ پر غور و فکر کرنے کی صرف اجازت ہی نہیں دی بلکہ اس کو ترغیب دی ہے کہ وہ عقل کو استعمال کرے۔ قرآن حکیم میں بے شمار مقامات پر انسان کو کائنات میں تفکر کرنے اور عقل سے کام لینے کی دعوت دی گئی ہے[1]۔

---

[1]: مثلاً دیکھیے البقرہ ۱۶۴۔ آلِ عمران ۱۹۰ تا [illegible]۔ الانعام ۱۰۰۔ النحل ۱۰ تا ۱۱۔ الرعد ۲ تا ۳۔ الروم ۵۰۔ الغاشیۃ ۱۸ تا ۲۰۔ الروم ۸۔ الطارق ۵ تا ۷۔

Marfat.com

اور عقل استعمال نہ کرنے والوں کی سخت مذمت کی گئی ہے۔ مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۱۔ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ۔ (الانفال، ۸ : ۲۲)

ترجمہ: بلاشبہ بدترین جانور اللہ کے نزدیک وہ بہرے گونگے لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے۔

۲۔ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ (یونس ۱۰ : ۱۰۰)

ترجمہ: اور اللہ ان لوگوں پر گندگی ڈال دیتا ہے جو عقل سے کام نہیں لیتے۔

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کے تمام توہمات کو ختم کر دیا (اوہام پرستی کو ختم کرنے میں اسلام کے تصور توحید نے بہت زبردست کردار ادا کیا ہے۔)

یہاں بطور مثال ایک واقعہ نقل کیا جاتا ہے۔ اسلام سے پہلے بعض مذاہب کے پیشوا چاند اور سورج گرہن پر لوگوں سے پیسے بٹورتے تھے تاکہ انہیں اس کے "بُرے اثرات" سے بچایا جائے۔ عرب سمجھتے تھے کہ کسی اہم اور عظیم شخصیت کی وفات کے سوگ میں چاند اور سورج گہناتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم جس روز فوت ہوئے۔ اتفاق سے اس دن سورج گرہن ہوا۔ لوگ کہنے لگے کہ حضرت ابراہیم کی وفات سے سورج گہنایا ہے۔ رسول اکرمؐ نے اس توہم کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ چاند اور سورج کے گرہن کا کسی کی زندگی یا موت سے کوئی تعلق نہیں ہے [1]

عقل کے استعمال کی اجازت اور تفکر فی الخلق کی دعوت نے تمام علوم و فنون کی شاندار اور تیز رفتار ترقی کا دروازہ کھول دیا اور بنی نوع انسان نے اس سے خوب فائدہ اٹھایا۔

تہذیب انسانی کی تعمیر میں اسلام کا حصہ

تہذیب انسانی کے ہر شعبے پر اسلام سے گہرے اثرات مترتب ہوئے ہیں اور آج تہذیب انسانی میں پائے جانے والے تمام محاسن اسلام کے مرہون منت ہیں اور آج کی تہذیب میں جو خرابیاں ہیں

---

[1] بخاری، کتاب العیدین، ابواب الکسوف باب الدعا فی الکسوف۔ مسلم اور دیگر کتب حدیث میں بھی اس مضمون کی متعدد احادیث روایت کی گئی ہیں کہ چاند اور سورج کے گرہن کا کسی کی زندگی یا موت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

Marfat.com

وہ اسلام کی تعلیمات سے انحراف کا نتیجہ ہیں۔ تہذیب انسانی کے چند اہم شعبوں میں اسلام (اور اہل اسلام) کے اثرات کا مختصر ذکر درج ذیل ہے:

۱۔ عقائد و افکار پر اثر: اسلام نے انسان کے عقائد و افکار میں ایک شاندار اور عظیم انقلاب برپا کر دیا۔ ایک طرف تو اسے کائنات کی ہر چیز اور خود اس کے اپنے بنی نوع کی غلامی اور بندگی سے نجات دلائی۔ دوسری طرف غیبی حقائق (وجود باری تعالیٰ، ملائکہ اور جنت دوزخ) کے بارے میں ایسے اعلیٰ اور جامع تصورات دیے جو اس کی فطرت اور اس کے شعور سے ہم آہنگ ہیں۔ ان عقائد و افکار نے انسان کی زندگی پر گہرے اور مثبت اثرات مرتب کیے ہیں اور ان سے انسانی تہذیب کو درست سمت میں تیز رفتاری سے ترقی کرنے میں بڑی مدد ملی ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے توحید اور آخرت کے عنوانات)۔

اسلامی عقائد و افکار سے صرف مسلمان ہی نہیں مستفید ہوئے بلکہ اس کے اثرات انہوں نے بھی قبول کیے ہیں جنہوں نے اسلام لانے کا اقرار نہیں کیا۔ آج دوسرے مذاہب کے لوگ رسماً اور نام کے طور پر ہی ان مذاہب کے پیروکار ہیں ورنہ وہ اپنے مذہب کے خلافِ عقل و شعور عقائد پر یقین نہیں رکھتے۔ غیر مسلموں میں توہم پرستی بھی اب بہت کم رہ گئی ہے۔ یہ سب اسلام کے عقائد و افکار کا اثر ہے۔ توہم پرستی گھٹنے سے انسان میں تسخیرِ کائنات کا حوصلہ پیدا ہوا اور مختلف علوم و فنون نے ترقی کی۔

۲۔ سیرت و اخلاق پر اثر: اسلام نے اعلیٰ اخلاقی تعلیمات اور اخلاقِ فاضلہ کے پیکر، صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ پیش کر کے بنی نوع انسان کو اس قابل بنا دیا کہ وہ چاہیں تو ان تعلیمات پر عمل کر کے اور حضورؐ کے اسوۂ حسنہ کی اتباع کے ذریعے اپنے باطن کا تزکیہ کر لیں اور اپنے اندر اتنی لطافت پیدا کر لیں کہ فرشتے بھی پیچھے رہ جائیں۔ تزکیۂ باطن سے ہی انسان صحیح معنی میں مہذب بنتا ہے، اور اس کے بغیر وہ چوپایوں کے مانند ہے اور تزکیۂ باطن کے بعد ہی انسان بلا واسطہ (بغیر مادی اسباب و ذرائع کے) کائنات کا حکمران بنتا ہے، پھر ہر چیز اس کے تابع ہو جاتی ہے۔

اسلام کی اخلاقی تعلیمات اور حضورؐ کے اسوۂ حسنہ کا مثبت اور خوشگوار اثر غیر مسلموں پر بھی پڑا ہے، بلکہ بعض اخلاق مثلاً امانت داری، محنت اور کسبِ حلال، ہمدردی اور ایثار وغیرہ میں عملی طور پر وہ مسلمانوں سے بھی بہتر ہیں۔

۳۔ معاشرت پر اثر: اسلام نے تمام طبقاتی امتیازات ختم کر کے ہر فرد بشر کو مساوی حقوق دلائے، غلامی کو ختم کرنے کے اقدامات کیے، عورت کی

Marfat.com

مظلومیت کو ختم کر کے اُسے مرد کے برابر باعزت اور قابلِ احترام مقام دیا (بعض صورتوں میں تو مرد سے بھی زیادہ اونچا مقام دیا ہے، مثلاً اولاد کے لیے ماں کی خدمت کی باپ کے مقابلہ میں زیادہ تاکید کی گئی ہے)۔ دین کے فرائض ہوں یا حقوقِ زوجین عورت مرد کے مساوی ہے۔ والدین کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ کسی بھی معاملے میں بیٹے اور بیٹی میں امتیاز نہ کریں۔ عورت کو وراثت کا حق ملا، نیز اُسے خلع کر کے شوہر سے علٰحدگی حاصل کرنے کا بھی حق دیا۔ والدین، اقارب اور ہمسایوں سے حسنِ سلوک کی تعلیم دی۔ اسلام نے معاشرتی زندگی کے بارے ایسی تعلیمات دیں کہ ان پر عمل کرنے سے ایک نہایت پُرامن اور خوشحال معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔

اسلام نے مسلم معاشرے کے لیے جو معاشرتی قوانین اور احکام دیے ان سے غیر مسلم معاشروں نے بھی کافی استفادہ کیا ہے، مثلاً آج تقریباً ساری دنیا سے سماجی غلامی کا خاتمہ ہو چکا ہے (اگرچہ خود مسلمان حضورؐ کی اس منشا کو پورا کرنے سے قاصر رہے اور اہلِ یورپ نے یقیناً اسلامی تعلیمات سے متاثر ہو کر، اس کا دنیا بھر سے خاتمہ کیا۔ اب دنیا بھر میں عورت کو پہلے سے بہتر مقام حاصل ہے۔ ہر معاشرے سے طبقاتی امتیازات ختم ہو چکے ہیں یا ان کو ختم کرنے کے لیے کوششیں ہو رہی ہیں، مثلاً ہندوستان میں ذات پات کے نظام کے خلاف مختلف سطحوں پر کوششیں کی جا رہی ہیں۔ ہندو معاشرے سے ستی کی رسمِ بد کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ دنیا بھر میں مزید حقوقِ نسواں کے لیے مہم چلائی جا رہی ہے۔ یہ سب اسلامی تعلیمات کے اثرات ہیں۔

معاشی زندگی پر اثر: افراد اور قوم کی معاشی زندگی کا تہذیب کے ارتقا یا زوال سے بہت گہرا تعلق ہوتا ہے۔ معاشی نظام منصفانہ ہو گا تو عوام الناس معاشی طور پر خوشحال ہوں گے، جس کی وجہ سے معاشرے میں علمی، تحقیقی اور تخلیقی سرگرمیاں بڑھیں گی جن کے نتیجے میں تہذیب ترقی کرے گی اور اگر معاشی نظام لوگوں کے استحصال پر مبنی اور ظالمانہ ہو تو عوام الناس معاشی طور پر بدحال ہوں گے اور تہذیب لازماً زوال پذیر ہو گی۔ اسلام نے عدل و انصاف پر مبنی اصولِ معاش دیے ہیں، معاشی استحصال کا سدِّباب کیا ہے اور ایسے اقدامات کیے ہیں کہ دولت چند افراد کے ہاتھوں میں مرتکز نہ ہونے پائے۔ ہر فرد کو بنیادی ضروریات لازماً فراہم ہوں، کوئی ان سے محروم نہ رہنے پائے اور اس کی ضامن ریاست ہو۔

اسلام کے معاشی اصولوں سے غیر مسلم اقوام نے بہت کچھ اخذ کیا ہے۔ آج پوری دنیا میں فلاحی ریاست WELFARE STATE کا نظریہ مقبول ہے اور ہر ملک میں اس کی تمنا کی جا رہی ہے اور ہر ملک فلاحی ریاست بننے کی کوشش کر رہا ہے۔ یہ اسلام کا اثر ہے۔ (اگرچہ

Marfat.com

اب مسلم ممالک اس میدان میں دوسروں سے پیچھے رہ گئے ہیں)۔

۵- سیاسی زندگی پر اثر: ظہورِ اسلام کے وقت دنیا بھر کے ہر ملک میں مطلق العنان اور جابر و آمر موروثی بادشاہتیں قائم تھیں، اور غیر مسلم ممالک بالخصوص یورپی ملکوں میں تو اسلام کے بعد بھی کئی صدیوں تک یہی نظامِ سیاست قائم رہا۔ بادشاہ اور اس کے درباری وزراء و امراء عوام کو غلام بنائے رکھتے ہیں۔ خدائی حق حکومت (DIVINE RIGHT OF RULE) کا نظریہ چل رہا تھا، کہ بادشاہ کو حکومت کرنے کا حق خدا نے بخشا ہے (حالانکہ بزور مسلط تھے) بادشاہ کے منہ سے نکلا ہوا لفظ قانون ہوتا تھا، بادشاہ قانون سے بالاتر ہوتا اور اس کا کیا ہوا جرم، جرم نہ کہلاتا تھا، کیونکہ یہ نظریہ دیا گیا تھا کہ بادشاہ معصوم ہوتا ہے۔ اسلام نے بیعت اور شوریٰ کے ذریعے سیاسی زندگی میں ایک ہمہ گیر اور زبردست انقلاب برپا کر دیا۔ بیعت سے مراد ہے کہ لوگ اپنی مرضی سے حکمران کو منتخب کرتے ہیں، خود انہیں حکومت کا حق دیتے ہیں، اور بقدر استطاعت کرنے کا عہد کرتے ہیں اور شوریٰ سے مراد یہ ہے کہ امورِ مملکت شورائی نظام کے تحت چلائے جائیں گے۔ یعنی عوام الناس امورِ سیاست میں پوری طرح دخیل ہو گئے، اب وہ حاکم بھی ہیں اور محکوم بھی۔ انہیں اپنے حکمرانوں پر علانیہ تنقید کرنے اور انہیں معزول کرنے کا بھی حق حاصل ہو گیا۔ اور سب سے بڑا اقدام اسلام نے یہ کیا کہ اقتدارِ اعلیٰ کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ کو قرار دیا اور حکمران کو اس کا امین ٹھہرا کر کتاب و سنت کے احکام کا پابند کر دیا۔ یعنی اصل میں حکومت تو اللہ کی ہے، حکمران اللہ کے احکام کو ہی نافذ کریں گے، اپنے اوپر بھی اور لوگوں پر بھی۔ گویا رعایا اور حکمران دونوں پر اللہ کی حکومت قائم کی گئی۔ نئے پیش آمدہ مسائل کا حل حکمران اور عوام سب مل کر کتاب و سنت کی روشنی میں اجتہاد کر کے تلاش کریں گے۔

اسلام کے اصولِ سیاست نے پوری دنیا کو متاثر کیا ہے۔ آج جمہوریت دنیا بھر میں مقبول ترین طرزِ سیاست ہے، آمر حکمران بھی یا تو جمہوریت کے دعویدار ہیں یا اپنے عوام سے مستقبل میں جمہوری نظام لانے کا وعدہ کر رہے ہیں۔ جمہوریت کی اصل اور بنیاد اسلام کا بیعت اور شوریٰ کا نظامِ سیاست ہی ہے۔

۶- علوم و فنون پر اثر: اسلام نے ہر فردِ معاشرہ کو مساوی حقوق دے کر، توحید و صفاتِ باری تعالیٰ کے اعلیٰ تصور سے انسان کو آشنا کر کے، یہ نظریہ دے کر کہ ساری کائنات انسان کے لیے پیدا کی گئی ہے اور انسان کو عقل کے استعمال کی آزادی اور دعوت دے کر علوم و فنون کی تیز رفتار ترقی کی راہیں کھول دیں۔ تفکر فی الخلق کی ترغیب اور عقل سے کام لینے کی اجازت کیا ملی انسان کو تو پر لگ گئے، اڑتا ہی چلا جا رہا ہے۔ ظہورِ اسلام

Marfat.com

کے بعد مسلمانوں نے تمام علوم میں جن میں طبیعات، کیمیا، طب، ہندسہ، ہیئت، نباتیات، حیوانیات، ریاضیات، اقتصاد، فلسفہ وغیرہ شامل ہیں بہت ترقی کی۔ اسی طرح بہت سے فنون، مثلاً فن تعمیر، خطاطی وغیرہ میں بھی قابل قدر پیش رفت کی۔ (مصوری، مجسمہ سازی، موسیقی وغیرہ فنون لطیفہ کی اسلام نے اجازت نہیں دی تھی اس لیے اس طرف کم توجہ دی گئی)

اندلس (سپین) میں یورپ بھر سے طلبا اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے آتے تھے (جیسے آج مسلمان امریکہ اور یورپی ملکوں میں جاتے ہیں)۔ یورپ کی درس گاہوں میں عربی کتب کے تراجم پڑھاتے تھے۔ دیانتدار یورپی مؤرخین نے مسلمانوں کے علمی کارناموں کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ آج ہم علوم و فنون میں آنکھیں چندھیا دینے والی ترقی جو دیکھ رہے ہیں۔ یہ سب اسلام کی مرہون منت ہے کہ اس نے عقل کے استعمال کی آزادی اور غور و فکر کرنے کی دعوت دی۔ پھر مسلمانوں نے مختلف علوم و فنون میں جو ترقی کی وہ آج کی اس حیران کن ترقی کی بنیاد ہے۔

عالمِ اسلام کے مسائل اور اُن کا حل

اس وقت دنیا میں پچاس سے اوپر آزاد اسلامی ملک ہیں اور مسلمانوں کی کل آبادی ایک ارب نفوس سے بھی زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کافی قدرتی وسائل سے انہیں نواز رکھا ہے۔ لیکن ان حقائق کے باوجود وہ دنیا میں کوئی مؤثر اور اہم کردار ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ اور بعض علاقوں کے مسلمان اکثریت میں ہونے کے باوجود آزادی سے محروم ہیں (جیسے مقبوضہ کشمیر کے مسلمان ہیں) لیکن آزاد اسلامی ممالک انہیں آزادی دلانے میں کوئی مؤثر کردار ادا کرنے سے عاجز ہیں۔ بعض مسائل نے انہیں کمزور کر رکھا ہے۔ عالمِ اسلام کو درپیش چند اہم مسائل درج ذیل ہیں۔

۱۔ **سیاسی مسائل:** عالمِ اسلام کے سیاسی مسائل دو قسم کے ہیں:
۱۔ تمام عالمِ اسلام ایک سیاسی وحدت نہیں ہے۔
۲۔ اسلامی ممالک مستحکم سیاسی نظام سے محروم ہیں۔

پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۹ء) تک عالم اسلام کئی سیاسی وحدتوں میں منقسم تھا۔ پھر خلافتِ عثمانیہ کے نام سے مسلمانوں کی ایک بڑی اور عظیم مملکت موجود تھی اور ترکی اور مصر سمیت خلیج کے تمام ممالک اور یورپ کے کچھ حصے اس میں شامل تھے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد خلافت عثمانیہ کو توڑ کر اس کے حصے بخرے کر دیے گئے۔ اس وقت آزاد اسلامی ممالک کی تعداد پچاس سے اوپر ہے۔ ان میں سے بہت سے ملک رقبے اور آبادی کے لحاظ سے بہت ہی چھوٹے

Marfat.com

ہیں۔ غیر مسلم قوتوں نے عالم اسلام کو دنیا میں غیر مؤثر کرنے کے لیے چھوٹی چھوٹی سیاسی وحدتوں میں تقسیم کر دیا ہے اور گاہے گاہے ان کو خفیہ سازشیں کر کے آپس میں لڑاتے بھی رہتے ہیں۔ اتحاد ملی مفقود ہے، مسلمانوں میں ملی تشخص (کہ ہم ایک ملت، ایک قوم ہیں) ناپید ہے۔ اسلامی ممالک کے عوام الناس زبردست خواہش اور تڑپ رکھتے ہیں کہ وہ سیاسی طور پر متحد ہوں اور دنیا میں ایک عظیم سیاسی قوت بن کر اہم کردار ادا کریں، لیکن وہ بے بس ہیں۔ یہ ایک عام مسلمہ اصول ہے کہ اتحاد میں قوت ہوتی ہے اور جب آپ تقسیم ہو جائیں تو کمزور ہو کر گر جاتے ہیں۔ اگر پورا عالم اسلام نہ سہی، جغرافیائی طور پر باہم متصل مسلم ممالک مل کر ایک سیاسی وحدت بنا لیں تو یہ بھی غنیمت ہو۔ مسلمانوں کے وسائل (قدرتی، انسانی وغیرہ) سب منقسم اور بے سود ہیں۔

دوسرا سیاسی مسئلہ یہ ہے کہ اکثر و بیشتر اسلامی ممالک میں ایسا مستحکم سیاسی نظام موجود نہیں جس میں عوام الناس کو بھی دخل ہو۔ اسلام نے بیعت اور شوریٰ کے سیاسی اصول دیے تھے لیکن ان پر شاید ہی کسی اسلامی ملک میں صحیح طور پر عمل ہو رہا ہو۔ اس لیے عوام اور حکومتوں کے درمیان ہم آہنگی اور حقیقی ربط ناپید ہے، دونوں میں مغایرت اور بیگانگی پائی جاتی ہے۔ حکمرانوں کی جڑیں عوام میں نہیں ہیں اور عوام امور سیاست سے بے دخل ہیں۔ اس لیے اکثر اسلامی ممالک میں غیر مسلم قوتوں کے زیر ہدایت انجام پاتے ہیں۔ اکثر اسلامی ممالک کی اہم پالیسیاں (خارجہ پالیسی، مالیاتی پالیسی، معاشی منصوبہ بندی وغیرہ) ان کی ہدایات کے مطابق تشکیل دی جاتی ہیں۔ جب تک وہ چاہتے ہیں۔ ایک حکمران کو (اپنی مرضی کے مطابق) کام کرنے دیتے ہیں اور جب چاہتے ہیں ہٹا دیتے ہیں۔ جو حکمران ان کی ہدایت کی خلاف ورزی کرے اس کا انجام عبرتناک بنا دیتے ہیں۔ یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ عوام کو امور مملکت میں کوئی دخل حاصل نہیں ہے۔

ان مسائل کا حل یہی ہے کہ اسلامی ممالک کے عوام الناس میں سیاسی شعور پیدا ہو، پہلے وہ اپنے اپنے ملک کی سیاست میں جد و جہد کر کے اپنا عمل دخل پیدا کریں پھر عالم اسلام کے اتحاد کے لیے کوشش کریں۔

۲۔ **تعلیمی مسائل:** اسلام نے علم حاصل کرنے کی سخت تاکید کی لیکن اہل اسلام علم کے میدان میں دوسروں سے بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔ غیر مسلم اقوام تمام علوم و فنون، بالخصوص فزیکل سائنسز اور ٹیکنالوجی میں بہت آگے نکل گئی ہیں۔ اوّل تو اسلامی ممالک کی حکومتیں تعلیم کو اہمیت ہی نہیں دیتیں (اس کے بغیر ان کا کام شاید زیادہ آسانی سے چلتا ہے) اور اگر ان ملکوں میں کوئی جوہر قابل پیدا ہو جائے اور کسی علم کا ماہر بن جائے تو اسے ایسے حالات سے دوچار کر دیتی ہیں کہ وہ غیر مسلم ممالک میں جانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اسلامی

Marfat.com

ممالک کے تمام اعلیٰ دماغ امریکہ اور یورپی ملکوں میں قیام پذیر ہیں اور ان کی خدمت کر رہے ہیں۔ وہاں انہیں بہتر سلوک اور حالات کا سامنا ہے ہیں۔ جبکہ اپنے ملک میں انہیں چھوٹے بڑے سبھی حکمرانوں کا غلام بن کے اور ناقابلِ قبول شرائط پر کام کرنا پڑتا ہے۔

یہ تعلیمی مسائل بھی شعور آنے کے بعد ہی حل ہوں گے۔ عوام سیاسی امور میں دخیل ہوں، حکومت کے معاملات باہمی مشاورت سے چلائے جائیں اور تمام پالیسیاں لوگ خود بنائیں جو یقیناً اپنے ملک اور عوام کے مفاد میں ہوں گی۔ پھر ماہرین اور سکالرز کی قدر بھی ہوگی اور وہ باہر جانے کے بجائے اپنے ملک کی خدمت کریں گے اور چراغ سے جب چراغ جلے گا تو چار سو علم کی روشنی پھیل جائے گی۔

۳۔ **دفاعی مسائل:** اسلامی ممالک اپنا دفاع خود کرنے کی صلاحیت سے محروم ہیں، اس کے لیے انہیں غیر مسلم اقوام پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ دفاع میں کمزور ہونے کی وجوہ مذکورہ بالا مسائل ہیں۔ یعنی بہت سے چھوٹے چھوٹے اور کمزور ملک ہیں یہ اپنا دفاع کیونکر کر سکتے ہیں جبکہ ارد گرد بڑی بڑی طاقتیں موجود ہیں؟ پھر آج دفاع کے لیے جو ساز و سامان اور اسلحہ درکار ہے اسلامی ممالک خود نہیں بناتے بلکہ غیر مسلم اقوام سے درآمد کرتے ہیں یعنی بالکل ان کے رحم و کرم پر ہیں۔ اسلحہ فروخت کرنے والے ملک اسلحہ کے عوض مہنگے دام ہی وصول نہیں کرتے بلکہ دیگر ناجائز سیاسی و معاشی فائدے بھی اٹھاتے ہیں کیوں کہ وہ بلیک میل کرنے کی پوزیشن میں ہیں۔

دفاعی مسائل کا حل بھی تبھی ممکن ہے کہ پہلے دو مسائل حل ہوں، اس کا حل ان کے حل سے مشروط ہے۔ جب تک پہلے دو مسائل حل نہ ہوں گے دفاعی مسائل بھی حل نہ ہوں گے۔

اخلاقی مسائل: اسلامی ممالک کے عوام و خواص، بالعموم، اونچے کردار سے محروم ہیں۔ ان میں کردار کا بحران ہے۔ آخرت پر ایمان رکھنے والے (یا اس کا دعویٰ کرنے والے) چھوٹے چھوٹے دنیوی مفادات کے لیے اپنے قومی و ملکی مفاد تک کو قربان کر دیتے ہیں۔ ان میں محنت کی عادت کم ہے اور کرپشن کی طرف رجحان زیادہ ہے۔ انہیں نہ آخرت کی پرواہ ہے اور نہ ہی اپنی اور اپنے ملک و قوم کی عزت و وقار کا لحاظ ہے۔ سخت مادہ پرست ہو گئے ہیں۔ امانت و دیانت داری، صدق و وفا کے اوصاف مسلمانوں میں بہت کم ملتے ہیں۔ ان اوصاف میں غیر مسلم ان سے کہیں بہتر ہیں۔

درحقیقت عالم اسلام کا سب سے بڑا مسئلہ کردار کا بحران ہے، یہاں بڑے چھوٹے کسی کا اونچا کردار نہیں ہے، اِلّا ماشاء اللہ۔ یہ بہت ہی سنگین مسئلہ ہے۔ تمام مسائل کی جڑ ہے۔

Marfat.com

اس کا حل اس طرح ممکن ہے کہ مشیتِ الٰہی سے ہر مسلم معاشرے میں بعض ایسے متقی اور پارسا لوگ پیدا ہو جائیں جو دنیا کی حرص و طمع نہ رکھتے ہوں، مادہ پرست نہ ہوں، دنیا دار نہ ہوں، جنہیں دنیوی مال و متاع سے کوئی محبت و رغبت نہ ہو، اعلیٰ سیرت و کردار کے مالک ہوں، ان کے سیرت و کردار کو دیکھ کر لوگ متاثر ہوں۔ یعنی ان کا اپنا قلب و باطن پاک ہو اور وہ لوگوں کا تزکیہ کریں۔ بے عمل، دنیا پرست علماء و واعظین کے بلیے بلیے خطبے اور شعلہ بیانی والی تقریریں (مسجدوں، جلسہ گاہوں، ریڈیو اور ٹیلی ویژن وغیرہ پر) تو اب تک بے اثر ثابت ہوئی ہیں۔ اسلامی لٹریچر بھی بہت چھپ چکا اور چھپ رہا ہے اس کا بھی کوئی فائدہ سامنے نہیں آ رہا۔ اس بارے میں ہمیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسوۂ حسنہ سے ہی راہنمائی لینی چاہیئے۔ آپؐ کی دعوت اور وعظ و نصیحت میں بے حد اثر تھا، کیوں؟ اس لیے کہ آپؐ خود اخلاق کے اعلیٰ ترین مرتبے پر تھے، انتہائی فقر و زھد کی زندگی بسر فرماتے تھے، اور بات مختصر فرماتے تھے۔ آپؐ کا ارشاد ہے:

"ہر امت کے لیے کوئی نہ کوئی چیز آزمائش (فتنہ) رہی ہے اور میری اُمت کی آزمائش مال ہے۔"[1] ایک اور حدیث میں آپؐ کا فرمان ہے:

"اللہ کی قسم! مجھے تمہاری غربت، فقر و فاقہ کا اتنا ڈر نہیں جتنا اس بات سے ڈرتا ہوں کہ دنیا تمہارے لیے بھی اتنی پھیلا دی جائے جتنی تم سے پہلوں کے لیے وسیع کر دی گئی اور تم بھی دنیا میں اس طرح نہ پھنس جاؤ جیسے وہ پھنس گئے تھے اور پھر انہیں کی طرح تم بھی ہلاکت میں نہ پڑ جاؤ۔"[2]

واقعی مال مسلمانوں کی کمزوری بن گیا ہے، اس کے مقابلے میں وہ اپنے دین، ایمان، آخرت، ذاتی وقار اور ملکی و قومی مفاد اور وقار کسی چیز کی پروا نہیں کرتے۔ انہیں اس دلدل سے نکالنے کی ضرورت ہے جس میں وہ دھنستے چلے جا رہے ہیں۔

ملتِ اسلامیہ کی وحدت

مفہوم: ملتِ اسلامیہ سے مراد ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والوں اور آپؐ کی پیروی کرنے والوں کی جماعت، یعنی اُمتِ محمدیہ یا اُمتِ مسلمہ۔ ہر مسلمان، خواہ وہ کسی جگہ مقیم ہو، ملتِ اسلامیہ کا رکن ہے۔ دنیا بھر کے مسلمان ایک برادری ہیں۔

---

[1]: ریاض الصالحین، بحوالہ ترمذی [2]: ایضاً، بحوالہ بخاری و مسلم۔

Marfat.com

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ (الحجرات، ۴۹: ۱۰) "یقیناً سب اہلِ ایمان بھائی بھائی ہیں۔ ملتِ اسلامیہ کی وحدت سے مراد ہے کہ دنیا بھر کے مسلمان ایک قوم ہیں اور انہیں ایک قوم بن کے رہنا چاہیے۔ یعنی وہ سب متحد ہو کر رہیں، ایک دوسرے سے بھائیوں کی طرح مل جل کر رہیں، .... اور غیر کے مقابلے میں ایک ہو کر اپنا دفاع کریں۔

اہمیت: اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں کو بھائی بھائی قرار دیا ہے اور دین سے متحد ہو کر وابستہ رہنے کا حکم فرمایا ہے، نیز گروہ بندی سے ممانعت کی ہے، مثلاً ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا (آلِ عمران، ۱۰۳)

ترجمہ: "اور سب وابستہ ہو جاؤ اللہ کی رسّی سے اور الگ الگ نہ ہو۔"

اتحاد میں طاقت ہے اور افتراق و انتشار کمزور کرتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپس میں جھگڑنے سے منع فرمایا ہے۔

وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ (الانفال، ۸: ۴۶)

ترجمہ: اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ تم کمزور ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔"

تمام غیر مسلم مسلمانوں کے مقابلہ میں ایک ہیں (اَلْكُفْرُ مِلَّةٌ وَّاحِدَةٌ)، اس لیے مسلمانوں پر بھی لازم ہے کہ وہ ایک ملت بن کے رہیں ورنہ غیر مسلم ان کی نااتفاقی سے فائدہ اٹھائیں گے۔

تقاضے: (الف) انفرادی سطح کے تقاضے۔ وحدتِ ملی کا تقاضا ہے کہ:

۱۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمانوں سے خلوص رکھے، نیت میں اور اعمال میں بھی۔

۲۔ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ اپنے ہر مسلمان بھائی کی جان، مال اور آبرو کا احترام کرے۔

۳۔ ایثار سے کام لینا چاہیے، یعنی اپنی ذات پر دوسرے مسلمان کو ترجیح دینی چاہیے۔

۴۔ مسلمانوں کی مکمل خیر خواہی اور اعانت کرنی چاہیے۔

۵۔ اپنے مسلمان بھائیوں کے جذبات اور احساسات کی پاسداری کرنی چاہیے۔

۶۔ دینی رشتہ دوسرے ہر تعلق، وابستگی اور رشتہ پر غالب ہو۔

۷۔ ہر حال میں جماعت سے وابستہ رہنا چاہیے۔

(ب) اجتماعی سطح کے تقاضے

۱۔ مسلمان صرف مسلمانوں کو اپنا قلبی رفیق بنائیں، کفار و مشرکین کو اپنا دلی دوست نہ بنائیں۔

Marfat.com

۲۔ سب مسلمان نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کریں۔
۳۔ ایک دوسرے سے جھگڑا یا جنگ نہ کریں۔
۴۔ ہر شعبے میں عدل اجتماعی قائم کریں۔
۵۔ باہمی اختلاف کی صورت میں قرآن و سنت کی طرف رجوع کریں۔
۶۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے رہیں۔

نوٹ: تقاضوں کے ضمن میں جو باتیں لکھی گئی ہیں۔ ان سب کا تفصیلی ذکر سابقہ سبقوں میں ہو چکا ہے۔ لہٰذا تفصیلی معلومات کے لیے ان کی طرف رجوع کیا جائے۔

بیسویں صدی میں اِحیائے اسلام کی کوششیں

اِحیائے اسلام کا مفہوم: اِحیاء کا معنی ہے زندہ کرنا، زندگی بخشنا۔ اِحیائے اسلام سے مراد ہے:

۱۔ مسلمانوں کو ان اسلامی احکام و تعلیمات کی یاد دہانی کرانا، تاکہ وہ ان پر عمل کریں، جن پر عمل کرنا چھوڑ چکے ہیں یا جن کو وہ بھلا چکے ہیں۔
۲۔ مسلمانوں میں اگر خلافِ اسلام عقائد و افکار اور رسوم و عبادات رواج پا گئی ہوں تو ان کے خاتمے کے لیے جدوجہد کرنا۔
۳۔ افتراق و انتشار کا شکار مسلمانوں کو اسلام کے جھنڈے کے نیچے جمع کر کے ایک متحد ملت بنانا تاکہ وہ دنیا میں عزت و وقار کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں اور دنیا میں بھلائی کے فروغ میں مؤثر کردار ادا کریں۔

بیسویں صدی عیسوی میں مذکورہ بالا تینوں مقاصد کے لیے عالمِ اسلام کے مختلف حصوں میں قابلِ قدر کوششیں ہوئی ہیں بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ یہ صدی پورے عالمِ اسلام میں مختلف نوع کی زبردست تحریکوں کی صدی ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ یہاں ان مختلف کوششوں کا نہایت اختصار کے ساتھ ذکر کیا جائے گا۔

۱۔ سیاسی آزادی کے لیے تحریکیں: انیسویں صدی اور بیسویں صدی کا پہلا نصف مسلم ممالک کی آزادی سلب ہونے کا دور ہے۔ مسلمان بوجوہ علوم و فنون میں پیچھے رہ گئے، یورپ نے اس زمانے میں سائنس، ٹیکنالوجی اور صنعت میں بڑی تیز رفتاری سے ترقی کی۔ یورپی ممالک، بالخصوص برطانیہ، فرانس، اٹلی اور ہالینڈ نے اپنی

Marfat.com

سائنسی اور صنعتی ترقی کے بل پر استعمار کا کردار ادا کیا اور بیشتر اسلامی ممالک پر غاصبانہ قبضہ کر لیا۔ مسلمانوں نے جلد ہی اپنی سیاسی آزادی کو دوبارہ حاصل کرنے اور ان استعماری قوموں کو اپنے ملک سے نکال باہر کرنے کے لیے سخت جدوجہد شروع کر دی۔ تقریباً ہر مقبوضہ مسلم ملک کے عوام نے سیاسی آزادی کی تحریک چلائی اور بعض ملکوں میں انہوں نے تحریک کے دوران بہت زیادہ جانی و مالی قربانیاں دیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ان کی کوششیں بارآور ہوئیں اور بیسویں صدی میں کوئی چالیس کے قریب مسلم ممالک آزاد ہوئے اور اب اشتراکی روس کی پانچ مسلمان ریاستیں بھی آزاد ہو گئی ہیں۔ جن مسلم ممالک نے بیسوی صدی میں سیاسی آزادی حاصل کی ان کے نام اور سالِ آزادی درج ذیل ہیں۔

۱۔ پاکستان (۱۹۴۷ء) ۲۔ ترکی (۱۹۲۳ء) ۳۔ عراق (۱۹۳۲ء) ۴۔ شام (۱۹۴۱ء) ۵۔ لبنان (۱۹۴۱ء) ۶۔ کویت (۱۹۶۱ء) ۷۔ اردن (۱۹۴۶ء) ۸۔ جنوبی یمن (۱۹۶۷ء) ۹۔ قطر (۱۹۷۱ء) ۱۰۔ بحرین (۱۹۷۱ء) ۱۱۔ متحدہ عرب امارات (۱۹۷۱ء) ۱۲۔ انڈونیشیا (۱۹۴۹ء) ۱۳۔ ملائشیا (۱۹۵۷ء) ۱۴۔ تیونس (۱۹۵۶ء) ۱۵۔ مصر (۱۹۲۲ء) ۱۶۔ سوڈان (۱۹۵۶ء) ۱۷۔ لیبیا (۱۹۵۱ء) ۱۸۔ الجزائر (۱۹۶۲ء) ۱۹۔ ماریطانیہ (۱۹۶۰ء) ۲۰۔ نائیجر (۱۹۶۰) ۲۱۔ برونائی (۱۹۸۴ء) ۲۲۔ جزائر مالدیپ (۱۹۶۵ء) ۲۳۔ وسطی افریقہ (۱۹۷۳ء) ۲۴۔ گنی بساؤ (۱۹۷۴ء)۔ ۲۵۔ موزمبیق (۱۹۷۵ء) ۲۶۔ چاڈ (۱۹۶۰ء) ۲۷۔ جبوتی (۱۹۷۷ء)۔ ۲۸۔ آئیوری کوسٹ (۱۹۶۰ء) ۲۹۔ سینیگال (۱۹۶۰ء) ۳۰۔ صومالیہ (۱۹۶۰ء) ۳۱۔ گیمبیا (۱۹۶۵ء) ۳۲۔ کیمرون (۱۹۶۱ء) ۳۳۔ گنی (۱۹۵۱ء) ۳۴۔ روس کی پانچ مسلم ریاستیں (۱۹۹۲ء)

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اب عالمِ اسلام (سوائے مقبوضہ کشمیر، مقبوضہ فلسطین وغیرہ جیسے بعض علاقوں کے) سیاسی طور پر آزاد ہے۔

اتحادِ ملی کے لیے کوششیں: انیسویں صدی میں سید جمال الدین افغانی نے عالمِ اسلام کے سیاسی اتحاد کے لیے کوشش شروع کی تھی۔ عامۃ المسلمین نے ان کی کوشش کو سراہا، لیکن وہ تو مسلمانوں کے سیاسی زوال کا دور تھا، اتحادِ ملی قائم ہونا تو بہت دور کی بات تھی۔ مسلم ممالک تو ایک ایک کر کے اپنی سیاسی آزادی سے محروم ہوتے جا رہے تھے۔ تاہم ان کی کوششیں اپنے اثرات چھوڑ گئیں۔ بیسویں صدی عیسوی میں برصغیر میں مفکرِ پاکستان حضرت علامہ اقبالؒ نے احیائے اسلام اور عالمِ اسلام کے اتحاد کے لیے اپنی شاعری کے ذریعے مسلمانوں میں جوش و ولولہ ابھارنے کی بھرپور کوشش کی۔ ان کی کوشش کے اثرات جاری ہیں۔ عالمِ اسلام بیدار ہو رہا ہے۔ مختلف شعبوں میں مسلم ممالک کے باہمی تعاون کے لیے

Marfat.com

تنظیمیں قائم کی گئیں۔ مثلاً:

۱۔ پاکستان، ایران اور ترکی نے آر سی ڈی بنائی۔
۲۔ بعض عرب ملکوں نے مل کر عرب لیگ کے نام سے ایک تنظیم قائم کی۔
۳۔ مؤتمر عالم اسلامی کے نام سے ایک تنظیم قائم کی گئی ہے۔
۴۔ مسلم ممالک کے سربراہوں کی کانفرنسیں منعقد کی جاتی ہیں (اب تک تین کانفرنسیں ہو چکی ہیں جن میں سے ایک ۱۹۷۴ء میں لاہور میں ہوئی)۔

یہ سب معمولی اور ابتدائی کوششیں ہیں، ابھی ان کے کوئی قابلِ ذکر اثرات سامنے نہیں آئے۔ مسلم ممالک کی یہ تنظیمیں ایران و عراق کی خونریز اور تباہ کن جنگ (جو تقریباً دس سال جاری رہی) کو بند نہ کرا سکیں، عراق اور کویت کے تنازعہ کو حل کرنے میں ناکام رہیں (جس کے نتیجے میں امریکہ نے اپنے اتحادی ممالک کو ساتھ لے کر عراق پر کارپٹ بمباری کی اور خلیج کے عرب ممالک کا خون نچوڑ لیا)۔ علمی و فنی، دفاعی، اقتصادی کسی شعبے میں ابھی تک مسلم ممالک میں کوئی قابلِ ذکر باہمی تعاون دیکھنے میں نہیں آیا۔ اس کی بڑی وجہ مسلم ممالک کے سیاسی مسائل ہیں (جن کا ذکر عالمِ اسلام کے مسائل کے ضمن میں کیا جا چکا ہے)۔

ہمارا مستقبل

عالم اسلام نے خاصا عرصہ سیاسی محکومی میں گزارنے کے بعد سیاسی آزادی حاصل کی ہے۔ اس میں بیداری آرہی ہے امید ہے کہ انشاء اللہ مستقبل میں مسلم ممالک میں مستحکم سیاسی نظام (جو بیعت اور شوریٰ کے اصولوں پر قائم ہو) قائم ہو جائے گا، عوام کو سیاست میں دخل مل جائے گا، ان کی تخلیقی صلاحیتیں اجاگر ہوں گی اور احیائے اسلام کے لیے ان کے خوابوں کی عملی تعبیر مل جائے گی۔ یقین ہے انشاء اللہ تعالیٰ ملت اسلامیہ بفضلہ تعالیٰ علوم و فنون کے میدان میں سخت محنت کے ذریعے ترقی کر کے دفاع میں خود کفیل ہو جائے گی، صنعتی میدان میں ترقی کر کے معاشی خوشحالی کی منزل کو پالے گی۔ انشاء اللہ بعض مردانِ حق پیدا ہوں گے جو اپنے اونچے کردار کے ذریعے مسلمانوں کے تزکیہ کا اہم اور اشد ضروری کام کریں گے اور پھر مسلمان اسلام کے خلاق فاضلہ کو اپنا کر، متحد ہو کر دنیا میں بھلائی کے فروغ کے لیے اپنا کردار ادا کریں گے۔ احیائے اسلام سے مقصود یہ ہونا چاہیے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کر کے دنیا کے سامنے اتنا اعلیٰ کردار پیش کریں کہ لوگ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں، نیز یہ کہ اس قابل ہو جائیں کہ دنیا میں بھلائی کے فروغ کے لیے جدوجہد کر سکیں۔ دنیا کو فتح کرنا مقصود نہیں ہونا چاہیے نہ یہ خواہش ہو کہ ہم دوسروں کو اپنا محکوم اور غلام بنالیں۔ مسلمان خیر اور امن و سلامتی کے علمبردار ہیں۔

Marfat.com

بیس۲۰ منتخب احادیث

برائے

پنجاب یونیورسٹی ۔ زرعی یونیورسٹی ۔ انجینئرنگ یونیورسٹی

Marfat.com

۱ اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے

وَعَنْ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ:

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِامْرِئٍ مَا نَوٰى

یقیناً اعمال ساتھ نیتیں اور یقیناً لیے مرد جو نیت کی اس نے

یقیناً اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور ہر مرد کے لیے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی

فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ فَهِجْرَتُهُ

تو جو ہوئی ہجرت اس (کی) طرف اللہ اور رسول اس (کا) تو ہجرت اس (کی)

تو جس کی ہجرت (کی نیت) اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہوئی تو اس کی ہجرت

Marfat.com

إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ إِلَى دُنْيَا

طرف اللہ اور رسولؐ اس کا اور جو ہوئی ہجرت اس (کی) طرف دُنیا

اللہ اور اُس کے رسولؐ کی طرف (مقبول) ہے اور جس کی ہجرت دُنیا کی طرف ہُوئی (کہ)

يُصِيْبُهَا أَوِ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا

وُہ پاتا ہے اسے یا عورت وہ شادی کرتا ہے اس (سے)

اسے حاصل کرے یا کسی عورت کی طرف ہوئی کہ اس سے شادی کرے

فَهِجْرَتُهٗ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ

تو ہجرت اس (کی) طرف جو ہجرت کی اس نے طرف اس (کے)

تو اس کی ہجرت اس کی طرف ہے (یعنی سمجھی جائے گی) جس کی طرف اس نے ہجرت کی

مشکل الفاظ کے معانی

اِنَّمَا : تاکید و تحقیق کا معنی دیتا ہے
اَلْاَعْمَالُ : جمع ہے عمل کی
اَلنِّيَّاتُ : جمع ہے نِیَّۃ کی دل کا ارادہ

نَوٰی : اس نے نیت کی دل سے ارادہ کیا
يُصِيْبُ : پاتا ہے۔ حاصل کرتا ہے۔
يَتَزَوَّجُ : شادی کرتا ہے۔

تشریح

اس حدیث مبارک میں رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دینِ اسلام کا ایک نہایت ہی اہم اصول بیان فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔ یعنی کسی عمل کے کرتے وقت جیسی نیت کی ہوگی اس عمل کے اچھے یا بُرے ہونے کا مدار اسی پر ہوگا۔ اگر اچھی نیت سے اچھا عمل کیا تو وہ اچھا سمجھا جائے گا ، ہے اور اگر بُری نیت سے اچھا عمل کیا تو وہ اچھا نہیں سمجھا جائے گا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی وضاحت بھی ایک مثال سے فرمادی ہے۔ اپنے وطن کو چھوڑ کر کسی دوسرے علاقے میں ہجرت کر جانا بہت تکلیف دہ کام ہے اور بڑی قربانی ہے۔ اگر کوئی شخص اللہ اور اس کے رسولؐ کی رضا کی خاطر ہجرت کرتا ہے۔

Marfat.com

تو یہ ہجرت اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سمجھی جائے گی یعنی اس کا اجر و ثواب ملے گا اور اگر بظاہر تو ہجرت اللہ اور اس کے رسولؐ کے لیے کی لیکن دل میں نیت تھی کہ دارالہجرت میں وہ یہ دنیوی فائدہ حاصل کریگا یا وہاں جا کر فلاں عورت سے شادی کرے گا تو یہ ہجرت اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف نہیں متصوّر ہو گی۔ اسے صرف وہی فائدہ حاصل ہوگا (اگر ہو سکا) جس کے لیے ہجرت کی، اس کے علاوہ اور کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔

اس حدیث سے درج ذیل اہم نکات اخذ ہوتے ہیں۔

۱۔ انسان کو اس کے اعمال کی جزا یا سزا اس کی نیتوں کے لحاظ سے ملے گی، اعمال کی ظاہری صورت کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

۲۔ انسان کے بس میں صرف ارادہ کرنا ہے، عمل کے انجام پر اس کا اختیار نہیں اس کا مواخذہ اس کی قدرت و استطاعت کے مطابق ہی ہونا چاہیئے۔ ایک آدمی نیک نیتی کے ساتھ ایک کام کرتا ہے مگر اس کا انجام بُرا ہوتا ہے، مثلاً اس کے نہ چاہتے ہوئے بھی کسی دوسرے شخص کو نقصان پہنچ جاتا ہے تو اس کی اسے سزا نہ ملے گی۔ مثلاً ایک شخص مسجد کے باہر ایک طرف ایک کھونٹا گاڑتا ہے اس نیت کے ساتھ کہ کوئی جانور پر سوار شخص مسجد میں نماز پڑھنا چاہے تو وہ جانور کو اس کھونٹے سے باندھ کر مسجد میں نماز پڑھ لے۔ لیکن اسی کھونٹے سے ٹھوکر لگنے سے کسی نمازی کو چوٹ آجاتی ہے تو کھونٹا گاڑنے والے کو اس کا ذمے دار ٹھہرا کر سزا نہ دی جائے گی۔

۳۔ نیت کا تعلق دل سے ہے اور دل کا حال صرف اللہ کو معلوم ہے، لوگ تو اس سے واقف نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا لوگ (تعلق والے نیز قانون سے متعلق ادارے اور ایجنسیاں) تو عمل کے ظاہر کے مطابق فیصلہ کریں گے۔ پس اعمال کے اچھے بُرے ہونے کے لیے نیتوں کے لحاظ کا معاملہ اللہ کے ہاں (عنداللہ) ہے۔ کوئی شخص بُرا عمل کر کے یہ دعویٰ کرے کہ میری نیت تو نیکی کی تھی تو قانون اس کے دعویٰ کو تسلیم نہ کرے گا۔

۴۔ اس اصول کے پیش نظر کوئی مسلمان کسی بدی کی نیت بھی نہیں کرے گا، اسے معلوم ہے کہ اللہ دلوں کے بھید جانتا ہے، اگر اس کی بدنیت لوگوں سے پوشیدہ بھی رہ سکی تو کیا حاصل کیونکہ اللہ تو اس سے باخبر ہے وہ اللہ کو تو

Marfat.com

دھوکا نہیں دے سکتا۔ لہٰذا وہ بُرے عمل کا ارادہ نہیں کرے گا۔

۵۔ اس حدیث سے یہ تعلیم ملتی ہے کہ ہر کام اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی خوشنودی کی نیت سے کرنا چاہیئے، دُنیا کا فائدہ بھی حاصل ہو جائے گا اور اجر و ثواب بھی ملے گا، یعنی ہم خرما و ہم ثواب۔

اصل چیز دل کی کیفیت ہے، دل میں نیکی، اللہ کے لیے اخلاص اور تقویٰ ہے تو نیک اعمال کا اجر ملے گا اور اگر دل میں دنیوی اغراض ہیں تو اس سے صرف دنیوی اغراض ہی پوری ہوں گی۔ آخرت میں اس کا کچھ اجر نہ ملے گا۔ ارشادِ ربانی ہے۔

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ط (الحج ۲۲ : ۳۷)

ترجمہ: "نہ ان (قربانی کے جانوروں) کے گوشت اللہ کو پہنچتے ہیں اور نہ ان کے خون بلکہ اسے تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے اخلاص کے ساتھ اس کی عبادت کرنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (البیّنۃ ۹۸:۵)

ترجمہ "اور اُن کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں اس کے لیے دین کو خالص کر کے۔"

۲ بہترین عمل

وَعَنْ اَبِىْ ذَرٍّ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ:

اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے:

Marfat.com

اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ اَلْحُبُّ فِی اللّٰہِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰہِ

بہترین اعمال چاہنا بابت اللہ اور نفرت کرنا بابت اللہ

بہترین عمل اللہ کی خاطر محبت کرنا اور اللہ کی خاطر نفرت کرنا ہے

مشکل الفاظ کے معانی

اَفْضَل : سب سے اچھا — اَلْحُبّ : چاہنا ۔ پسند کرنا

اَلاعمال : جمع ہے عمل کی — اَلْبُغْض : ناپسند کرنا ۔ نفرت کرنا ۔

تشریح

اس حدیث مبارکہ میں رسول اکرمؐ نے اللہ کی خاطر محبت اور اللہ کی خاطر نفرت کو بہترین عمل بتایا ہے یعنی اپنے کسی مفاد کے لیے کسی سے محبت یا نفرت نہ ہو۔ اپنی ذات کے لیے نہ وہ کسی سے محبت کرے اور نہ نفرت' بلکہ کسی سے محبت اس لیے کرے کہ وہ اللہ کو پسند ہے اور نفرت اس لیے کرے کہ وہ اللہ کو ناپسند ہے۔ محبت یا نفرت کسی چیز، کسی شخص یا کسی کام سے ہوتی ہے، پس ایسا شخص صرف اسی چیز کو پسند کرے گا جو اللہ کو پسند ہے، اور جو چیزیں اللہ کو ناپسند ہیں' ان سے وہ بھی نفرت کرے گا۔ وہ کسی شخص سے صرف اس لیے محبت کرے گا کہ اس سے محبت کرنا اللہ کو پسند ہے اور اگر کسی سے نفرت کرے گا تو اس لیے کہ وہ اللہ کو ناپسند ہیں اسی طرح اسے صرف ان کاموں سے رغبت ہوگی جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہیں اور ان کاموں سے وہ دور بھاگے گا جو اللہ کو ناپسند ہیں۔

اپنی خواہش کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے تابع کر دینا بہت اونچی بات ہے' اس سے انسان کی سیرت و کردار بہت بلند مرتبہ ہو جاتے ہیں۔ اسلام اپنے پیروکاروں سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنی خواہش کو اللہ کی مرضی (اللہ کی ہدایت یا اللہ کے دین) کے تابع کریں' اور جو ایسا نہیں کرتا وہ نہایت بھٹکا ہوا شخص ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ (القصص ۲۸:۵۰)

ترجمہ: اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہے جس نے اللہ کی ہدایت کے بغیر اپنی خواہش کی پیروی کی۔"

Marfat.com

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے :

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ

ترجمہ: تم میں سے کوئی شخص (کامل) مؤمن نہیں ہو سکتا، جب تک کہ اس کی خواہش میرے لائے ہوئے دین کے تابع نہ ہو جائے۔"

اہلِ ایمان کو اس امر کا شعور و احساس ہوتا ہے کہ ان پر اللہ کے بہت سے احسانات ہیں اور ان گنت نعمتوں سے اللہ نے انہیں نواز رکھا ہے اس لیے وہ اللہ سے بے پناہ محبت رکھتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرہ: ۱۶۵)

ترجمہ: "اور جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ سے سب سے زیادہ محبت رکھتے ہیں۔"

اور محبت کرنے والے کی خواہش اپنے محبوب کی مرضی کے تابع ہوتی ہے اور اللہ سے محبت کرنے اور اپنی خواہش کو اس کی مرضی کے تابع کرنے کا طریقہ یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی جائے، جیسا کہ قرآنِ حکیم میں فرمانِ الٰہی ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران ۳۱:۳)

(اے میرے پیارے نبیؐ) فرما دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو پھر میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا۔"

اللہ کی خاطر محبت اور اللہ کی خاطر نفرت کرنے سے بہت سے فوائد و ثمرات حاصل ہوتے ہیں، مثلاً:

۱۔ انسان حیوانی سطح سے بلند ہو کر اونچے انسانی مقام پر فائز ہو جاتا ہے۔
۲۔ ہر اچھے کام سے رغبت اور بُرے کام سے نفرت ہو جاتی ہے۔
۳۔ بلند اخلاق ہو جاتا ہے۔
۴۔ پریشانی، اضطراب، خوف اور غم سے محفوظ رہتا ہے۔ اسے دل کا سکون اور اطمینانِ قلب حاصل رہتا ہے۔
۵۔ وہ معاشرے کا نہایت ہی مفید فرد ہوتا ہے۔ دوسروں کے کام آتا ہے، ہر نیک کام میں تعاون کرتا ہے۔

Marfat.com

۳ مسلم و مؤمن کی تعریف

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ:

اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، انہوں نے کہا:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ

مسلمان جو سلامت رہا مسلمان سے (زبان اس (کی) اور ہاتھ اس کا)

مسلمان وہ ہے جس کی زبان سے اور اس کے ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں

وَالْمُؤْمِنُ مَنْ اَمِنَهُ النَّاسُ عَلٰى دِمَائِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ

اور مؤمن جو مامون ہوئے اس (سے) لوگ پر خون ان (کے) اور مال ان (کے)

اور مومن وہ ہے کہ جس سے لوگوں کے خون اور اموال مامون رہیں

الفاظ کی تشریح

اَلْمُسْلِمُ: اسلام لانے والا۔ اطاعت گزار۔ اس کی اصل 'سلم' ہے، جس کا معنی ہے سلامتی، صلح، اس لحاظ سے مُسْلِم کا معنی ہے، سلامتی اور صلح میں داخل ہونیوالا۔

سَلِمَ: سلامت رہا، محفوظ رہا۔ بچا۔

اَلْمُؤْمِنُ: ایمان لانے والا۔ اس کی اصل 'امن' ہے۔ اس لحاظ سے المؤمن کا معنی ہوا، امن میں داخل ہونے والا۔

تشریح

اس حدیث مبارک میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے المسلم اور المؤمن کی

Marfat.com

تعریف ان دونوں کی لفظی ہیئت اور ان کے اصل لغوی معانی کی مناسبت سے نہایت خوبصورت طریقے سے بیان فرمائی ہے۔ المسلم کی اصل ہے، اَلسِّلْمُ صلح، سلامتی، آپؐ نے فرمایا: مسلم وہ ہے کہ جس کی زبان اور جس کے ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔ المؤمن کی اصل "امن" ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ مؤمن وہ ہے کہ جس سے لوگوں کے خون اور اموال محفوظ رہیں۔

اس کی زبان اور ہاتھ سے محفوظ رہنے سے مراد یہ ہے کہ وہ:

۱۔ کسی کو گالی نہ دے۔
۲۔ کسی کو طعنہ نہ دے۔
۳۔ غیبت نہ کرے
۴۔ بُرے نام سے نہ پکارے
۵۔ اس کا مذاق نہ اڑائے
۶۔ جھوٹی گواہی نہ دے۔

غرض زبان سے کوئی ایسی بات نہ کہے جس سے کسی مسلمان کو دکھ یا نقصان پہنچتا ہو اسلام نے ان تمام باتوں سے منع کیا ہے (دیکھیے مثلاً سورہ الحجرات، آیات ۱۱ تا ۱۲، اور ان کی توضیح، نیز دیکھیے سورہ ہمزہ) حضور اکرمؐ کا فرمان ہے: "مؤمن بہت طعن کرنے والا نہیں ہوتا، نہ بہت بددعا دینے والا ہوتا ہے اور نہ ہی فحش گو اور گندہ زبان ہوتا ہے (دیکھیے حدیث نمبر ۱۹)

ہاتھ سے محفوظ رہنے کا مطلب ہے کہ وہ اپنی جسمانی طاقت کو کسی کے خلاف استعمال نہ کرے، کسی پر ہاتھ نہ اُٹھائے، مار پیٹ نہ کرے، لڑائی نہ کرے، ضرب نہ لگائے، کسی آلے کی مدد سے حملہ نہ کرے، زخم نہ لگائے، قتل نہ کرے۔ اسلام نے ان سب باتوں سے منع کیا ہے، اور کسی کے کسی عضوِ جسم کو نقصان پہنچانے، زخم لگانے اور قتل کرنے کا قصاص رکھا ہے، یعنی ایسا جرم کرنے والے سے حکومت بدلہ لے گی (دیکھیے المائدہ، ۵: ۴۵) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَّقِتَالُهٗ كُفْرٌ، یعنی مسلمان کو گالی دینا گناہ اور اس کی جان پر حملہ کرنا کفر ہے۔

مؤمن کی تعریف کرتے ہوئے حضورؐ نے فرمایا کہ مؤمن وہ ہے کہ جس سے لوگوں کے خون اور مال محفوظ ہوں۔ خون کے محفوظ ہونے سے مراد ہے جان کا محفوظ

Marfat.com

ہونا یعنی وہ اس کی جان پر حملہ نہ کرے، نہ اسے قتل کرے اور نہ اسے زخم لگائے
دوسری بات یہ کہ ناحق کسی کا مال نہ کھائے۔ ناحق مال کھانے کے بہت سے طریقے ہیں، مثلاً سود خوری، رشوت، غصب، چوری، ڈکیتی، فریب دہی (ٹھگی) ملاوٹ، ذخیرہ اندوزی، منافع خوری، حکام سے مل کر ناجائز طور پر اپنے حق میں کسی مال و جائیداد کا فیصلہ کرانا وغیرہ۔ اسلام نے یہ سارے طریقے حرام قرار دیئے ہیں :۔
ارشادِ باری تعالیٰ ہے :۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ
(النساء ۴، ۲۹)

ترجمہ: "اے ایمان والو! تم آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ۔"

خطبۂ حجۃ الوداع میں (جس میں حضورؐ نے اسلام کے تمام اہم احکام و تعلیمات بیان فرمائیں) حضورؐ نے جان و مال کی حرمت کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا :۔
۱۔ "کسی شخص پر اس کے بھائی کا مال حلال نہیں جب تک وہ خود اپنی خوشی سے نہ دے۔"
۲۔ بے شک تمہارا خون، تمہارے اموال اور تمہاری آبرو تمہارے درمیان ایسی ہی حرمت رکھتے ہیں۔
جیسا آج کا دن، اس مہینہ اور اس شہر میں، جلد تم اپنے رب کے حضور پیش ہو گے، تم سے اعمال کی پرسش ہو گی، خبردار! میرے بعد پلٹ کر کفر کے کام نہ کرنا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔"

اسلام کے نزدیک جان کی بے حد حرمت ہے اور اس نے قتل کو بہت ہی گھناؤنا جرم قرار دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :۔

مَنْ قَتَلَ نَفْسًاۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِى الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا (المائدہ ۵، ۳۲)

ترجمہ: "جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی سبب سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے ایک انسان کو زندگی بخشی، گویا اس نے تمام انسانوں کو زندگی بخشی۔"

کسی کی جان پر حملہ اور کسی کا مال ناحق کھانا چونکہ اسلام کے نزدیک بہت ہی قابلِ مذمت اور گھناؤنے جرائم ہیں اور ان کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا صحیح معنی

Marfat.com

ہیں ایک مسلم اور مؤمن شخص ان جرائم کا ارتکاب نہیں کرسکتا ۔

۴ عہد و امانت کی اہمیت

وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :

اور روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے کہا :

فَلَّمَا خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

کم ہی خطاب کیا ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ہم سے کم ہی خطاب فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

إِلَّا قَالَ لَا إِيْمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ

سوائے کہا نہیں کوئی ایمان لئے جو نہیں کوئی امانت لیے اس (کے)

مگر آپؐ نے فرمایا، اس کا کوئی ایمان نہیں جس میں کوئی امانت نہیں

وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ

اور نہیں کوئی دین لیے جو نہیں کوئی عہد لیے اس (کے)

اور اس کا کوئی دین نہیں جس کا کوئی عہد نہیں ،

الفاظ کی تشریح

فَلَّمَا : کم ہی ۔ شاذ ہی (= قَلَّ + مَا)

خَطَبَ : خطبہ دیا، لیکچر دیا، تقریر کی ۔

لَا إِيْمَانَ : کوئی ایمان نہیں، اس میں اور لَا أَمَانَةَ، لَا دِيْنَ ، لَا عَهْدَ سب میں لَا پوری جنس کی نفی کے لیے ہے ؛

کوئی ایمان نہیں، کوئی امانت نہیں، کوئی دین نہیں، کوئی عہد نہیں ؛

Marfat.com

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ (المؤمنون ۲۳:۸)

ترجمہ: "اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی پاسداری کرنے والے ہیں۔"

ہمارے پیارے نبیؐ تو شروع سے ہی صادق و امین کے القاب سے مشہور تھے۔ اعلانِ نبوت کے بعد مشرکینِ مکہ نے آپؐ کی شدید مخالفت شروع کر رکھی تھی لیکن اپنی امانتیں پھر بھی حضورؐ کے پاس ہی رکھتے تھے۔ چنانچہ جس رات کو آپؐ نے مکہ سے مدینہ کو ہجرت فرمائی، اس وقت بھی آپؐ کے پاس ان کی امانتیں موجود تھیں کفارِ مکہ آپؐ کے اور اہلِ ایمان کے سخت دشمن بنے ہوئے تھے۔ جان کے دشمن تھے، انہوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے والے صحابہ کرامؓ کو اپنے ساتھ اپنے اموال میں سے کوئی چیز ساتھ نہ لے جانے دی لیکن رسولِ امین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور اپنے صحابہ عظامؓ کے ان بدترین دشمنوں کی امانتوں کی اس قدر پاسداری فرمائی کہ ہجرتِ مدینہ کی رات حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مکہ میں ان ہدایات کے ساتھ چھوڑ گئے "کہ کل امانتیں ان کے مالکوں کو لوٹا کر مدینے چلے آنا" چنانچہ حضرت علیؓ نے اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر رات مکہ میں بسر کی اور اگلے روز امانتیں ان کے مالکوں کو واپس کر کے مدینہ کو ہجرت فرمائی۔

۲۔ مال، اولاد، اپنی صلاحیتیں، عہدہ و منصب، اختیاراتِ منصبی، اپنا جسم، اپنی جان یہ سب انسان کے پاس امانت ہیں، اگر ان کا صحیح استعمال نہ کیا جائے تو امانت میں خیانت ہوگی۔

۳۔ انسان کے پاس سب سے بڑی امانت ہدایتِ ربانی کے مطابق اپنے دل میں ایمان کی پرورش کرنے اور اسے مضبوط و مستحکم بنانے کی ہے۔ جس کے لیے اسے اپنی خواہشاتِ نفسانی کے تیز رفتار گھوڑے کو احکامِ ربانی کی لگام سے کنٹرول کرنا پڑتا ہے۔ یہی خلافت کا منصب ہے۔ یہ وہ بھاری امانت ہے کہ جسے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں تک کسی نے قبول نہ کیا تھا اور سب اس کے خوف سے لرزاں تھے۔ مگر انسان نے اس بارِ گراں کو اٹھا لیا تھا[1]۔ اس امانت کی پاسداری کا تقاضا ہے کہ انسان اپنے جسم کو مضبوط و توانا بنانے اور اسے سنوارنے میں ہی نہ لگا رہے۔ بلکہ اپنی روح کی تربیت و تقویت کا سامان بھی کرے۔ اگر مقامِ انسانیت کی ذمہ داریوں کو قبول کیا ہے تو پھر حیوانیت سے بلند ہو کر روحانی پاکیزگی کو بھی حاصل کرے۔

---

[1] دیکھیے سورہ احزاب ۳۳:۷۲

Marfat.com

تشریح

اس حدیث شریف میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کو امانت سے اور دین کو عہد سے مشروط قرار دیا ہے، جس قدر امانت ہوگی، اسی قدر ایمان ہوگا اور اگر امانت بالکل ہی نہیں ہے تو ایمان بھی بالکل ہی نہیں ہے۔ اسی طرح جس حد تک عہد کی پاسداری ہے اتنا ہی دین ہے اور اگر عہد کی بالکل پاسداری نہیں تو کوئی دین نہیں ہے۔ بلاشبہ ان دو باتوں کی فرد اور قوم دونوں کی زندگی کے ہر شعبے میں بے حد اہمیت ہے۔ افراد ہوں یا اقوام دونوں کے تمام معاملات باہمی اعتماد کی بنیاد پر طے پاتے ہیں اور تمام باہمی تعلقات اعتماد کی بنیاد پر ہی استوار ہوتے ہیں۔ ان دو چیزوں کے بغیر معاشرہ قائم ہی نہیں رہ سکتا، بلکہ اس کے بجائے لوگوں کا بے ہنگم ہجوم باقی رہ جائے گا اور جنگل کا سا سماں ہوگا۔ ذیل میں ان کی اہمیت کو تفصیل سے بیان کیا جائے گا۔

امانت کی اہمیت

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ اس کا کوئی ایمان نہیں جس کی کوئی امانت نہیں، ایمان اور امانت دونوں کی اصل 'امن' ہے، لہٰذا لغوی طور پر بھی اگر کسی شخص میں ان دونوں میں سے کوئی ایک چیز نہیں ہوگی تو لامحالہ دوسری بھی نہ ہوگی، امانت کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں، مثلاً:-

۱۔ کوئی شخص کسی کے پاس کوئی چیز بطورِ امانت رکھ دیتا ہے اور جب اسے ضرورت پڑتی ہے تو واپس لے لیتا ہے۔ جب وہ واپس مانگے تو امین پر لازم ہے کہ اسے اس کی امانت ہو بہو فوراً لوٹائے۔ جب تک اس کے پاس وہ چیز بطور امانت رہے اس کی خوب حفاظت کرے اور طلب کرنے پر فوراً لوٹائے۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ

(النساء ۴: ۵۸)

ترجمہ: "بے شک اللہ حکم دیتا ہے تمہیں کہ امانتوں کو لوٹا دیا کرو ان کے مالکوں کی طرف"

ایک جگہ دنیا و آخرت میں کامیابی حاصل کرنے والے مومنین کی جو صفات بیان کی گئی ہیں، ان میں ایک یہ ہے کہ:-

Marfat.com

عہد کی اہمیت: آپؐ نے فرمایا کہ جس کا کوئی عہد نہیں اس کا کوئی دین نہیں۔ دین میں احکام و قوانین ہیں، جو دین میں داخل ہوتا ہے وہ عہد کرتا ہے کہ میں ان احکام و قوانین کی پابندی کروں گا۔ اور اگر وہ شخص اپنے کسی عہد کا پاس ہی نہیں کرتا تو اس کا دین میں داخل ہونا اور نہ ہونا برابر ہے، اس کا کوئی دین نہیں ہے۔ قرآن حکیم میں بھی ایفائے عہد کی سخت تاکید کی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ۝

(بنی اسرائیل، ۱۷: ۳۴)

ترجمہ: "اور عہد کو پورا کرو، یقیناً عہد کی بابت بازپرس ہو گی۔"

عہد کی تین بڑی اقسام ممکن ہیں:

۱۔ لوگوں سے عہد: اس میں فرد کا فرد سے، فرد کا قوم سے، قوم کا فرد سے اور قوم کا دوسری قوم یا قوموں سے ہر قسم کا عہد اور عقد شامل ہیں۔ ان سب عہود و عقود کو وفا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

۲۔ اپنے آپ سے عہد: انسان کسی بھی کام وغیرہ کا پختہ ارادہ (عزم) کرتا ہے تو یہ اس کا خود سے وعدہ ہوتا ہے۔ جب انسان عزم کرلے تو پھر اللہ پر بھروسہ رکھتے ہوئے اس کو پورا کرنے کی حتی المقدور کوشش کرے، تذبذب اور تردد میں مبتلا نہ ہو، یہ مومن کی شان کے منافی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ (آل عمران ۳: ۱۵۹)

ترجمہ: "پس جب تو عزم کرلے تو اللہ پر بھروسہ رکھ۔"

۳۔ اللہ تعالیٰ سے عہد: اللہ کا دین قبول کرنا اللہ تعالیٰ سے عہد ہے کہ وہ اس کی طرف سے عائد تمام حدود و قیود، تمام بندشوں اور پابندیوں کا لحاظ کرے گا، کوئی حد شکنی نہیں کرے گا اور کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ کے رسول اکرمؐ کی طرف سے عائد کردہ پابندیاں اور کتاب و سنت کی روشنی میں جاری کیے جانے والے اسلامی حکومت (اولوالامر) کے احکام و قوانین بھی اسی عہد کی ذیل میں آتے ہیں قسم بھی اس میں شامل ہے۔ ان کی پابندی کرنی چاہیے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عَاهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ

Marfat.com

بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ط (النحل ۱۶:۹۱)

ترجمہ: "اور اللہ کے عہد کو پورا کرو جو تم عہد کرو اور نہ توڑو قسموں کو ان کو پختہ کرنے کے بعد، جبکہ تم اللہ کو اپنے اوپر ضامن بنا چکے ہو۔"

۵ توحید و رسالت پر ایمان کی اہمیت

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ:

روایت ہے حضرت عبادہؓ بن صامت سے اُنہوں نے کہا:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ

سُنا میں نے ... فرماتے ہوئے

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا:

مَنْ شَهِدَ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ

جس نے گواہی دی کہ نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے اور (یہ) کہ یقیناً

جس نے شہادت دی کہ کوئی معبود نہیں ہے سوائے اللہ کے اور (یہ) کہ یقیناً

مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ النَّارَ

حرام ٹھہرایا اوپر (اس کے) آگ

محمد اللہ کے رسول ہیں اللہ نے اس پر آگ کو حرام کر دیا۔

الفاظ کی تشریح

شَهِدَ : اس نے گواہی دی، وہ شریک ہوا، شامل کار رہا

حَرَّمَ : حرام کیا۔ حرام ٹھہرایا۔ حرام قرار دیا

اَلنَّار : آگ۔ مراد ہے دوزخ، جہنم

Marfat.com

تشریح مطالب

اس حدیث مبارک میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور آپؐ کی رسالت کی گواہی کو آگ سے نجات کا ذریعہ قرار دیا ہے، یعنی جو شخص توحید اور رسالتِ محمدیؐ کی گواہی دے اس پر اللہ دوزخ کی آگ کو حرام کر دے گا۔ گواہی آنکھوں دیکھی چیز کی دی جاتی ہے۔ توحید و رسالت کی گواہی دینے سے مراد ہے۔ ان دونوں پر بہت پختہ اور مضبوط ایمان۔ دل میں پکا یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ ہی ایک خدا ہے، اس کے سوا کوئی اور خدا اور معبود نہیں ہے وہ وحدہٗ لاشریک ہے، اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں۔ پختہ یقین اور ایمان کے بعد ہی شہادت دی جا سکتی ہے اور جب توحید و رسالتِ محمدیؐ پر پختہ ایمان ہوگا تو لازماً اعمال میں اس کا اظہار بھی ہوگا۔ اور ان پر ایمان کے جو ضروری تقاضے بنتے ہیں ان کو بھی وہ صدقِ دل اور خلوصِ نیت کے ساتھ پورا کرے گا، جو درج ذیل ہیں:

ا: توحید کے تقاضے:

۱۔ اللہ سے محبت ہر محبت پر غالب ہو ۲۔ ہر نیکی اللہ کی رضا کیلئے کی جائے۔ ۳۔ صرف اللہ کی عبادت کرے ۴۔ صرف اللہ کا خوف رکھے ۵۔ صرف اللہ سے مدد مانگے ۶۔ صرف اللہ پر بھروسہ رکھے۔ ۷۔ اللہ تعالیٰ کا شکرگزار رہے۔ ۸۔ ہر طرح کے شرک اور شائبہ شرک سے بچے۔ ۹۔ اللہ ہی کے قانون کی پیروی کرے۔

ب: رسالتِ محمدیؐ پر ایمان کے تقاضے:

۱۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا آخری نبی و رسول مانے۔
۲۔ حضور اکرمؐ کی لائی ہوئی شریعت پر عمل کو واجب مانے۔
۳۔ رسولِ اکرمؐ کی سیرتِ طیبہ کو اسوۂ حسنہ یقین کر کے اس کی پیروی کرے۔
۴۔ رسولِ کریمؐ سے ہر چیز سے بڑھ کر محبت کرے، حتیٰ کہ اپنی اولاد اور اپنے والدین سے بھی بڑھ کر

Marfat.com

توحید و رسالت پر ایمان ہوگا تو نیک اعمال قبول ہونگے:

دینِ اسلام میں توحیدِ باری تعالیٰ اور رسالت محمدی پر ایمان کی بے حد اہمیت ہے۔ اگر ان پہ ایمان ہوگا تو نیک اعمال قبول ہوں گے اور ان پر اجر ملے گا، ورنہ وہ قبول نہ ہوں گے اور ان پر کوئی اجر نہیں ملے گا۔ شرک کی تمام نیکیاں رائیگاں جائیں گی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (الانعام ۶:۸۸)

ترجمہ: اگر ان لوگوں نے شرک کیا ہوتا تو ان کا سب کیا کرایا غارت ہو جاتا۔

توحید و رسالت کی شہادت دینے والے پر اللہ دوزخ کو حرام کر دیتا ہے اس کے برعکس شرک کرنے والے پر جنت حرام کر دیتا ہے۔

اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ (المائدہ، ۵ : ۷۲)

ترجمہ: "جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے گا اس پر اللہ جنت حرام کر دے گا اور اس کا ٹھکانہ آگ (دوزخ) ہے۔"

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں تو ذرا سی گستاخی سے سارے اعمال برباد ہو جاتے ہیں۔ سورہ الحجرات میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

(ترجمہ) "اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبیؐ کی آواز سے اونچا نہ کرو اور آپؐ کے ساتھ اس طرح ترخ ترخ کر بات نہ کرو جیسے تم ایک دوسرے پر تڑخنے ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے سارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں اس کی خبر بھی نہ ہو" (الحجرات، ۴۹ : ۲)

۶ علاماتِ نفاق

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ:

عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے، انہوں نے کہا

Marfat.com

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

اَرْبَعٌ مَنْ کُنَّ فِیْہِ کَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا

چار جو ہوئیں اس میں ہوا وہ منافق خالص

چار (خصلتیں) ہیں کہ جس میں وہ ہوئیں وہ خالص منافق ہوا

وَمَنْ کَانَتْ فِیْہِ خَصْلَۃٌ مِنْھُنَّ

اور جو ہوئی اس میں خصلت من (سے) ھُنَّ (وہ)

اور جس میں ہوئی ایک خصلت ان میں سے

کَانَتْ فِیْہِ خَصْلَۃٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتّٰی یَدَعَھَا

ہوئی اس میں خصلت سے نفاق یہاں تک کہ چھوڑ دے وہ اسے

اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوئی یہاں تک کہ وہ اسے چھوڑ دے

اِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ وَاِذَا حَدَّثَ کَذَبَ

جب امین بنایا گیا خیانت کی اس نے اور جب بات کی اس نے جھوٹ بولا وہ

جب اسے امانت سونپی جائے تو خیانت کرے اور جب بات کرے تو جھوٹ بولے

وَاِذَا عَاھَدَ غَدَرَ وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ

اور جب عہد کیا اس نے عہد شکنی کی اس نے اور جب جھگڑا کیا اس نے پیٹ پڑا وہ

اور جب کسی سے عہد باندھے تو اس کو توڑ دے اور جب جھگڑا کرے تو حد سے نکل جائے

الفاظ کی تشریح

مُنَافِق: نِفَاق (یا منافقت) کرنے والا۔ نِفَاق نکلا ہے نَفَقٌ سے، جس کا معنی ہے پہاڑ یا زمین کے اندر ایسی سرنگ جس کے دو منہ ہوں یعنی

Marfat.com

ایک داخل ہونے کا اور دوسرا باہر نکلنے کا۔ منافق کا معنی ہوا ایک طرف سے داخل ہو کر دوسری طرف سے نکلنے والا۔ شرع میں منافق سے مراد ہے وہ شخص جو ایک دروازے سے دین میں داخل ہو اور دوسرے سے نکل جائے، جو باطن میں کفر چھپائے ہوئے ہو اور ایمان کو ظاہر کرے، یا جو دل میں ایمان تو رکھتا ہو، مگر اس کے اعمال ایمان کے تقاضوں کے منافی ہوں۔ اس طرح منافق کی دو قسمیں ہوئیں :

(۱) اعتقادی منافق (۲) عملی منافق

أُؤْتُمِنَ : امین بنایا گیا۔ اُسے امانت سونپی گئی۔ اِئْتَمَنَ: اس نے امین بنایا، امانت سونپی۔

عَاهَدَ: اس نے کسی کو عہد دیا۔ کسی سے وعدہ کیا۔

غَدَرَ : اس عہد کو توڑا۔ بے وفائی کی۔ وعدہ خلافی کی۔

خَاصَمَ : وہ کسی سے جھگڑا

فَجَرَ : پھٹ پڑا۔ گناہوں میں پڑ گیا۔ حد سے نکل گیا

تشریح مطالب

حق کے بارے تین رویّے اپنائے جاتے ہیں (۱) اسے مان لینا (ایمان) (۲) اسے حق ماننے سے انکار کرنا (کفر) (۳) دل سے تو نہ ماننا، مگر زبان سے ماننے کا دعویٰ کرنا (نفاق) پہلا رویّہ اختیار کرنے والے مؤمنین، دوسرے والے کفار اور تیسرے والے منافقین ہیں پہلے دونوں کی حقیقتِ حال ظاہر ہوتی ہے جبکہ منافقین کی حقیقتِ حال دوسروں سے پوشیدہ ہوتی ہے۔ کیسے معلوم ہو کہ یہ مؤمن نہیں بلکہ منافق ہے؟ اس کے لیے ہادیٔ برحق حضور اکرمؐ نے چار خصلتیں بتائی ہیں کہ اگر یہ چاروں خصلتیں کسی شخص میں یکجا ملیں تو وہ پکا منافق ہے اور اگر ان میں سے ایک موجود ہو تو اس میں نفاق کی ایک خصلت موجود ہے جب تک کہ وہ اسے ترک نہ کر دے، چار خصلتیں یہ ہیں :

۱۔ اسے امانت سونپی جائے تو خیانت کرے۔

۲۔ بات کرے تو جھوٹ بولے

۳۔ کسی سے وعدہ یا معاہدہ کرے تو اسے پورا نہ کرے۔

۴۔ کسی سے جھگڑا کرے تو حد سے نکل جائے۔ یعنی گالی گلوچ پر اُتر آئے۔

کوئی شخص نفاق کیوں کرتا ہے؟ کسی دنیوی نقصان سے بچنے اور دنیوی مفاد پانے کیلئے۔ دنیوی مال و متاع اس کی کمزوری بن جاتے ہیں اور یہ کمزوری اس کی ساری اخلاقی جرأت

Marfat.com

سلب کر لیتی ہے وہ دل سے حق کو مانتا بھی نہیں اور نقصان کے خوف سے اپنی اس حقیقت حال کو ظاہر بھی نہیں کرتا۔ یہی کمزوری اسے حق کو ماننے کا جھوٹا اقرار کرنے پر مجبور کرتی ہے۔

حضور اکرمؐ نے جن چار خصلتوں کا ذکر فرمایا ہے، غور سے دیکھا جائے تو ان کے پیچھے بھی یہی کمزوری ہی کارفرما نظر آئے گی۔[1] امانت میں خیانت ادنیٰ دنیوی مفاد کے لیے کرتا ہے جھوٹ اس لیے بولتا ہے تاکہ سچ بولنے کی صورت میں ممکنہ نقصان سے بچ جائے یا جھوٹ بول کر کوئی دنیوی فائدہ حاصل کر لے۔ عہد شکنی اور وعدہ خلافی کرنے کا محرک بھی دنیوی فائدہ حاصل کرنے اور دنیوی نقصان سے بچنے کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ جھگڑے کی صورت میں گالی گلوچ کرنا اور بات کو بڑھانا اخلاقی گراوٹ کی وجہ سے ہوتا ہے اور یہ اخلاقی گراوٹ اسی دنیا پرستی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ وہ جھگڑا بھی کسی دنیوی مفاد کے لیے ہی کرتا ہے، نہ کہ کسی اعلیٰ اور نیک مقصد کے لیے' اور یہ دنیا پرستی جھگڑے کے وقت اسے ایسا دیوانہ بنا دیتی ہے کہ جو زبان پر آتا ہے بکتا چلا جاتا ہے' اسے ہوش ہی نہیں ہوتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے' مال کا نفع و نقصان اسے پاگل بنا دیتا ہے

اس کے مقابلے میں صاحب ایمان (مومن) دنیا کے مقابلے میں آخرت کو ترجیح دیتا ہے۔ پھر وہ نفع و نقصان کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ کو سمجھتا ہے اور اللہ پر ہی بھروسہ رکھتا ہے۔ اور اگر اسے کوئی دنیوی نقصان ہو جائے تو وہ اس کی پرواہ نہیں کرتا۔ اس لیے وہ امانت میں خیانت کیوں کرے گا؟ جھوٹ کس لیے بولے گا؟ عہد شکنی اور وعدہ خلافی کیونکر کر سکتا ہے؟ اور گالی گلوچ پر تو وہ اتر ہی نہیں سکتا۔

منافق، کافر سے بدتر اور اس کے مقابلے میں زیادہ نقصان دہ ہوتا ہے۔ یہ مار آستین ہوتا ہے اور اس کے دل میں مال و زر کے سوا کسی کے لیے خلوص نہیں ہوتا اس لیے منافقین کی سزا بھی کفار کی سزا سے سخت تر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ (النساء، ۴: ۱۴۵)

ترجمہ: "بے شک منافق دوزخ کے سب سے نیچے کے طبقے میں جائیں گے۔"[2]

قرآن مجید اور حدیث شریف میں صدق، امانت اور ایفائے عہد کی سخت تاکید کی گئی ہے اور جھوٹ بولنے' خیانت کرنے، وعدہ خلافی کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے۔ آپؐ کا یہ بھی فرمان ہے کہ کسی کے ماں باپ کو گالی دینا خود اپنے ماں باپ کو گالی دینا ہے۔

---

[1] ان کی تفصیل کے لیے دیکھیے باب نمبر ۴، اسلام کی اخلاقی اقدار اور اسلامی معاشرے کے بنیادی اوصاف میں متعلقہ عنوانات [2] اس کی تفصیل حدیث نمبر ۱۸ کی تشریح میں دیکھیے

Marfat.com

۷۔ انسان فطرتِ سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ:

اور روایت ہے ابو ہریرہ رض سے انہوں نے کہا:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے:

مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ اِلَّا يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ

نہیں کوئی مولود سوا جنا جاتا ہے وہ پر فطرت

کوئی مولود نہیں مگر یہ کہ وہ پیدا ہوتا ہے فطرت پر

فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْ يُنَصِّرَانِهٖ اَوْ يُمَجِّسَانِهٖ

پھر ماں باپ اُس (کے) یہودی بناتے ہیں اسے نصرانی بناتے ہیں اسے یا مجوسی بناتے ہیں اسے

پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی بنا دیتے ہیں یا اسے نصرانی بنا دیتے ہیں یا اسے مجوسی بنا دیتے ہیں

كَمَا تُنْتَجُ الْبَهِيْمَةُ بَهِيْمَةً جَمْعَاءَ

جیسے جنتی ہے (مادہ) حیوان حیوان سالم بدن والی

جیسے جنتی ہے مادہ حیوان سالم بدن حیوان (بچہ) کو

هَلْ تُحِسُّوْنَ فِيْهَا مِنْ جَدْعَاءَ

کیا پاتے ہو تم ۔ فی (میں) ھا (وہ) کوئی کان کٹی

کیا تم دیکھتے ہو ان میں کوئی کان کٹی؟

ثُمَّ يَقُوْلُ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا

پھر کہتا ہے وہ جو اس نے پیدا کیا لوگ اس پر

پھر (ابو ہریرہ) کہتے ہیں (قائم رہو) اللہ کی فطرت پر جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے

Marfat.com

لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ

نہیں کوئی تبدیلی لیے آفرینش تخلیق اللہ وہ دین سیدھا

کوئی تبدیلی نہیں ہے اللہ کی تخلیق کے لیے۔ یہی ہے سیدھا دین

الفاظ کی تشریح

بَهِيْمَةٌ: چوپایہ (چار ٹانگوں والا جانور) (اس میں درندے شامل نہیں) نر اور مادہ دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

اَلْجَمْعَاءُ: صحیح وسالم بدن والا چوپایہ۔ وہ چوپایہ جس کے بدن سے کچھ بھی نہ گیا ہو (عرب نشان کے طور پر چوپائے کا کان، دم وغیرہ کاٹ دیتے تھے)

تُحِسُّوْنَ: تم محسوس کرتے ہو، تم پاتے ہو۔

جَدْعَاءُ: وہ (مؤنث) جس کی ناک یا کان وغیرہ کٹا ہوا ہو مذکر کیلئے اَجْدَعُ آتا ہے۔

فَطَرَ: اس کا معنی ہے: پھاڑا۔ ایجاد کیا۔ یعنی عدم سے وجود میں لایا۔ اختراع کیا۔ پیدا کیا، اسی سے فِطْرَة (فطرت) ہے بمعنی خلقت، پیدائش، آفرینش، تخلیق لفظ فطرۃ نیچر اور طبیعت کے معنی میں بھی آتا ہے۔

فِطْرَتَ اللّٰهِ سے پہلے اس معنی کا فعل محذوف ہے کہ قائم رہو، لازم پکڑو، وابستہ رہو وغیرہ

خَلْق: پیدا کرنا۔ اسم مفعول کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے یعنی مخلوق (پیدا کیا ہوا، پیدا کردہ) کے معنی میں۔

تشریح مطالب

اس حدیث شریف میں رسولِ اکرم ؐ نے ارشاد فرمایا کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے اور بعد میں اس کے والدین اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بناتے ہیں۔ اس کی وضاحت آپؐ نے اس مثال سے فرمائی کہ جیسے مادہ حیوان (بھیڑ، بکری، اونٹنی وغیرہ) صحیح سالم

لہ گذشتہ صفحے کا حاشیہ: بخاری میں اس حدیث کی دو روایتیں ہیں دونوں میں یہ الفاظ ہیں ثُمَّ يَقُوْلُ اَبُوْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ ..... الْقَيِّمُ، دیکھیے باب فی الجنائز، باب اِذَا اَسْلَمَ الصَّبِيُّ فَمَاتَ هَلْ يُصَلّٰى عَلَيْهِ وَهَلْ يُعْرَضُ عَلَى الصَّبِيِّ الْاِسْلَامُ؟

Marfat.com

بدن والے بچے کو جنتی ہے' پھر بعد میں اس بچے کا کان یا دُم وغیرہ کاٹی جاتی ہے۔ نشان کے طور پر، یعنی پہلے چوپائے کا بچہ پورے بدن والا ہوتا ہے جیسا کہ معمول کے طور پر پیدائش کے طور پر ہوتا ہے کان کٹنے وغیرہ کا نشان اسے بعد میں ملتا ہے۔ اسی طرح انسان کا بچہ ہے' فطرت پر پیدا ہوتا ہے' یہودی' نصرانی' مجوسی وغیرہ اسے بعد میں بنایا جاتا ہے۔

یہاں فطرت سے مراد ہے:۔

(۱) توحید

(۲) دینِ حق، یعنی دینِ اسلام

(۳) دینِ حق کو قبول کرنے کی صلاحیت و قابلیت

اس حدیثِ نبویؐ کو بیان کرنے کے بعد حضرت ابوہریرہؓ (جو اس حدیث کے راوی ہیں) قرآن حکیم کی یہ آیت تلاوت کیا کرتے تھے: فِطْرَتَ اللّٰهِ .... الآیۃ (سورہ الروم ۳۰: ۳۰) گویا یہ حدیث اس آیت قرآنی کی تفسیر ہے (اور اکثر و بیشتر مفسرین نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے اس حدیث مبارکہ کا حوالہ دیا ہے) اللہ تعالیٰ نے پیدائشی طور پر ہی انسان میں یہ صلاحیت و قابلیت رکھی ہے کہ وہ تصورِ توحید والے دینِ حق کو قبول کرے اور اس کی فطرت اسی دین سے موافقت رکھتی ہے۔ اس کی تائید اس ارشادِ باری تعالیٰ سے بھی ہوتی ہے:

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوا بَلَىٰ ۛ شَهِدْنَا ۛ أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَٰذَا غَافِلِينَ (الاعراف ۷: ۱۷۲)

ترجمہ: "اور جب تیرے رب نے اولادِ آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا، اور انہیں خود انہیں کے اوپر گواہ بنایا، کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں' سب بولے، کیوں نہیں! ہم سب گواہ بنتے ہیں (اس واقعہ کے)۔ (یہ اقرار اس لیے لیا) مبادا تم لوگ قیامت کے روز کہو ہم تو اس سے بے خبر تھے۔"

اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں اس امر کا شعور رکھ دیا ہے کہ اللہ ہی اس کا اور تمام جہانوں کا رب ہے، صرف وہی معبود ہے اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے' اسی نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ یہ شعور ہر انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

(ترجمہ:) "اگر ان (کفار و مشرکین) سے پوچھو کہ کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور مسخر کیا چاند اور سورج کو تو ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ نے۔" (العنکبوت ۲۹: ۶۱)

Marfat.com

دو باتیں اس امر کے ثبوت میں پیش کی جا سکتی ہیں کہ فطری طور پر انسان کو اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اس کی ربوبیت کا شعور حاصل ہے۔

۱۔ کوئی بھی انسان جب بھی کسی مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے تو بے اختیار خدا تعالیٰ کو مدد کے لیے پکارتا ہے (اپنی زبان میں، اور زبان نہ ہو تو دل میں) ہر زمانے میں ہر معاشرے میں اور ہر قوم میں خدا کا تصور موجود رہا ہے اور قدیم ترین آثار کی کھدائیوں میں عبادت خانے ضرور ملے ہیں۔

اس حدیث شریف میں مندرجہ ذیل اہم نکات بیان کیے گئے ہیں:

۱۔ انسان فطرتاً نیک ہے، بد نہیں ہے، ہر انسان فطرتِ سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے۔

۲۔ ہر انسان کی فطرت میں توحید کا شعور رکھا ہوا ہے۔ اگر اس پر خارجی (والدین کا، معاشرے کا) دباؤ اور ترغیبات نہ ہوں اور اسے اپنی مرضی سے دین اختیار کرنے کی آزادی ملے تو وہ دینِ حق یعنی عقیدۂ توحید والے دینِ اسلام کو ہی قبول کرے گا اگر کوئی شخص مشرک بنتا ہے تو وہ معاشرتی دباؤ کی وجہ سے بنتا ہے۔

۳۔ اسلام دینِ فطرت ہے۔ یہ انسان کے تمام فطری تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔

۴۔ انسان میں دینِ حق کو قبول کرنے کی صلاحیت و قابلیت موجود ہے۔

۵۔ دین کے معاملے میں انسان کو اپنی فطرت کی پکار سن کر اس پر لبیک کہنا چاہیے والدین اور معاشرے کے غلط دباؤ کو قبول نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ہر فرد انسان کو دینِ حق پر پیدا کیا گیا ہے، ہر ایک کی فطرت میں توحید کا شعور رکھا ہوا ہے اور ہر ایک کو پیدائشی طور پر دینِ حق کو قبول کرنے کی صلاحیت و قابلیت ودیعت کی گئی ہے۔

۸ بدعت گمراہی ہے

۱۰۔ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ :

اور روایت ہے جابرؓ سے انہوں نے کہا

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

Marfat.com

أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللّٰهِ

تو بعد تو یقیناً بہترین کلام

تو اب اس کے بعد (یہ ہے کر) بہترین کلام اللہ کی کتاب ہے

وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ وَشَرُّ الْأُمُوْرِ

اور بہترین ہدایت ہدایت اور بدترین امور

اور بہترین ہدایت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہدایت ہے اور بدترین امور وہ ہیں جو

مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ

نئی نکالی ہوئیں اس (سے) اور ہر نئی بات ، نرالی بات گمراہی

نئے نکالے ہوئے ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے

الفاظ کی تشریح

مُحْدَثَات : جمع ہے مُحْدَثَۃٌ کی ۔ نئی نکالی ہوئیں ۔

بِدْعَۃٌ : نئی بات ۔ نرالی بات ۔ نئی اختراع

تشریحِ مطالب

اس حدیث مبارک میں تین اہم نکات بیان کیے گئے ہیں ۔

۱ ۔ بہترین کلام اللہ کی کتاب یعنی قرآن مجید ہے ۔

۲ ۔ بہترین ہدایت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ، یعنی حضور کی سیرتِ طیبہ ہے ۔

۳ ۔ بدترین امور دین میں نکالی گئی نئی باتیں ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے ۔

ذیل میں ان تین نکات کی مختصر تشریح کی جائے گی ۔

۱ ۔ قرآن مجید بہترین کلام ہے :۔ بلاشبہ اور یقیناً قرآن مجید بہترین کلام ہے یہ خالق کائنات ، انسان کے خالق ۔ انسان کی تمام زبانوں کے خالق اللہ جل شانہٗ کا کلام ہے ۔ باقی تمام کلام انسانوں کے ہیں (ماسوا چند آسمانی کتابوں ، تورات ، انجیل وغیرہ کے ۔ مگر قرآن کے سوا کوئی بھی آسمانی کتاب اپنی اصل حالت میں محفوظ نہیں ہے) لہٰذا

Marfat.com

مخلوق کے کلام کی، خالق تعالیٰ کے کلام کے آگے کیا حیثیت ہے؟ جیسے انسان کی اپنے رب تعالیٰ کے آگے کوئی حیثیت نہیں ہے ویسے ہی کسی بھی انسان کے کلام کی اللہ تعالیٰ کے کلام کے سامنے کوئی حیثیت نہیں۔ جس طرح تمام انسان مل کر بھی اللہ تعالیٰ کے آگے کوئی حیثیت نہیں رکھتے، ویسے ہی تمام انسان اکٹھے ہو کر بھی قرآن مجید کے مقابلے میں کوئی چھوٹی سی سورت بھی بنا کر پیش نہیں کر سکتے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ○

(بنی اسرائیل ۱۷:۸۸)

ترجمہ: "(اے نبیؐ!) کہہ دیجئے کہ اگر انسان اور جن سب کے سب مل کر اس قرآن کے مثل (کلام) لائیں تو وہ سب اس کے مثل (کلام) نہ لا سکیں گے، خواہ وہ سب ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں۔"

قرآن حکیم کی اس پیشین گوئی کو چودہ صدیاں بیت چکی ہیں اب تک یہ سچ ہے اور قیامت تک سچ رہے گی۔ نزولِ قرآن کے وقت عربوں میں بڑے بڑے فصیح اللسان شاعر، ادیب اور خطیب موجود تھے جو حضورؐ کے اور قرآن کے سخت دشمن تھے مگر یہ چیلنج قبول نہ کر سکے۔ اس کے بعد ان چودہ سو سالوں میں، آج تک کروڑوں یہودی اور عیسائی عرب دنیا میں رہے ہیں جو اسلام سے شدید بغض و عناد رکھتے تھے اور رکھتے ہیں لیکن قرآن حکیم کی اس پیشین گوئی کو جھٹلانے کی کبھی کوئی جسارت نہیں کر سکا۔

اللہ تعالیٰ تو لطیف ہے، ہماری نگاہوں سے اوجھل ہے لیکن بنی نوعِ انسان کی یہ کتنی بڑی خوش قسمتی ہے کہ اللہ کا کلام ان کے پاس موجود ہے، جس سے وہ ان گنت فیوض و برکات حاصل کر سکتے ہیں۔

کلامِ الٰہی کے محاسن و فضائل کا احاطہ کرنا انسان کے بس کی بات نہیں، چودہ سو برس سے اس کی تفاسیر لکھی جا رہی ہیں، ہر مفسر نئے نکات سامنے لاتا ہے اور قیامت تک لکھی جاتی رہیں گی۔ ایک طرف معانی و مطالب کا عمیق بحرِ بے کراں ہے اور دوسری طرف اتنا عام فہم کہ عام آدمی بھی اسے پڑھ کر ہدایت حاصل کر لیتا ہے۔ اسلوب اس کا بے مثل و بے نظیر ہے، آج تک کوئی کلام اس اسلوب میں لکھا نہیں گیا، شعر جیسا صوتی تاثر ہے مگر شعر نہیں ہے، اسے نثر بھی نہیں کہہ سکتے۔ اس میں بے حد تاثیر ہے (جادو کی طرح)

Marfat.com

پڑھنے والے اور سننے والے دونوں کے لیے۔ مشرکین مکہ قرآن مجید اور حضورؐ کے اخلاقِ کریمہ کے سامنے بے بس تھے، وہ لوگوں کو قرآن سننے سے منع کرتے تھے۔ قرآن پڑھا جاتا تو شور و غل مچاتے تاکہ کوئی سن نہ لے، کیونکہ جو سن لیتا تھا وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا تھا۔

۲۔ بہترین ہدایت حضورؐ کی سیرتِ طیبہ ہے: اللہ تعالیٰ نے حضورِ اکرمؐ کی سیرتِ طیبہ کو بہترین نمونہ قرار دیا ہے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب ۳۳: ۲۱)

"بیشک تمہارے لیے رسول اللہ کی سیرت میں تم سب لوگوں کے لیے بہترین نمونہ ہے۔"

اس بات کا عملی ثبوت صحابہ کرامؓ ہیں جنہوں نے حضورؐ کی سیرتِ طیبہ کی زیادہ سے زیادہ اتباع کی، اور زندگی کے ہر شعبے میں دنیا کے امام اور پیشوا بن گئے ہر مسلمانوں نے کسی دور میں بھی جس قدر حضورؐ کی سیرتِ پاک کی پیروی کی اسی قدر دنیا میں کامیاب ہوئے یہ تو ہے دنیا میں کامیابی کی بات رہی آخرت میں کامیابی اور نجات تو حضورؐ کی اتباع کے بغیر تو وہ ممکن ہی نہیں۔ رسولِ کریمؐ نے دنیا اور آخرت کی کامیابی کے لیے تمام بنی نوعِ انسان کے لیے اپنی سیرتِ پاک میں بہترین نمونہ چھوڑا ہے اور کوئی شخصیت ایسی نہیں ہے جس کی سیرت انسانوں کے لیے اُسوۂ حسنہ قرار پا سکے۔ بے شک حضورؐ کی سیرتِ طیبہ ہی بہترین ہدایت ہے کہ آپؐ کی سیرت کتاب اللہ کی عملی تفسیر ہے۔

۳۔ ہر بدعت گمراہی ہے: (۱) اگر ہر شخص کو، ہر دور اور ہر معاشرے میں اپنی ہمت، استعداد اور توفیق کے مطابق کچھ نئی باتیں اختراع کر کے دین میں شامل کرنے کی اجازت مل جائے، اور اس کی شامل کردہ باتوں پر عمل لازم ہو تو اس دین کے احکام و تعلیمات کے حجم، ضخامت اور وسعت کا اندازہ لگانا بھی ناممکن ہو۔ قرآنِ حکیم اور حدیثِ نبویؐ کی سی ضخامت رکھنے والی شاید لاکھوں کتابوں میں بھی یہ تعلیمات اور احکام نہیں سموئے جا سکیں گے۔ اس صورت میں کیا یہ دین مفید یا قابلِ عمل رہے گا؟ قطعاً قطعاً نہیں۔

(۲) ہر شخص کو اجازت دینے سے مذکورہ بالا خرابی پیدا ہوتی ہے، تو کیا بعض خاص آدمیوں کو اس کی اجازت دی جا سکتی ہے؟ اگر دی جا سکتی ہے تو کس بنیاد اور اتھارٹی پر؟ اس کا کیا معیار ہوگا؟ اس امتیاز کی وجہ جواز کیا ہے؟ رسولِ اکرمؐ نے شرعی احکامات دیئے قرآن کے علاوہ بھی مگر اللہ تعالیٰ کی اتھارٹی اور اس کے اذن سے۔ آپؐ جو کچھ فرماتے تھے وحی الٰہی (متلو یا غیر متلو) ہوتا تھا[۱]۔ امت میں سے اگر کوئی شخص اپنی طرف سے کوئی بات

---

[۱] دیکھئے سورہ النجم ۵۳: ۳

اختراع کرکے دین میں شامل کرے تو کیا اس کے پیچھے اللہ تعالیٰ کا اذن ہوگا؟ ہرگز نہیں تو پھر بعض حضرات کو 'امتیاز کے طور پر' یہ اجازت (صرف چند اشخاص کو ہی سہی) دے دی جائے تو اس سے اتحاد ملی پارہ پارہ ہو جائے گا، بعض ان کو مان لیں گے اور بعض ان سے انکار کریں گے، بلکہ شاید مزاحمت کریں گے' اگر ملت اسلامیہ کے پاس اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول کی سنت ہو تو سب متحد رہ سکتے ہیں جب واجب الاتباع شخصیات کی تعداد جتنی بڑھے گی' اتنے ہی فرقے بنیں گے' امت میں افتراق و انتشار پیدا ہوگا۔

(۴) جب دین کی تکمیل ہو چکی تو پھر نئی باتیں اختراع کرکے شامل کرنے کی کیا گنجائش اور جواز باقی رہ جاتے ہیں؟

ہاں! کتاب و سنت کی روشنی میں اجتہاد کرکے نئے پیش آنے والے مسائل کا حل تلاش کرنا جائز ہے اور ناگزیر بھی۔

۹ خواہشات دین کے تابع رہیں

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ

اور روایت ہے عبداللہؓ بن عمرو سے، انہوں نے کہا،

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ

نہیں ایمان لاتا ہے وہ کوئی تم (سے) یہاں تک کہ ہو

نہیں مؤمن ہوتا تم میں سے کوئی یہاں تک کہ ہو

هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ

خواہش اس (کی) تابع لیے جو آیا میں ساتھ اس (کے)

اس کی خواہش تابع اس کے جو میں لایا ہوں

Marfat.com

تشریحِ مطالب

کسی کے ایمان لانے اور اسلام قبول کرنے کا معنی و مفہوم ہی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی مکمل اطاعت کرے گا، اپنی زندگی کتاب و سنت میں بیان کردہ اسلام کے احکام و تعلیمات کے مطابق بسر کرے گا۔ لہٰذا اسلام لانے کے بعد اپنی مرضی نہیں چل سکتی، کوئی مسلمان من مانی نہیں کر سکتا۔ اسلام اور اپنی مرضی تو دو متضاد باتیں ہیں۔ اسلام کا تو لغوی معنی ہی سپرد کرنا، حوالے کرنا، سرِ تسلیم خم کرنا اطاعت کرنا ہے۔ چنانچہ اس حدیثِ مبارکہ میں نبی کریمؐ نے فرمایا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہش اس کے تابع نہ ہو جائے جو میں لایا ہوں یعنی دینِ اسلام (جو مشتمل ہے کتابُ اللہ اور سنتِ نبویؐ پر)

اگر انسان اپنی خواہش کو دین کے تابع رکھے تو وہ دین کا پیرو ہے، وہ اللہ کا بندہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے والا امتی ہے لیکن اگر وہ اپنی خواہش کو دین سے آزاد کر دے اور اس کی پیروی کرے تو پھر وہ دینِ اسلام کا پیرو اور اللہ کا بندہ (اپنے اختیار کی حد تک) نہ رہے گا، بلکہ اپنی خواہش کا بندہ بن جائے گا۔ اس کا معبود اللہ نہ ہو گا، بلکہ اس کی خواہش ہی اس کا معبود ہو گی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

أَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ (الفرقان ۲۵: ۴۳)

ترجمہ "(اے نبیؐ!) کیا آپؐ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنا معبود اپنی خواہش کو بنا رکھا ہے؟ ایک اور مقام پر ارشادِ ربانی ہے:۔

وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللَّهِ (القصص ۲۸: ۵۰)

"اور کون اس شخص سے زیادہ گمراہ ہو گا جو اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہو، اللہ کی طرف سے کسی ہدایت کے بغیر"؟

مومن پر لازم ہے کہ وہ اپنی خواہش کو دینِ اسلام کے تابع رکھے، جن خواہشات کی دین اجازت دیتا ہے صرف ان کی تکمیل کی کوشش کرے اور جن خواہشات کی دین اجازت نہیں دیتا، ان کو اپنے دل میں پیدا ہی نہ ہونے دے اور اگر ایسی کوئی خواہش پیدا ہو تو اسے فوراً ختم کر دے۔ ایمان لانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اللہ کے رسولؐ کی اطاعت اور حضورؐ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی واجب ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (آلِ عمران ۳: ۱۳۲)

Marfat.com

ترجمہ: "اور اطاعت کرو اللہ کی اور رسولؐ کی، امید ہے تم پر رحم کیا جائے گا"

حضورؐ کی اتباع کے بارے میں حکمِ خداوندی ہے:

۱۔ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (الاعراف ۷: ۱۵۸)

ترجمہ: اور آپؐ کی پیروی کرو "تاکہ تم ہدایت پاؤ"

۲۔ وَمَآ آتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ (الحشر ۵۹:۷)

ترجمہ: "اور رسولؐ تمہیں جو دے وہ لے لو اور جس سے منع کرے تو باز آجاؤ"

۱۰ رشک کی دو بہترین صورتیں

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ:

اور روایت ہے ابن مسعودؓ سے، انہوں نے کہا:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

لَا حَسَدَ اِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ

نہیں کوئی رشک سوائے میں دو

نہیں ہے کوئی رشک (قابلِ تعریف) سوائے دو (خصلتوں) میں

رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا

آدمی دیا اسے اللہ مال

ایک وہ آدمی جسے اللہ نے مال دیا

فَسَلَّطَهٗ عَلٰى هَلَكَتِهٖ فِي الْحَقِّ

تو قدرت دی اسے پر خرچ کر ڈالنا اسے میں حق

اور اسے قدرت دی اسے جائز کام میں خرچ کرنے کی

[illegible] کتاب العلم باب الاغتباط فی العلم والحکمة

Marfat.com

وَرَجُلٌ اٰتَاہُ اللّٰہُ الْحِکْمَۃَ

اور آدمی دی اسے اللہ حکمت

اور ایک وہ آدمی جسے اللہ نے حکمت دی

فَھُوَ یَقْضِیْ بِھَا وَیُعَلِّمُھَا

تو وہ فیصلہ کرتا ہے وہ ساتھ اس کے اور تعلیم دیتا ہے وہ اس (کی)

تو وہ اس کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے اور اس کی تعلیم دیتا ہے۔

الفاظ کی تشریح

حَسَدَ : اس کا معنی و مفہوم یہ ہے کہ آدمی کسی دوسرے شخص کے پاس کوئی نعمت دیکھے اور یہ خواہش کرے کہ وہ نعمت اس سے چھن جائے، خواہ اسے حاصل ہو یا نہ ہو، یہ نہایت ہی قابلِ مذمت جذبہ ہے۔ یا پھر وہ یہ خواہش کرے کہ دوسرے سے چھن کر اسے مل جائے یہ بھی قابلِ مذمت ہے۔

اس حدیث مبارک میں حَسَدَ کا لفظ الغبطۃ یعنی رشک کے معنی میں آیا ہے اور غبطہ پر حسد کا اطلاق مجازاً ہے[1] اور یہاں اس سے مراد یہ خواہش کرنا ہے کہ اسے وہ نعمت مل جائے بغیر اس کے کہ دوسرے سے چھنے۔

اِثْنَتَیْنِ : دو (مؤنث) "اکثر روایات میں لفظ اِثْنَتَیْنِ مؤنث کی "ت" کے ساتھ) آیا ہے۔ اور اس سے مراد ہے خصلتین (دو خصلتیں) یعنی کسی چیز میں حسد (رشک) قابلِ تعریف نہیں سوائے دو خصلتوں کے"[2] بخاری میں کتاب الزکوٰۃ باب انفاق المال فی حقہٖ میں اور کتاب الاعتصام میں اِثْنَیْنِ (دو مذکر) کا لفظ آیا ہے۔ پھر یہ معنی بنیں گے۔ رشک صرف دو آدمیوں پر کرنا چاہیئے۔

---

[1] فتح الباری حوالہ مذکور

[2] یہ ساری عبارت فتح الباری، حوالہ مذکور کی عبارت کا ترجمہ ہے۔

Marfat.com

سَلَّطَہُ[1] : اسے قادر بنایا، قدرت دی، قابو دیا، غالب کیا، کہ اسے

ھَلَکَۃِ : مراد ہے اہلاک، یعنی ختم کر ڈالنا۔ خرچ کر کے ختم کر دینا کہ کچھ باقی نہ رہے

الحقّ : مراد ہے اطاعتِ الٰہی کے کاموں میں جائز جگہوں (مصارف) پر

اَلحِکمَۃَ : دانائی، یہاں اس سے مراد قرآن حکیم ہے[2] یا ہر وہ چیز جو جہالت سے منع کرے اور برائی سے روکے[3] علم باعمل

تشریحِ مطالب

اس حدیثِ مبارک میں رسولِ اکرمؐ نے بڑے خوبصورت پیرائے میں دو خصلتوں کی اہمیت بیان فرمائی ہے:۔

۱۔ اللہ تعالیٰ مال عطا کرے اور اس کے ساتھ اسے اطاعتِ الٰہی کے کاموں میں خرچ کرنے کی قدرت بھی عطا فرمائے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ حکمت عطا فرمائے اور صاحبِ حکمت اس کے مطابق فیصلے کرے اور اس کی تعلیم دے۔

۱۔ **مال خرچ کرنا** : اس حدیث شریف سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مال و دولت بجائے خود نعمت نہیں ہے یہ نعمت صرف اُسی وقت ہے جب اللہ تعالیٰ اسے بھلائی کے کاموں میں خرچ کرنے کی توفیق بھی بخشے۔ اگر مال کو بُرائی کے کاموں میں خرچ کرے تو پھر یہ بہت بڑی مصیبت اور لعنت ہے اور موجب عذاب ہے، اور اگر برائی کے کاموں میں تو خرچ نہ کرے بلکہ اس پر سانپ بن کر بیٹھ رہے، بخل سے کام لے، تو اس صورت میں بھی یہ وبال کا باعث ہے، صاحب مال کے حق میں اچھا نہیں ہے اسلام مال کو نہ تو عیش و عشرت میں اڑاتے اور برائی کے کاموں میں خرچ کرنے کی اجازت دیتا ہے اور نہ ہی کنجوسی کو پسند کرتا ہے، بلکہ اس امر کی تعلیم دیتا ہے کہ نیکی اور بھلائی کے کاموں میں اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کی نیت سے خرچ کیا جائے۔ فرض زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد اللہ کی رضا کے لیے صدقات دیے جائیں۔ اطاعتِ الٰہی کے کاموں میں یہ امور شامل ہیں:۔

(۱) غربا و مساکین، بیواؤں، یتیموں پر خرچ کیا جائے (۲) اللہ کے دین کی تبلیغ و اشاعت

---

[1] ایک روایت میں سُلِّطَہٗ (اسے قدرت دی گئی) ہے۔ دیکھئے فتح الباری، کتاب الزکوٰۃ [2] فتح الباری، کتاب العلم [3] ایضاً کتاب الزکوٰۃ میں حکمۃ آیا ہے جس سے مراد دانائی ہے۔

Marfat.com

اور سربلندی کے لیے خرچ کیا جائے (۳) رفاہِ عامہ کے کاموں میں خرچ کرے (۴) جہاد فی سبیل اللہ کے لیے خرچ کرے۔

یہ حدیث مبارک اس امر کے جواز میں حجت (دلیل) ہے کہ صاحب مال اپنے زمانۂ صحت میں نیکی کے کاموں میں اپنا پورا مال خرچ کرسکتا ہے بشرطیکہ یہ وارث کی محرومی کا باعث نہ بنے یہ کہ اس سے کسی اور شرعی حکم کی خلاف ورزی نہ ہوتی ہو۔[1]

قرآن و حدیث میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے (انفاق فی سبیل اللہ) کی بہت تاکید کی گئی ہے۔ مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱) وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ (البقرہ، ۲: ۱۹۵)

ترجمہ: "اور خرچ کیا کرو اللہ کی راہ میں اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔" یعنی اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنا اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔

(۲) لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آل عمران، ۳: ۹۲)

ترجمہ: "تم نیکی کو نہ پاؤ گے جب تک خرچ نہیں کرتے اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے"

(۳) وَیَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ۵ قُلِ الْعَفْوَ (البقرہ، ۲: ۲۱۹)

ترجمہ: اور وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں کہہ دیجیے جو ضرورت سے زائد ہو۔

۲۔ حکمت سے فیصلے اور اس کی تعلیم: دنیا میں انسان کے لیے دو چیزیں بڑی دولت ہیں اور اس کے لیے بڑی اہمیت رکھتی ہیں (۱) مال جس سے اس کے جسم کی ضروریات پوری ہوتی ہیں اور جسم کو راحتیں اور آسائشیں حاصل ہوتی ہیں۔ لہٰذا مال کی انسان بہت زیادہ خواہش رکھتا ہے۔ دوسری چیز حکمت (علم باعمل۔ دانش) ہے جس سے اس کے ذہن اور روح کی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں۔ اس حدیث مبارک میں انسان کی ان دونوں محبوب و مطلوب چیزوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ حضورؐ کے ارشاد کے مطابق یہ دونوں چیزیں نہایت گراں قدر اور چاہت کے قابل اس صورت میں بنتی ہیں جب ان کو اپنے پاس جمع رکھنے کے بجائے مخلوقِ خدا کی بھلائی میں خرچ اور استعمال کیا جائے۔ مال لوگوں پر خرچ کیا جائے اور حکمت کو لوگوں کی بھلائی کے لیے استعمال کیا جائے، اس سے ان کو فیوض و فوائد پہنچیں، ان کے باہمی تنازعات کے فیصلے اس سے کیے جائیں، کیونکہ حکمت سے کیے گئے فیصلے ہی دیرپا اور پائیدار

---

[1] فتح الباری، حوالہ مذکور

Marfat.com

امن کے ضامن ہوتے ہیں، نیز اس کو تعلیم کے ذریعے دوسرے لوگوں تک پہنچایا جائے، ہر مسلمان کو یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ اسلام دوسروں کو کچھ دینے کی تعلیم دیتا ہے لینے کی نہیں، اور حدیث نبوی کی رُو سے لوگوں میں سب سے اچھا وہ ہے جو لوگوں کو سب سے زیادہ نفع پہنچاتا ہے جو شخص جتنا زیادہ دوسروں کو فائدے پہنچاتا ہے اسلام کے نزدیک وہ اتنا ہی اچھا انسان ہے اور جو دوسروں کو فائدہ تو کم پہنچاتا ہے اور ان سے فوائد زیادہ سے زیادہ حاصل کرتا ہے اور مکر و فریب سے یا کسی زور سے ان کا استحصال کرتا ہے وہ بدترین انسان ہے۔

۱۰ غیر نافع علم کی مثال

وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ:

اور روایت ہے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے کہا

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

مَثَلُ عِلْمٍ لَا یُنْتَفَعُ بِهٖ

مثال علم نہیں فائدہ لیا جاتا ہے ساتھ اس (کے)

مثال اس علم کی جس سے فائدہ نہیں اُٹھایا جاتا ہے

کَمَثَلِ کَنْزٍ لَا یُنْفَقُ مِنْهُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ

ک (مانند) مثل خزانہ نہیں خرچ کیا جاتا ہے من (سے) ہٗ اس میں راہ اللہ

اس خزانہ کے مانند ہے جس سے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کیا جاتا

تشریح مطالب

اس حدیث مبارکہ کا مفہوم بھی تقریباً وہی ہے جو اس سے پہلی حدیث شریف

Marfat.com

(نمبر۹) کا ہے۔ مال اور علم دونوں بہت گراں قدر اور اہمیت کے حامل ہیں، لیکن صرف اسی صورت میں کہ مال کو اللہ کی راہ میں، یعنی مخلوق خدا کی بھلائی کے لیے خرچ کیا جائے اور علم کو آگے پہنچایا جائے۔ دوسروں کو اس کی تعلیم دی جائے اور خود اس پر عمل کیا جائے حضور اکرم ؐ نے ایسے علم کی مثال کہ جس سے فائدہ نہ اٹھایا جائے (نہ خود اس پر عمل کرے اور نہ لوگوں کو اس سے فیض پہنچے) ایسے خزانے سے دی ہے جس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہ کیا جائے۔ یعنی علم خزانہ ہے اور اس پر عمل اور اس کی تعلیم انفاق فی سبیل اللہ ہے۔

قرآن و حدیث میں علم اور تعلیم کی بہت اہمیت بتائی گئی ہے اور عالم اور متعلم (طالب علم) کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے، مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱) قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (الزمر ۳۹:۹)

ترجمہ: "(اے نبیؐ) فرما دیجیے، کیا برابر ہو سکتے ہیں وہ جو علم رکھتے ہیں اور وہ جو علم نہیں رکھتے"

(۲) يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ (المجادلۃ ۵۸: ۱۱)

ترجمہ: "تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور جن کو علم عطا کیا گیا اللہ ان کے درجات بلند فرمائے گا"۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

(۱) عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسی میری فضیلت ہے تم میں سے ادنیٰ شخص پر[۱]

(۲) "جو علم کی جستجو میں کسی راہ پر چلے گا اللہ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان فرما دیگا"[۲]

(۳) جو طلب علم میں نکلا وہ اللہ کی راہ میں ہے جب تک واپس نہ آجائے"[۳]

(۴) "آدمی کے مرنے پر اس کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے، سوائے تین طرح کے اعمال کے: صدقہ جاریہ یا ایسا علم جس سے فائدہ اٹھایا جائے، یا نیک اولاد جو اس کے لیے دعا گو رہے"[۴]

(۵) "جس شخص سے کوئی علم کی بات پوچھی جائے اور وہ اسے چھپالے تو قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام ڈالی جائے گی"[۵]

---

[۱] ریاض الصالحین، کتاب العلم، بحوالہ ترمذی [۲] ریاض الصالحین بحوالہ ابوداؤد ترمذی و مسلم [۳] ریاض الصالحین، بحوالہ ترمذی [۴] ریاض الصالحین بحوالہ مسلم [۵] ریاض الصالحین بحوالہ ابوداؤد و ترمذی

Marfat.com

۱۲ بہترین روزی

عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ مَعْدِی کَرِبؓ قَالَ:

روایت ہے مقداد بن معدی کربؓ سے ، انہوں نے کہا:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

مَا اَکَلَ اَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَیْرًا مِّنْ

نہیں کھایا کسی نے کھانا ہرگز بہتر سے

کسی نے اس سے بہتر کھانا ہرگز نہیں کھایا

اَنْ یَّاْکُلَ مِنْ عَمَلِ یَدَیْہِ

کہ کھائے وہ سے کام دو ہاتھ اس (کے)

کہ اپنے دو ہاتھوں کے عمل سے کھائے

وَاِنَّ نَبِیَّ اللّٰہِ دَاوٗدَ عَلَیْہِ السَّلَامُ

اور یقیناً اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام

اور یقیناً اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام

کَانَ یَاْکُلُ مِنْ عَمَلِ یَدَیْہِ

تھا کھاتا وہ سے کام دو ہاتھ اس (کے)

کھاتے تھے اپنے دو ہاتھوں کے عمل سے

Marfat.com

تشریح مطالب

اس حدیث شریف میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محنت مزدوری کر کے حاصل کی ہوئی روزی کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اپنے ہاتھوں سے کمایا ہوا رزق ہی سب سے اچھا ہے اور آپؐ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی مثال بیان فرمائی کہ وہ اپنے ہاتھوں سے کما کر کھاتے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام اللہ کے نبی اور بہت بڑی سلطنت کے حکمران تھے، پھر بھی اپنے ہاتھوں سے زرہیں بنا کر اپنی روزی کماتے تھے۔ ہاتھ سے کام کرنا زراعت، صنعت، تجارت سب پیشوں کی بنیاد ہے۔ اسلام نے محنت کر کے روزی کمانے کی تلقین کی ہے۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں اور اہل ایمان سب کو حکم دیا ہے کہ پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ اور پاکیزہ چیزیں وہ ہیں جو خود محنت کر کے حاصل کی جائیں۔ رسول اکرمؐ نے محنت کی بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے۔

نوٹ: محنت سے روزی کمانے کی تعلیمات کی تفصیل کے لیے اس کتاب کے باب چہارم میں عنوان "کسبِ حلال" دیکھیے۔

۱۳ اطاعتِ امیر کی حدود

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا قَالَ:

اور روایت ہے ابن عمرؓ رضی اللہ عنہما سے، انہوں نے کہا

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے:

اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَۃُ عَلَی الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِیْمَا اَحَبَّ

سننا اور اطاعت پر مرد مسلمان بابت جو چاہا اس نے

مسلمان مرد پر سننا اور اطاعت کرنا لازم ہے اس بات میں جو وہ پسند کرے

Marfat.com

وَكَرِهَ مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ فَإِذَا

اور ناپسند کیا اس نے جب تک نہ حکم دیا گیا اسے ساتھ نافرمانی تو جب

اور ناپسند کرے جب تک اسے (اللہ کی) نافرمانی کا حکم نہ دیا جائے تو جب

أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ

حکم دیا گیا ساتھ نافرمانی تو نہیں کوئی سننا اور نہ کوئی اطاعت

اسے نافرمانی کا حکم دیا جائے تو نہ سننا اور نہ ہی اطاعت (لازم) ہے

تشریح مطالب

اس حدیث مبارک میں دو اہم باتیں بیان کی گئی ہیں ۔

۱۔ مسلمان پر امیر کی اطاعت تمام امور میں لازم ہے، خواہ امیر کا کوئی حکم اسے ذاتی طور پر پسند ہو یا ناپسند، بشرطیکہ اس کا حکم اللہ کی نافرمانی میں نہ ہو یعنی وہ کسی ایسے کام کے کرنے کا حکم نہ دے جس سے اللہ اور اس کے رسول نے منع کیا ہو یا وہ کسی ایسے کام سے منع نہ کرے جس کے کرنے کا اللہ اور اس کے رسول ؐ نے حکم دیا ہو۔

۲۔ اگر امیر اللہ کی نافرمانی (جس کی وضاحت اوپر کی گئی ہے) کا حکم دے تو پھر اس کے حکم کو سننا اور اس پر عمل کرنا اس پر لازم نہیں ہے ۔

اس حدیث شریف میں سیاسی زندگی کے بارے میں حضور اکرمؐ نے دو اہم اصول بیان فرمائے ہیں، حکمران کی اطاعت کے بغیر سیاسی تنظیم (ریاست) قائم نہیں رہ سکتی۔ اگر اطاعت نہ کی جائے تو ریاست کا شیرازہ بکھر جائے گا، انارکی پھیل جائے گی اور جنگل کا سماں ہوگا، یہ اسلام کو قطعاً گوارا نہیں ہو سکتا۔ ایسی صورت حال میں کسی کی جان و مال اور آبرو محفوظ نہیں رہتی اور آخر کار قوم اپنی آزادی کھو کر کسی دوسری قوم کی غلام بن جاتی ہے، لہٰذا حکومت کے احکام کو بجا لانا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ۖ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ (النساء ۴: ۵۹)

Marfat.com

ترجمہ: اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسولؐ کی اور اپنے اولی الامر کی، پھر اگر تمہارے درمیان اختلاف ہو جائے کسی چیز کے بارے میں تو لوٹا دو اس کو اللہ اور رسول کی طرف۔"

دوسرا اہم اصول حضورؐ نے اقتدارِ اعلیٰ کی بابت فرمایا ہے کہ اس کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے، یہ حکمران کے پاس نہیں ہے۔ اگر حکمران کتاب اللہ اور سُنّت رسولِ مقبولؐ کی خلاف ورزی میں کوئی حکم جاری کرے تو اس کی اطاعت نہیں کرنا چاہیے اصل حکمرانی تو اللہ تعالیٰ کی ہے۔ مذکورہ آیت مبارکہ میں بھی اس اصول کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ اگر کسی معاملے میں باہم اختلاف و تنازعہ ہو جائے تو اس کا فیصلہ کتاب و سُنّت کی روشنی میں کیا جائے۔

یہ فیصلہ کرنا کہ کوئی حکم کتاب و سُنّت کے مطابق ہے یا اس کے منافی کسی ایک فرد یا چھوٹے سے ایک گروہ کا کام نہیں ہے، جیسے خوارج نے کیا تھا اور سراسر غلط کیا تھا۔ ایک فرد یا ایک گروہ اپنی مرضی کے مطابق تاویل کر کے اسلام کے حکم کی شکل بگاڑ کے رکھ دے گا۔ یہ فیصلہ اجماع سے ہوگا، یعنی جمہور مسلمان جو فیصلہ کریں گے وہی درست ہوگا۔ جماعت کو اللہ کی تائید حاصل ہوتی ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے اور یہ بات آج کے دنیا کے مقبول ترین نظام حکومت جمہوریت کی بنیاد اور رُوح ہے۔ اسلام نے یہ بنیاد آج سے چودہ سو سال قبل بنی نوع انسان کو فراہم کر دی تھی۔ اہلِ مغرب جو آج جمہوریت کے چیمپئن بنے ہوتے ہیں، اسلام کے آنے کے کئی صدیوں بعد تک آمر و جابر بادشاہت کے مظالم کے تحت پستے رہے ہیں، ان کے بادشاہ DIVINE RIGHT OF RULE کے قائل تھے یعنی یہ کہ انہیں حکومت کا حق خدا نے دیا ہے، ان کے منہ سے نکلا قانون اور حکم خداوندی ہے اور بادشاہ معصوم ہے، اس سے سرزد ہونے والا جرم اور گناہ جرم اور گناہ نہیں ہے۔

۱۴۔ رعایا سے نرمی

وَعَنْ عَائِشَةَ رضؓ قَالَتْ

اور روایت ہے حضرت عائشہ رضؓ سے انہوں نے کہا

Marfat.com

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے :

اَللّٰھُمَّ مَنْ وُّلِّیَ مِنْ اَمْرِ اُمَّتِیْ شَیْئًا

اے اللہ جو وہ والی بنایا گیا۔ ذمہ دار بنایا گیا سے امر، معاملہ امت میری چیز

اے اللہ! جس شخص کو میری امت کے معاملے کی کسی چیز کا ذمہ دار بنایا جائے

فَشَقَّ عَلَیْھِمْ فَاشْقُقْ عَلَیْہِ

تو مشقت میں ڈالا اس نے، ان (کو) تو مشقت میں ڈال تو اس (کو)

اور وہ انہیں مشقت میں ڈالے تو تو اسے مشقت میں ڈال

وَمَنْ وُّلِّیَ مِنْ اَمْرِ اُمَّتِیْ شَیْئًا

اور جو والی بنایا گیا وہ ذمہ دار بنایا گیا سے امر، معاملہ امت میری چیز

اور جسے میری امت کے معاملے کی کسی چیز کا ذمہ دار بنایا جائے

فَرَفَقَ بِھِمْ فَارْفُقْ بِہٖ

تو نرمی کی اس نے ساتھ ان (کے) تو نرمی کر تو ساتھ اس (کے)

اور وہ ان سے نرمی برتے تو تو اس سے نرمی برت

الفاظ کی تشریح

وُلِّیَ : اسے والی بنایا گیا۔ حکمران بنایا گیا ذمہ دار بنایا گیا۔ وَلِیَ اس نے والی بنایا۔

نوٹ : یہاں وَلِیَ بھی درست ہے۔ جس کا معنی ہے والی بنا، ذمہ دار بنا۔

شَقَّ : عَلَیْہِ کا معنی ہے اس نے اسے مشقت میں ڈالا۔ فَ (پس) اُشْقُقْ عَلَیْہِ (تو اسے مشقت میں ڈال)۔

رَفَقَ : بِہٖ اس نے اس سے نرمی برتی، نرمی کا سلوک کیا۔ فَ (پس) اُرْفُقْ بِہٖ (تو اس سے نرمی برت۔ نرمی کا برتاؤ کر)

Marfat.com

تشریح مطالب

سرکارِ دو عالم، رحمۃٌ للعالمین اللہ کے پیارے رسول اور ہمارے محبوب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی اُمت سے محبت اور آپؐ کی اس پر شفقت و رحمت ملاحظہ فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ سے دُعا فرما رہے ہیں، قیامت تک کی اپنی پوری امت کے حق میں کہ اے اللہ جس شخص کو میری امت کا کسی بھی سطح پر حکمران بنایا جائے، پھر اگر وہ ان کو مشقت میں ڈالے تو تو اس کو بھی مشقت میں ڈال اور اگر وہ ان سے نرمی کا سلوک کرے تو تو بھی اس پر نرمی فرما۔

مشقت میں ڈالنے سے مراد ہے، سخت قوانین بنانا۔ عوام کی خیر خواہی نہ کرنا، ان کی فلاح و بہبود کے لیے جدوجہد نہ کرنا۔ ان کی مشکلات و مصائب دُور یا کم کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ ان پر ان کی استطاعت سے زیادہ ٹیکس عائد کرنا وغیرہ اور نرمی کا سلوک اس کے برعکس ہے

حضور اکرم سراپا رحمت تھے، اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو رحمۃ للعالمین اور رؤف و رحیم بنایا ہے پھر بھی آپؐ سے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ (الشعراء ۲۶: ۲۱۵)

ترجمہ: "(اور اے نبیؐ) اہلِ ایمان میں سے جو آپؐ کی اتباع کریں ان سے نرمی کا برتاؤ کیجیے۔"

اس حدیث مبارک میں مسلمانوں کے ہر سطح اور درجہ کے حکمرانوں اور حاکموں اور افسروں کو بالواسطہ طور پر یہ نصیحت کی گئی ہے کہ وہ عوام کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کریں اور انہیں تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر انہوں نے عوام کو مشقت میں ڈالا تو اللہ ان کو بھی مشقت میں ڈال دے گا۔ حضورؐ کا ارشاد ہے:

(۱) بدترین حاکم وہ ہے جو اپنی رعایا پر سختی کرتا ہو۔" [۱]

(۲) اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے معاملات میں سے کسی چیز کا کسی کو والی بنائے اور وہ ان کی حاجت، ضرورت اور افلاس کی پرواہ نہ کرے تو اللہ بھی قیامت کے روز اس کی حاجت، ضرورت اور افلاس کی پرواہ نہیں کرے گا۔ [۲]

(۳) ایک حدیث میں یوں آیا ہے کہ جو حاکم اپنی رعایا کی دیکھ بھال خیر خواہی کے ساتھ

---

[۱] ریاض الصالحین، باب ۷۸، بحوالہ بخاری و مسلم

[۲] ایضاً بحوالہ ابوداؤد و ترمذی

Marfat.com

نہیں کرے گا وہ جنّت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا۔[1]

(۴) ایک حدیث میں اس طرح آیا ہے کہ جو حاکم اپنی رعایا کے ساتھ دھوکا یا خیانت کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنّت حرام کر دے گا۔[2]

۱۵۔ جہاد کی فضیلت

وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ:

اور روایت ہے سہلؓ بن سعد سے انہوں نے کہا:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے:

رِبَاطُ يَوْمٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا

سرحد کی نگرانی دن میں راہ اللہ بہتر سے دنیا اور جو اس پر

اللہ کی راہ میں سرحد کی ایک دن کی نگرانی بہتر ہے دُنیا سے اور اس سے جو اس پر ہے

الفاظ کی تشریح

رِبَاط: مصدر ہے رَابَطَ (ماضی) يُرَابِطُ (مضارع) کا۔ مُرَابَطَة بھی مصدر ہے۔ اس کا معنی ہے سرحد یا خوف کی جگہ کی نگرانی کرنا۔

نوٹ: اس حدیث مبارکہ کے مطالب کی تشریح حدیث نمبر ۱۶ کی تشریح مطالب میں دیکھیے۔

وَعَنْ أَبِيْ عَبْسٍ قَالَ:

اور روایت ہے ابی عبسؓ سے انہوں نے کہا:

[1] ایضاً، بحوالہ مسلم [2] ایضاً بحوالہ بخاری و مسلم

Marfat.com

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

مَا اِغْبَرَّتْ قَدَمَا عَبْدٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَتَمَسَّہُ النَّارُ

نہیں غبار آلود ہوئی دو قدم بندہ میں راہ اللہ پھر چھوئے آگ

نہیں غبار آلود ہوتے کسی بندے کے پاؤں اللہ کی راہ میں اور پھر اسے آگ چھوئے

الفاظ کی تشریح

اِغْبَرَّ: غبار آلود ہوا۔ اِغْبَرَّتْ غبار آلود ہوئی۔ مَا اِغْبَرَّتْ غبار آلود نہیں ہوئی

قَدَمَا: دو قدم۔ دو پاؤں (اصل میں قَدَمَانِ تھا، نون حذف کردیا گیا ہے)

مَسَّ: اس نے چھوا۔ یَمَسُّ وہ چھوتا ہے۔ تَمَسُّ وہ چھوتی ہے

تشریح مطالب

(حدیث ۱۵، ۱۶)

ان احادیث مبارکہ میں رسول اکرمؐ نے جہاد کی فضیلت بیان فرمائی ہے حدیث نمبر ۱ میں بیان فرمایا کہ اللہ کی راہ میں ایک دن سرحد کی نگرانی کرنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے، یعنی آخرت میں اس کا اتنا اجر و ثواب ملے گا کہ دنیا اور اس کی ساری نعمتیں اس کے سامنے ہیچ ہیں۔ بلاشبہ دنیا کی ساری نعمتیں مل کر جنت کی کسی چھوٹی سی نعمت کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتیں، یہ تو سب عارضی اور معمولی نعمتیں ہیں جبکہ جنت کی نعمتیں دائمی اور اعلیٰ ہیں۔

دوسری حدیث میں حضورؐ نے فرمایا ہے کہ کسی شخص کے اللہ کی راہ میں پاؤں غبار آلود ہو جائیں تو اس شخص کو آگ نہ چھوئے گی، یعنی اس پر دوزخ حرام ہوگی اور اس کا قیام جنت میں ہوگا۔ صرف پاؤں کے غبار آلود ہونے کا اتنا انعام ہے اگر جہاد فی سبیل اللہ میں مصائب جھیلے، زخم کھائے یا شہید ہو جائے تو اس کے انعامات کیا ہوں گے! لیکن فی سبیل اللہ کی شرط ہے۔ کسی دنیوی مقصد کے لیے نہ ہو۔ اسلام میں جہاد فی سبیل اللہ کی بڑی فضیلت ہے، کیونکہ اس میں مسلمان مجاہد

Marfat.com

اللہ کی رضا کے لیے اپنی جان کا خطرہ مول لیتا ہے، اپنی جان کو سخت خطرات میں ڈالتا ہے اور اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے کے لیے تیار رہتا ہے۔ قرآن و حدیث میں جہاد فی سبیل اللہ کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ مثلاً ارشادِ باری تعالیٰ ہے:
وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۙ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ۭ (النساء ۴: ۹۵-۹۶)
ترجمہ: "اور اللہ نے بیٹھے رہنے والوں کے مقابلے میں جہاد کرنے والوں کے لیے زیادہ بڑا اجر رکھا ہے، ان کے لیے اللہ کی طرف سے بڑے درجات ہیں اور بخشش اور اور رحمت ہے۔"

(کسی مجبوری یا معذوری سے بیٹھ رہنے والے صالح مسلمان ہیں، اللہ نے ان سے بھی بھلائی کا وعدہ کر رکھا ہے لیکن وہ جہاد فی سبیل اللہ کرنے والوں کے برابر نہیں، مجاہدین ان سے افضل ہیں۔)

"حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا: میں نے عرض کیا یا رسول اللہ، کون سا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: "اللہ پر ایمان اور اس کی راہ میں جہاد۔" [۱]

نوٹ: جہاد کی اہمیت و فضیلت کے لیے مزید دیکھیے اس کتاب کے باب دوم میں عنوان 'جہاد'

۱۷ جنّت کی ضمانت

عَنْ	سَهْلِ	بْنِ سَعْدٍ	قَالَ:
روایت ہے	سہل رضی اللہ عنہ	بن سعد سے	انہوں نے کہا:

قَالَ	رَسُوْلُ اللّٰهِ	صَلَّى اللّٰهُ	عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فرمایا	رسول اللہ	صلی اللہ	علیہ وسلم نے:

مَنْ يَّضْمَنْ	لِيْ	مَا	بَيْنَ	لَحْيَيْهِ
جو ضمانت دیتا ہے	مجھ کو	جو	درمیان	دو جبڑے اس (کے)

[۱] ریاض الصالحین، کتاب الجہاد، بحوالہ بخاری و مسلم

Marfat.com

وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنُ لَهُ الْجَنَّةَ

اور جو درمیان دو ٹانگیں اس کی / ضمانت دیتا ہوں میں اسے جنت

اور جو اس کی ٹانگوں کے درمیان ہے میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں

الفاظ کی تشریح

مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ : جو درمیان ہے اس کے دو جبڑوں کے، مراد ہے زبان۔ لَحْيٌ ایک جبڑا، لَحْيَانِ اور لَحْيَيْنِ دو جبڑے۔ لَحْيَيْهِ میں لَحْيَيْنِ کا نون حذف کیا گیا ہے۔

مَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ : جو درمیان ہے اس کی دو ٹانگوں کے، مراد ہے شرمگاہ۔ رِجْلٌ ایک ٹانگ رِجْلَانِ اور رِجْلَيْنِ دو ٹانگیں۔ رِجْلَيْهِ میں رِجْلَيْنِ کا نون حذف شدہ ہے۔

تشریح مطالب

اس حدیث مبارک میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسلمان کے لیے جنت کی ضمانت دی ہے جو دو چیزوں کی حفاظت کرے (۱) زبان (۲) شرمگاہ۔ اسی طرح کے مفہوم کی ایک اور حدیث میں آپؐ نے فرمایا ہے۔

مَنْ وَقَاهُ اللّٰهُ شَرَّ مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَشَرَّ مَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ دَخَلَ الْجَنَّةَ [۱]

ترجمہ: جس کو بچا لیا اللہ نے اس کے شر سے جو جبڑوں کے درمیان ہے اور اس کے شر سے جو دو ٹانگوں کے درمیان ہے وہ جنت میں داخل ہو گیا۔

۱۔ زبان کی حفاظت اور اس کو قابو میں رکھنے کی آپؐ نے بڑی تاکید فرمائی ہے اور اس بارے آپؐ کی کئی احادیث روایت کی گئی ہیں، مثلاً:

(۱) آپؐ سے عرض کیا گیا، نجات (کا ذریعہ) کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا، اپنی زبان کو قابو میں رکھ، اپنے گھر تک محدود رہ (یعنی آوارہ گردی نہ کر) اور اپنی

[۱] امام نووی، ریاض الصالحین باب ۱۱۱ بحوالہ ترمذی

Marfat.com

خطاؤں پر رویا کرو"۔ لہ

(۲) حضورؐ نے ارشاد فرمایا "جو شخص ایمان رکھتا ہے اللہ پر اور یوم آخرت پر اسے چاہیئے کہ بھلی بات کہے یا خاموش رہے۔ ٹہ

زبان کی حفاظت کرنے، یا اس کو قابو میں رکھنے سے مراد ہے کہ آدمی جب بھی بولے سچی اور بھلی بات کہے اور زبان کو ان چیزوں سے آلودہ نہ کرے:

جھوٹ، جھوٹی قسم، گالی گلوچ، فحش کلامی اور بیہودہ گوئی، بہتان تراشی، تہمت جھوٹی گواہی، چغل خوری، غیبت، طنز و طعن، لعنت بھیجنا اور پھٹکارنا۔ کسی کو بُرے نام سے پکارنا، کسی پر آوازہ کسنا۔ مذاق اڑانا۔ راز فاش کرنا۔ اپنے مُنہ سے اپنی تعریف اور بڑائی کرنا۔ خوشامد وغیرہ

اسلام نے زبان کی مذکورہ بالا تمام بُرائیوں سے منع کیا ہے۔ زبان سے صرف لفظ ہی نکلتے ہیں، لیکن ان الفاظ کے اثرات بہت گہرے ہوتے ہیں۔ بھلی بات کہنے سے آپس میں محبت اور خیر سگالی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں جبکہ بُری بات نفرت اور دشمنی کا باعث بنتی ہے، تلوار سے لگے زخم جلدی اچھے ہو جاتے ہیں مگر زبان کے لگائے ہوئے زخم مشکل سے بھرتے ہیں۔ زبان کی بُرائی سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے اور آخرت میں یہ عذاب کا باعث بنتی ہے۔ ایک طویل حدیث کے آخر میں آپؐ نے اپنی زبان کو پکڑ کر حضرت معاذؓ سے فرمایا: "اس کو اپنے قابو میں رکھ" حضرت معاذؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! جس سے ہم کلام کرتے ہیں کیا اس کی بابت بھی ہمارا مواخذہ ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا: "تیری ماں تجھے کھو دے! کیا زبانوں کی کاٹی ہوئی کھیتیوں کے سوا بھی کوئی اور چیز ہے جو لوگوں کو دوزخ میں ان کے منہ کے بل گرائے گی؟" سہ

۲۔ اسلام اپنے پیروکاروں کو عفت اور پاکدامنی کی تعلیم دیتا ہے اور بے حیائی اور بدکاری سے سختی کے ساتھ منع کرتا ہے۔ اسلام بدکاری اور اس تک پہنچانے والے اعمال و حرکات سب سے روکتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝

(بنی اسرائیل: ۱۷: ۳۲)

ترجمہ: "اور زنا کے قریب نہ پھٹکو، بلاشبہ وہ بڑی بے حیائی کی بات ہے اور بُری راہ ہے۔"

لہ ایضاً ٹہ ایضاً بحوالہ بخاری و مسلم سہ ریاض الصالحین۔ بحوالہ ترمذی

Marfat.com

بدکاری معاشرے کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیتی ہے، معاشرتی نظام درہم برہم ہو جاتا ہے، خاندان جو معاشرے کی بنیادی اکائی ہے قائم ہی نہیں ہو پاتا۔ بدکاری سے انسان کی اخلاقی سطح بہت پست ہو جاتی ہے اور یہ باہمی جھگڑوں اور قتل و غارت کا باعث بنتی ہے، بیشتر قتل اسی گناہ کے سبب سے ہوتے ہیں۔

۱۸۔ مسلمان کو گالی دینا فسق اور اس سے قتال کرنا کفر ہے

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ:

اور روایت ہے عبداللہ بن مسعودؓ سے، انہوں نے کہا:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے:

سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَقِتَالُهٗ كُفْرٌ

گالی دینا مسلمان فسق اور جنگ کرنا اس (سے) کفر

مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے جنگ کرنا کفر ہے۔

تشریح مطالب

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کو گالی دینے کو فسق (گناہ، نافرمانی) اور اس کی جان پر حملہ کرنے کو کفر بتایا ہے۔ ایک اور حدیث میں آپؐ کا ارشاد ہے: مسلمان وہ ہے کہ جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ رہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ کریمؐ نے مسلمان کو بھائی بھائی قرار دیا ہے اور کسی بھائی کے لیے یہ کیونکر جائز ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے بھائی کو گالی دے یا اس سے جنگ کرے؟ گالی نفرت کے اظہار کے لیے اور تحقیر و تذلیل کے مقصد سے دی جاتی ہے۔ مسلمان سے نہ تو نفرت رکھنا جائز ہے اور نہ اس کی تحقیر و تذلیل کرنا روا ہے۔ سورۃ الحجرات میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ یعنی ایمان لانے کے بعد بُرا نام

Marfat.com

رکھنا فسق ہے۔ اسی سورت میں ایک دوسرے کو بُرے القاب سے پکارنے اور ایک دوسرے کا مذاق اڑانے سے بھی منع کیا گیا ہے۔ ایک حدیث کی رُو سے دوسرے کے ماں باپ کو گالی دینا اپنے ماں باپ کو پھٹکارنا ہے کیونکہ یہ اُس کے ماں باپ کو گالی دے گا تو جواب میں وہ اس کے ماں باپ کو گالی دے گا۔ گالی گلوچ کے فعل میں اصل قصور دار ابتداء کرنے والا ہوتا ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے:

"آپس میں ایک دوسرے کو گالیاں دینے والوں میں ابتدا کرنے والا قصور وار ہے بشرطیکہ مظلوم جواب میں حد سے نہ بڑھ جائے۔"[۱]

اسلام کے نزدیک ہر انسانی جان محترم ہے اور قتل کرنا بہت بڑے کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ اس حدیث مبارک میں مسلمان سے قتال کو کفر بتایا گیا ہے، قتال سے ضروری نہیں کہ دوسرے کا قتل ہو جائے بلکہ مسلمان کو قتل کرنے کے ارادے سے اس پر حملہ کرنا ہی کفر ہے، خواہ اس کا نتیجہ کچھ بھی نکلے۔ بات تو نیت کی ہے، جب ایک مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائی کو قتل کرنے کے ارادے سے اس سے جنگ شروع کرے تو وہ ایمان سے محروم ہو گیا، ایمان کی حالت میں وہ ایسا گھناؤنا اقدام نہیں کر سکتا۔ اس حدیث میں حضورؐ نے مسلمانوں کو آپس میں لڑنے سے سخت تنبیہ فرمائی ہے۔ اگر وہ آپس میں ہی لڑنے لگیں تو بھائی چارے کا ماحول باقی نہیں رہے گا اور دنیا جہنم بن جائے گی۔ جان بوجھ کر مسلمان کو قتل کرنے کی قرآن حکیم میں سخت وعید آئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهُ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَاَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا ۝

(النساء ۴، ۹۳)

ترجمہ: "اور جو شخص کسی مؤمن کو عمدًا قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے وہ اس میں ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب ہو گا اور اس کو اللہ اپنی رحمت سے دُور کر دے گا اور اس کے لیے عذابِ عظیم تیار کرے گا۔"

رسول کریمؐ کا ارشاد ہے: "تم میں سے کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرے، کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ شاید شیطان اس کے ہاتھ سے ہتھیار چھین لے (اور بھائی پر چلا دے اور اس سے بھائی قتل ہو جائے) جس کے

[۱] ریاض الصالحین، باب تحریم سب المسلم بغیر حق، بحوالہ مسلم

Marfat.com

وہ دوزخ کے گڑھے میں جا گرے۔ ایک اور حدیث میں حضورؐ کا فرمان ہے، جو اپنے بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ کرے گا فرشتے اس وقت تک اس پر پھٹکار کرتے رہتے ہیں جب تک وہ ہتھیار نہ رکھ دے خواہ وہ باپ اور ماں کی طرف سے اس کا بھائی ہو (یعنی دینی بھائی نہ ہو بلکہ سگا بھائی ہی کیوں نہ ہو) [۳]

۱۹ مؤمن لعن طعن اور بیہودہ گوئی نہیں کرتا

وَعَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ رضؓ قَالَ :

اور روایت ہے ابو مسعود رضؓ سے، انہوں نے کہا

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

لَیْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا بِاللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِیِّ

نہیں مومن بہت طعنے دینے والا اور نہ بہت پھٹکارنے والا اور نہ فحش گو اور نہ بدکلام

نہیں ہوتا مؤمن بہت طعنے دینے والا اور نہ بہت لعنت کرنے والا اور نہ فحش گو اور نہ بدکلام

الفاظ کی تشریح

طَعَّان : بہت طعن کرنے والا۔ طعن کا معنی ہے، کسی کو چبھنے والی بات کہنا، اس کے کام یا کردار میں عیب نکالنا

لَعَّان : بہت لعنت کرنے والا۔ لعنت کا معنی ہے یہ بددعا دینا کہ اللہ اسے اپنی رحمت سے دور کر دے، پھٹکار دے۔

اَلْفَاحِش : فحش گوئی کرنے والا، بے حیائی کی باتیں کرنے والا۔

اَلْبَذِیّ : گندی زبان والا، فحش کلامی کرنے والا۔ بذاء سے نکلا ہے جو حیاء کی ضد ہے۔

---

[۱] ریاض الصالحین باب ۳۰۴، ۲ بخاری و مسلم [۳] ایضاً، بحوالہ مسلم

Marfat.com

تشریح مطالب

اس حدیث شریف میں حضور اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ مومن بہت طعن کرنے والا، بہت لعنت کرنے والا، فحش گو اور بدکلام نہیں ہوتا، یعنی اس کا شیوہ اور شعار نہیں ہوتا کہ وہ لعن طعن کرے یا فحش گوئی اور بدکلامی کرے، بالعموم وہ ایسی برائیاں نہیں کرتا، کبھی کبھار بھول چوک سے ایسا کر بیٹھے تو الگ بات ہے۔ اسی لیے آپؐ نے فرمایا کہ مومن بہت طعن کرنے والا اور بہت لعنت کرنے والا نہیں ہوتا۔ زبان کی یہ برائیاں مومن کا معمول اور اس کی عادت نہیں ہو سکتیں، کیونکہ

(۱) اونچی اور بے مثل و بے مثال صفات والے اللہ تعالیٰ پر اور بے مثال اُسوہ حسنہ والے نبیؐ پر ایمان لانے والے میں ایسی اخلاقی گراوٹ ناقابلِ تصور ہے اس کی سیرت و کردار پر تو صفاتِ باری تعالیٰ اور رسولِ اکرمؐ کی سیرتِ طیبہ کا پرتو ہوتا ہے، مثبت اور اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں، اس کے سامنے تو اعلیٰ صفات و اخلاق کی بلند ترین مثالیں ہوتی ہیں۔ پھر اس کا یہ بھی ایمان ہوتا ہے کہ آخرت کے روز اپنے رب کے حضور پیش ہونا ہے لہٰذا اس کے اخلاق عمدہ اور اعمال صالح ہونے چاہئیں۔ اس کی زبان تو ذکرِ الٰہی کرتی ہے سید المرسلین پر درود بھیجتی ہے تو کیا اسی زبان سے وہ ایسی گندی باتیں بھی کرے گا؟ ہرگز نہیں یہ مومن کی شان کے منافی ہے۔

(۲) جن کو لعن طعن کرنا ہے یا جن سے فحش گوئی کرنی ہے وہ تو اس کے بھائی ہیں، اللہ اور اس کے رسولؐ نے انہیں بھائی قرار دیا ہے، ان کی جان، مال اور آبرو کو واجب الاحترام ٹھہرایا ہے تو اپنی زبان سے وہ ان کی آبرو پر حملہ کیسے کر سکتا ہے؟ پھر اللہ کے رسولؐ نے اس پر یہ لازم ٹھہرایا ہے کہ وہ اپنے مومن بھائیوں سے خلوص رکھے، ان کی خیر خواہی کرے، لہٰذا انہیں یہ بددعا دینا کہ اللہ ان کو اپنی رحمت سے دور کرے خیر خواہی نہیں بلکہ بدخواہی ہے اور یہ ایمان کے تقاضوں کے منافی بات ہے۔

ان برائیوں سے ان کے عادی شخص کے کردار پر بھی برا اثر پڑتا ہے لوگ اسے مذموم اور قابلِ نفرت سمجھنے لگتے ہیں اس سے دور رہنے کی کوشش کرتے، کوئی اسے منہ نہیں لگاتا اور دوسروں کے دل میں رنجش اور بغض و عداوت بھی پیدا ہوتی ہے۔ اخوت

Marfat.com

کی فضا مکدر ہو جاتی ہے، اس لیے ان سے اجتناب کرنا چاہیئے۔
سورۃ ہُمَزَہ میں اللہ تعالیٰ نے ہلاکت اور بربادی کی وعید سنائی ہے، ان لوگوں کو جو پس پشت عیب نکالتے ہیں اور منہ پر طعن و تشنیع کرتے ہیں، حضور اکرمؐ کا فرمان ہے: "وَلَعْنُ الْمُؤْمِنِ كَقَتْلِهٖ" اور مومن کو لعنت کرنا اس کے قتل کے مانند ہے" ایک حدیث میں آپؐ کا ارشاد ہے: "قیامت کے دن بہت لعنت کرنے والے نہ گواہوں میں لیئے جائیں گے اور نہ سفارش کرنے والوں میں" فحش کی مذمت میں آپؐ کا ارشاد ہے: فحش جس چیز میں بھی ہوتا ہے اسے بدنما بنا دیتا ہے اور حیاء جس چیز میں بھی ہوتی ہے اسے خوشنما بنا دیتی ہے۔

۲۰ والدین کی خدمت

وَعَنْهُ (عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ) قَالَ

اور روایت ہے اس سے (روایت ہے ابو ہریرہؓ سے) انہوں نے کہا

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

رَغِمَ اَنْفُهٗ رَغِمَ اَنْفُهٗ رَغِمَ اَنْفُهٗ قِيْلَ مَنْ

خاک آلود ہو وہ ناک اس (کی) خاک آلود ہو وہ ناک اس (کی) خاک آلود ہو وہ ناک اس کی کہا گیا کون
اس کی ناک خاک آلود ہوئی اس کی ناک خاک آلود ہوئی اس کی ناک خاک آلود ہوئی عرض کیا گیا کس کی

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ مَنْ اَدْرَكَ وَالِدَيْهِ عِنْدَ الْكِبَرِ

اے رسولؐ اللہ (کے) کہا اس نے جس پایا اس نے والدین اس (کے) بوقت بڑھاپا
یا رسول اللہ؟ فرمایا جس نے اپنے والدین کو بڑھاپے میں پایا

اَحَدُهُمَا اَوْ كِلَاهُمَا ثُمَّ لَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ

ایک ان دو (سے) یا دونوں وہ دو پھر نہ داخل ہوا وہ جنت (میں)

Marfat.com

ان دونوں میں سے ایک ہو یا دونوں پھر وہ جنت میں داخل نہ ہوا

الفاظ کی تشریح

رَغِمَ : خاک میں لتھڑا۔ رَغام مٹی کو کہتے ہیں۔ رَغِمَ اَنفُہُ اس کی ناک خاک آلود ہوئی۔ مراد ہے وہ ذلیل و خوار ہوا۔

کِلَاھُمَا : وہ دونوں (یہ رفع کی حالت ہے۔ منصوب ہو تو کِلَیْھِمَا ہوتا ہے یہ فعل اَدْرَکَ کا مفعول نہیں ہے۔ اسی لیے اَحَدُھُمَا میں اَحَدُ بھی مرفوع ہے)

تشریح مطالب

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اَفصح العرب والعجم ہیں آپؐ نہایت مختصر اور نپے تلے الفاظ میں جامع معانی و مطالب والی بات فرماتے ہیں۔ جس بات کو بہت اہمیت دینا مقصود ہو یا جس کی طرف مخاطبین کی بہت گہری توجہ دلانا مطلوب ہو اسے آپؐ تین بار دہرا دیتے ہیں۔ اس حدیث شریف میں بھی حضور اکرمؐ نے اُس کی ناک خاک آلود ہوئی کو تین بار فرمایا اور پھر صحابہ کرامؓ کے عرض کرنے پر فرمایا کہ کس کی ناک خاک آلود ہوئی۔ اس اسلوب بیان سے مضمون کی اہمیت بھی خوب اجاگر ہو جاتی ہے اور سننے والے تاثر بھی بہت گہرا لیتے ہیں۔

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ بوڑھے والدین کی خدمت کرنا حصولِ جنت کا بہت ہی مؤثر ذریعہ ہے جو شخص اپنے والدین کی ان کے بڑھاپے میں خدمت کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس شخص کو بڑھاپے میں والدین کی خدمت کا سنہری موقع ملے اور وہ اس سے فائدہ نہ اٹھا کر جنت میں داخل ہونے سے محروم رہے وہ انتہائی بدقسمت انسان ہے اور وہ ذلیل و خوار ہوگا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ والدین جب بوڑھے ہو جائیں اس وقت انہیں ضرورت ہوتی ہے کہ جوان اور طاقت ور اولاد ان کی خدمت کرے، ورنہ جب تک والدین تندرست و توانا ہوتے ہیں، ان کو اولاد کی خدمت کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ اس عمر میں تو وہ اولاد کی خدمت کرتے ہیں، اس لیے حدیث شریف میں حضورؐ نے بڑھاپے میں والدین کو پانے کا ذکر فرمایا ہے

۱؎ امام نووی: ریاض الصالحین باب ۱۲۱، بحوالہ بخاری و مسلم ۲؎ ایضاً بحوالہ مسلم ۳؎ ریاض الصالحین باب ۴۰ ۱۸ بحوالہ ترمذی

Marfat.com

ہر شخص کو معلوم ہے کہ والدین کے اولاد پر کتنے عظیم احسانات ہوتے ہیں، ان احسانات کا بدلہ تو چکایا ہی نہیں جا سکتا بس ان کی کچھ عرصہ خدمت کر کے انہیں اور اپنے اللہ کو راضی کیا جا سکتا ہے۔ قرآن وحدیث میں والدین سے حسن سلوک اور ان کی خدمت کرنے کی بڑی سخت تاکید آئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا (النساء ۴: ۳۶ الانعام ۶: ۱۵۱، بنی اسرائیل ۱۷: ۲۳)

ترجمہ: اور والدین سے نیک سلوک کرو۔ اللہ تعالیٰ نے ہر مقام پر یہ حکم اپنی توحید کے ساتھ ہی دیا ہے یعنی حکم دیا ہے کہ اللہ کی عبادت کرو اور والدین سے حسن سلوک کرو۔ اللہ تعالیٰ حقیقی رب ہے اور والدین مجازی رب ہیں، پس انسان کے حقیقی رب نے اپنے ساتھ ہی اس کے مجازی رب کا ذکر فرمایا ہے۔ ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے۔

ترجمہ: "اگر ان دونوں (یعنی والدین) میں سے ایک یا دونوں تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچیں تو انہیں اُف تک نہ کہہ اور ان کو جھڑک مت اور ان سے ادب سے بات کر، اور ان کے سامنے شفقت اور عاجزی سے جھکا رہ اور یہ دعا کیا کر اے میرے رب ان دونوں پر رحمت فرما جیسے انہوں نے مجھے بچپن میں پالا تھا (بنی اسرائیل ۱۷: ۲۳ تا ۲۴)

احادیث نبویہ

(۱) کوئی اولاد والد کا بدلہ نہیں چکا سکتی سوائے اس کے کہ وہ اسے غلام پائے اور اسے خرید کر آزاد کر دے۔ [۱]

(۲) ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے حضور سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کو کون سا عمل زیادہ محبوب ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: وقت پر نماز، عرض کیا اس کے بعد کون سا؟ فرمایا: والدین سے حسن سلوک، عرض کیا پھر کون سا؟ فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد [۲]

(۳) ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا اور آپ سے جہاد میں شرکت کے لیے اجازت کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا، کیا تیرے والدین زندہ ہیں؟ عرض کیا، جی ہاں! فرمایا پس ان دونوں کے لیے جہاد کر (یعنی تیرا جہاد یہی ہے کہ تو اپنے والدین کی خدمت کر) [۳]

(۴) ایک شخص بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا: یا رسول اللہ! لوگوں میں سے میرے اچھے سلوک کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟ فرمایا: تیری ماں، عرض کیا پھر کون؟ فرمایا: تیری ماں، عرض کیا پھر کون؟ فرمایا: تیرا باپ [۴]

---

[۰] امام نووی: ریاض الصالحین باب ۴۰ [۱] بحوالہ مسلم [۲] ایضاً، بحوالہ بخاری و مسلم [۳] ایضاً بحوالہ بخاری و مسلم [۴] ایضاً بحوالہ بخاری و مسلم

Marfat.com